UNIVERSAL LIBRARY
OU_226188
UNIVERSAL LIBRARY

جملہ حقوق بحق مصنف و مؤلف محفوظ ہیں

فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم

انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال

ادلۃ الکرام
فی اثبات
عقائد الاسلام

جسمیں ہر ایک عقیدۂ اسلام کا ثبوت علوم جدیدہ و سائنس کی رُو سے دیا گیا ہے

مصنفہ و مولفہ منشی عطا محمد خاں صاحب گورنمنٹ پنشنر
امرتسر

وزیر ہند سٹیم پریس امرتسر میں طبع ہوئی

فہرست مضامین رسالہ ادلۃ الکرام فی العقائد الاسلام

عقیدہ	مضمون	صفحہ
دیباچہ	اس میں اس امر کی ضرورت ثابت کی گئی ہے کہ اسلامی عقائد کا ثبوت سائنس اور علوم جدیدہ کے اعتراضوں کے مقابلے میں لکھا جانا نئے تعلیم یافتوں کو مذہب اسلام پر قائم رکھنے کیلئے نہائت ضروری ہے۔	۱-۶
عقیدہ اول	حقائق الاشیاء ثابتۃ :۔ اس کے ضمن میں سوفسطائیوں کا رد کیا گیا ہے۔	۷
عقیدہ دوم	والعالم حادث :۔ اسکے ذیل میں دہریوں اور علماء طبعیین کی دلائل نسبت قدم مادہ درج کرکے ہر ایک دلیل کا ابطال علوم جدیدہ کے مطابق کیا گیا ہے پھر انکا جواب الجواب درج ہے اوسکی بھی تردید کی گئی ہے	۸-۱۱
عقیدہ سوم	ولہ صانع ۔ علاوہ دلائل علمیہ کے ایک سیدھی سادی دلیل سے خدا کی ہونیکا ثبوت دیا ہے	۱۱-۱۳
عقیدہ چہارم	وھو الواجب الوجود :۔ (۱) اس میں بحث کی گئی ہے کہ ممکن کیا ہے اور واجب بالذات یا واجب الوجود کیا ہے (۲) واجب الوجود میں کن باتوں کا ہونا ضروری ہے یہ مفصل بحث ہے (۳) اس عقیدہ کی تردید کی گئی ہے کہ واجب الوجود سے بلاوساطت صرف ایک ہی فعل صادر ہوسکتا ہے۔	۱۳-۱۷
عقیدہ پنجم	وھو واحد :۔ اس عقیدہ میں وحدت ذات باریتعالیٰ کا ثبوت ہے اور اسی کے ضمن میں وحدت وجود اور وحدت شہود پر بحث کی گئی ہے۔	۱۸-۱۹
عقیدہ ششم	وھو حی ۔ عالم ۔ قادر ۔ مرید متکلم ۔ سمیع ۔ بصیر وصفاتہ قدیمۃ باقیۃ ولا یقوم بذاتہ حادث (۱) اس عقیدہ میں ہر ایک صفت پر علیحدہ علیحدہ بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا ہے کہ صفات باریتعالیٰ اسکی عین ذات ہیں (۲) قاضی عضد اور علامہ سید شریف کی غلطی نسبت کلام الٰہی کے نہائت واضح طور پر ثابت کی گئی ہے (۳) کلام الٰہی کا قدیم ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ خدا کی نسبت عرش پر بیٹھنا اس کا ہاتھ منہ ہونا وغیرہ وغیرہ کا تذکرہ ہے اور ثابت کیا ہے کہ ان سے کیا مراد ہے ؟	۱۹-۳۰

عقیدہ	مضمون	صفحہ
عقیدہ ہفتم	وَاللّٰہُ تعالیٰ اَرسَلَ رُسُلاً مِنَ البَشَرِ اِلَی البَشَرِ وَاَفضَلُہُم وَاٰخِرُہُم مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ :۔ اس عقیدہ کے ضمن میں ذیل کے بڑے بڑے اور اہم مطالب تفصیل وار ثابت کئے گئے ہیں:۔ (۱) بعثت انبیاء (۲) روح اور نسمہ کی حقیقت (۳) حواس کے ذریعہ سے ہم کسی چیز کی حقیقت خواہ وہ کیسی ہی عام ہو۔ دریافت نہیں کرسکتے (۴) کانشنس کیا ہے؟ وہ اکثر قومی اور ملکی امور کی الفت و موانست سے متأثر ہوجاتی ہے اور اسلئے صحیح اور غلط کی تمیز میں ناقابل اعتماد ہے (۵) نور قلب یا نور فطرت البتہ غلط سے صحیح اور جھوٹ سے سچ کو دریافت کرلیتا ہے مگر سب انسانوں میں نور یکساں نہیں ہے (۶) اثبات رسالت میں معجزہ یا خرق عادت دلیل نہیں ہوسکتا۔ یہ بڑی طویل بحث ہے (۷) معجزات یا کرامات کا مسبب باسباب ہونا اور اس لئے خرق عادت محال ہو (۸) بحث قوائے نفس یا قوت مقناطیسی یا اسکے اثرات پر مدلل بحث (۹) سحر کیا ہے اور معجزہ اور سحر کا فرق بیان کرکے ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام اپنی صداقت میں کسی ایسی دلیسی چیز کا محتاج نہیں (۱۰) مذاہب کی صداقت کا معیار (۱۱) قانون قدرت کیا ہے؟ (۱۲) سچا مذہب ایک سچا اصول ہے اعتقاد کی فرع نہیں ہوسکتا (۱۳) اسلام قانون قدرت کے معیار کے مطابق ہے اسلئے سچا مذہب ہے (۱۴) تقسیم اصول و احکام اسلام اور اُن کے مدارج (۱۵) مذہب اسلام کے اصول و احکام کا قانون قدرت کے مطابق ہونا (۱۶) ارکان خمسہ اسلام کا قانون قدرت کے مطابق ہونا ہر ایک رکن کا علیحدہ علیحدہ قانون قدرت سے مطابق ہونا ثابت کیا ہے (۱۷) اسلام کے اصول و احکام نے بنی نوع انسان کی بھلائی کے واسطے کیا کیا اور جہاں جہاں اسلام پھیلا اور پہونچا وہاں پر اسکا اثر بنی نوع انسان کے حق میں کیا ہُوا۔ ”اسلام کی دنیوی برکتیں“ مصنفہ سید چراغ علی صاحب مرحوم کا حوالہ دیا گیا ہے (۱۸) آیات توریث اور پردہ پر مدلل بحث ہے چند نئے تعلیمیافتوں کے اس خیال کی اس میں خوبی تردید کی گئی ہے کہ وراثت کی تقسیم در تقسیم اور پردہ کی شدت اور کثرت ازواج کے رواج سے مسلمانوں میں ادبار آیا ہے یہ بھی ایک مستقل بحث ہے (۱۹) قرآن مجید کا اپنی نوع میں کامل اور مکمل ہونا اور اسکا منجانب اللہ اور	۳۰-۸۶

عقیدہ	مضمون	صفحہ
	کلام الٰہی ہونا خود قرآن مجید سے ثابت کیا گیا ہے (۲) محمد رسول اللہ کا اسیطرح سچا اور داعی الی اللہ ہونا خود آپکی ذات بابرکات کے حالات سے ثابت کیا ہے +	
عقیدہ ہشتم	وَمُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَخَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ ۔ ختم نبوت کے کیا معنی ہیں ۔ ختم نبوت عام تھی +	۸۶-۸۷
عقیدہ نہم	وَلَہٗ کُتُبٌ اَنْزَلَ عَلٰی رُسُلِہٖ (۱) حقیقت وحی والہام (۲) حقیقت نبوت (۳) جبرئیل کی حقیقت بموجب قرآن مجید کے (۴) کتب سماوی جو قرآن سے پہلے نازل ہوئیں اور اُن کی تصدیق و تکذیب کا صحیح قاعدہ +	۸۸-۹۴
عقیدہ دہم	وَالْقُرْاٰنُ مَحْفُوْظٌ عَنْ زِیَادَۃٍ وَّالنُّقْصَانِ وَھُوَ مَوْجُوْدٌ فِی الدَّفْتَیْنِ وَھُوَ جَامِعٌ وَّمَانِعٌ ۔ قرآن مجید کی جامع و مانع ہونیکی نسبت بعض علمائے اہل اسلام کے اقوال اور اُنکی تردید	۹۵-۹۶
عقیدہ یازدہم	وَلَیْسَ فِی الْقُرْاٰنِ النَّاسِخُ وَالْمَنْسُوْخُ ۔ ناسخ و منسوخ کی تعریف بموجب اقوال علماء اہل اسلام ۔ اس میں ایک بڑی اہم شرط کا فروگذاشت ہونا جس سے ذات باریتعالیٰ کے کمال علم تنزہ اور تقدس میں نقصان لازم آتا ہے	۹۶-۱۰۳
عقیدہ دوازدہم	وَلِلّٰہِ مَلٰٓئِکَۃٌ (۱) اس میں کسی وجود کی تصدیق کی نسبت جو کچھ حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ "التفرقہ بین الاسلام والزندقہ" میں تحریر فرمایا ہے درج کیا گیا ہے (۲) وجود ملائکہ پر مفصل اور مدلل بحث اور اس امر کا فیصلہ کہ جسطرح پر ہم انسان سے فروتر مخلوق کے وجود کا ایک سلسلہ دیکھتے ہیں اسیطرح انسان سے برتر مخلوق ہونیسے انکار کرنیکی کوئی دلیل نہیں ہے (۳) قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے پایا نہیں جاتا اسکا ثبوت (۴) بحث وجود شیطان خارج عن الانسان (۵) بحث وجود جنات ۔ یہ بڑی مفصل بحث ہے +	۱۰۴-۱۲۵
عقیدہ سیزدہم	وَھُوَ خَالِقٌ لِاَفْعَالِ عِبَادِہٖ فَالْکُفْرُ وَالْمَعْصِیَۃُ بِعِلْمِہٖ وَلَا یَرْضَاہُ (۱) مسئلہ جبر واختیار پر بحث ۔ (۲) وجوہات مجبوری انسان اپنے افعال میں (۳) علم تشریح الابدان کی رو سے انسان کے	۱۲۶ تا ۱۳۶

عقیده	مضمون	صفحه
	افعال پر بحث - (۴) انسانی فطرت یا جبلت میں جو باتیں خدا نے پیدا کی ہیں اسکے برخلاف انسان سی کوئی امر ظہور میں نہیں آسکتا (۵) انسان صرف اُس قوت نور فطرت کے سبب سے مکلف ہے اور یہی وہ قوت ہی جسپر ثواب و عقاب کا دار و مدار ہی (۶) تقدیر کا بیان مفصل اور مدلل ◆	۱۲۳-۱۳۶
عقیده چہاردہم	اَلْجَنَّۃُ وَالنَّارُ حَقٌّ (۱) کیا دوزخ اور جنت دونو پیدا ہو چکے ہیں؟ اس پر مفصل اور مدلل بحث - (۲) جنت و بہشت کی ماہیت ◆	۱۳۶-۱۴۲
عقیده پانزدہم	وَالْقِیَامَۃُ حَقٌّ - قیامت کا ثبوت علوم جدیدہ کی رُو سے جسطرح پر کہ اُسکا ذکر قرآن مجید میں مذکور ہی اصلی قیامت وہ ہی جسکا ذکر سورۂ قیامت میں آیا ہے اور اُسکا خلاصہ ان دو لفظوں میں ہے "مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ"	۱۴۲-۱۵۰
عقیده شانزدہم	وَالْحَشْرُ لِلْاَجْسَادِ حَقٌّ - اسکا ثبوت کہ معاد جسمانی اور روحانی ہوگا (۲) روح کیا ہی اسکو بموجب علوم جدیدہ کے ثابت کیا ہی کہ وہ کیا ہے اور وہ غیر فانی ہی (۳) اجسام کے اقسام اور اُنکے نمو اور موت کا حال بموجب علم الحیوانات اور کیمسٹری کے (۴) انسان اور کل حیوانات میں جو روح ہے وہ جنس واحد سے ہے (۵) کس لئے تمام حیوانات سے وہی افعال صادر نہیں ہوتے جو انسان سے صادر ہوتے ہیں اور کس لئے انسان مکلف ہے اور حیوانات غیر مکلف (۶) کیا روح اکتساب سعادت و شقاوت کرتی ہے (۷) انسان کے لئے بیشک موت ہے پس حقیقت موت کی کیا ہے اور روح کیلئے بعد مفارقت بدن کے بقا ہے (۸) اگر ہم روح کی بقاء کو تسلیم کریں تو پھر حقیقت بعث و نشر کی کیا ہے - یہ ایسا مضمون ہے جسکا حل نہائت ہی عمدہ طرز پر جو ہر ایک شخص کی سمجھ میں آسکے کیا گیا ہے ◆	۱۵۰-۱۶۰
عقیده ہفتدہم	اَلصِّرَاطُ وَالْمِیْزَانُ حَقٌّ - صراط اور میزان سے کیا مراد ہے اور قرآن میں یہ الفاظ جہاں جہاں آئے ہیں - اُن کے معنے ایک ہی ہیں ◆	۱۶۰-۱۶۴
تکملہ	(۱) اس میں ثابت کیا ہو کہ واصحاب محمد رسول اللہ افضل الناس بعد الانبیاء (۲) بحث خلافت (۳) بحث افضلیت اصحاب محمد رسول اللہ (۴) ازواج مطہرات (۵) اہل بیت رسول اللہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا ذکر - حضرت علی رضی اللہ عنہ کیساتھ حضرت معاویہ کا جنگ کرنا خطائی منکر تھا اور اُن کا یزید کی ولیعہدی پر بیعت لینا نہائت قبیح امر تھا ◆	۱۶۴-۱۶۹

دیباچہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہٖ محمد رسول اللہ وخاتم النبیین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

اما بعد واضح ہو کہ بڑے بڑے علما اور دانشمندون کی یہ رائے ہے کہ جب سے مغربی علوم کی اشاعت دُنیا مین شروع ہوئی ہے تب سے ابتک برابر مذہب کا اثر بتدریج کم ہوتا گیا ہے اور اب مذہب بالکل بوسیدہ مکان کی مانند ہو گیا ہے جو عنقریب کسی ضعیف سے صدمہ سے دہم سے گر پڑنے والا ہے یورپ اور امریکہ مین تو مذہب چراغ سحری ہے صرف جُہال کے حلقہ اثر مین کسیقدر ٹمٹماتا نظر آتا ہے خواص کے دائرہ مین جہان کم وبیش مغربی علوم نے جگہ پائی ہے یہ کبھی کا گل ہو چکا ہے اسکا وہ جادو جس نے گذشتہ صدیون مین دنیا کے تمام انسانو کے قلوب پر نہائت پُر رعب اور شاندار تسلط کیا ہُوا تھا اب اُسکا سکہ سا اُٹھہ گیا ہے اور مذہب کو بجائے ایک ضروری اور واجب العمل مجموعہ احکام الٰھی کے اب تقویم پارینہ کی سی بھی وقعت باقی نہین رہی لیکن اسکا سبب یہ ہے کہ علوم جدیدہ نے حقائق اشیاء کو نہ صرف ایسے دلائل سے جنکو مشاہدہ اور تجربے کے معیار پر کبھی کسا نہین گیا تھا بلکہ ایسے دلائل سے جو خود تجربے اور مشاہدہ نے پیدا کئے ہین دریافت کرلیا ہے اور روز بروز دریافت کرتا جاتا ہے پس کوئی مذہب یا اعتقاد جو غلط اوہام اور جھوٹے قصص اور کہانیون کا مجموعہ ہو وہ حقائق کا کس طرح مقابلہ کرسکتے ہے اب کسی امر کے

یقین کرنے کے واسطے مشاہدہ کا یا ایسے یقینی دلائل کا ہونا ضروری ہے جو حق الیقین کے مرتبے تک پہنچا دین - اب صرف یہ کہکر کسی امر کا ثبوت نہین ہوسکتا کہ فلان بزرگ نے زمانہ سابق مین معجزہ یا کرامات یعنی خرق عادات دکھلائے تہے اسلئے جو کچھہ وہ دعوی کرتا ہے بالکل سچ اور یقین کی قابل ہے سوا مشاہدے اور تجربے کے یا ایسے یقینی دلائل کے جو حق الیقین کے مرتبے پر پہنچا دین کوئی اور شئے خواہ وہ کیسی ہی تعجب دلانے والی اور حیران کر دینے والی ہو کسی یقین یا عقیدہ کو انسان کے دل مین بٹھا نہین سکتی اُس سے کم رتبہ دلیلون سے یقین نہین آسکتا بلکہ ایسی بودی دلیلون کا اس زمانہ مین پیش کرنا موجب مضحکہ ہے - ہندوستان مصر و دیگر ممالک اسلام مین جہان جہان فی الجملہ علوم جدیدہ نے دخل پالیا ہے اور اپنے تجلیات سے لوگون کی آنکھون مین ایک چکا چوندہ پیدا کردی ہو وہان پر مسلمانون کے عقائد حقہ مین تزلزل سا پیدا کردیا ہے اون مین سخت بے اعتقادی پیدا ہوگئی ہے مذہبی احکام سے یہانتک بے اعتنائی پائی جاتی ہے کہ اُن کے دلون مین "میونسپل بائی لاز" کا احترام بہ نسبت انکی الہامی کتاب کے معاذاللہ زیادہ ہے +

یہی وجہ ہے کہ اب مسلمان ان ممالک کے اعمال حسنہ مثل روزہ و نماز و ادائے زکوۃ وغیرہ کے ایسے پابند نظر نہین آتے جیسے کہ وہ پہلے تہے وہ منہیات شرعی کا ارتکاب اس جرأت سے جیسا کہ اب کرتے ہین پہلے نہین کرتے تہے اس لئے حقیقی تہذیب سے مسلمان کوسون دور پڑ گئے ہین اور سخت جہالت کے عمیق گڑہے مین گر گئے ہین جہان سے اُن کے نکلنے کی امید اگر تدارک نہ کیا گیا موہوم ہے +

یہ اسواسطے نہین ہے کہ اسلام سچائی مین سائنس و علوم جدیدہ کا مقابلہ نہین کرسکتا - یا معاذاللہ اسلام مجموعہ وہمیات اور جھوٹے قصص و کہانیون کا ہے اور اُس مین حقائق پائی نہین جاتی بلکہ یہ اس لئے ہے کہ اب مسلمانون مین اسلام پر ویسا پختہ یقین نہین ہا جیسا کہ پہلے تہا ہمارے علمائے نے اسکا تدارک کچھہ نہین کیا ایسے مسلمانون کے شکوک کو جن کے عقائد مین تزلزل آگیا تہا رفع نہین کیا - نہ کوئی ایسی کتاب لکہی جس مین عقائد اسلام کا ثبوت بطرز جدید علوم جدیدہ اور سائنس کے مقابلے مین ایسی طرز پر ہو جو عام کی سمجھہ کی موافق ہو اور جسکو ہر ایک شخص پڑہکر اسلام کی حقانیت پر خود کو اور کسی معترض کو مطمئن کرسکے +

بلاشبہ جب یونانی فلسفہ نے بذریعہ تراجم اسلام مین رواج پایا تہا تو اُسوقت کی مسلمانون مین اعتقادی مسائل کی نسبت یہی حالت تذبذب کی پیدا ہوگئی تہی مگر اُسوقت کے علماء رحمہم اللہ کی بڑی تعداد اسلام کی حمایت مین کہڑی ہوگئی اور بیسیون کتابین لکہہ ڈالین اونہون نے خود فلسفہ کو سیکہا اُس مین کامل مہارت اور تبحر حاصل کیا اور یا تو فلسفہ یونانی کے بہت سے مسائل کو غلط ثابت کر دیا یا بہت سے مسائل مین ایسے شکوک پیدا کر دئیے کہ وہ متزلزل ہوگئے یا اُن کو قرآن مجید کے مطابق کر دکہایا۔ اِسکا اثر یہ ہُوا کہ فلسفہ کا وہ سیلاب رُک گیا اور اسلام بجائے خود ویسے کا ویسا مستحکم اور مضبوط رہا *

ہمارے اس زمانہ مین افسوس کہ بمقابلہ علوم جدیدہ اور سائنس کے روزمرہ اعتراضون کے علما مین سے کوئی ایسی جماعت پیدا نہوئی جو وہی کام کرتی جو سابقہ زمانے مین پہلے علمانے بمقابلہ فلسفہ یونانی کے کیا تہا اب علوم حکمیہ اور ریاضیہ اور طبیعہ نئے نئے پیدا ہوگئے ہین اور گلی کوچون مین پھیل گئے ہین بے مبالغہ لاکھون آدمی ہین جو ہندسہ کو اقلیدس سے بہت زیادہ جانتے ہین لاکھون آدمی ہین جو فن تشریح کو بوعلی سینا سے بہت جانتے ہین علوم طبیعہ نے ہزارون چیزون کی ماہیت کو ظاہر کردیا ہے جو پہلے معلوم نہ تہین۔ تمام دنیا کے مذہبون کے امتحان کو بڑے بڑے لوگون کے اقوال کی کسوٹیان موجود ہوگئی ہین *

عُلوم جدیدہ کی اشاعت کسی کے روکنے سے رُک نہین سکتی تہی کیونکہ اب اسکا مذاق قوم مین پیدا ہوگیا تہا وہ بدستور جاری رہی اور جاری رہیگی بچہ بچہ تک اُس سے واقف ہوگیا تہا اور ہوتا جائیگا۔ مدرسون اور کالجون مین طلبا خود اپنے ہاتہ سے تجربات کرکے حقائق اشیاء کے جاننے اور سمجہنے کے عادی ہوگئے ہین اور روز بروز عادی ہوتے جائینگے لیکن اسکا بُرا اثر طلباء اہل اسلام پر یہ ہُوا کہ مذہب کیطرف سے اُن کو حد درجہ کی بے اعتنائی ہوگئی کیونکہ وہ مذہب کو ویسا سچا ثابت نہین کرسکتے تہے جیسا کہ تحریر اقلیدس کی کسی شکل کو۔ وہ اب ایسا مذہب چاہتے ہین جیسے دو اور دو چار ہوتے ہین اب وہ سائنس اور طبیعیات کے مقابلہ مین معجزات اور کرامات کو پیش نہین کرسکتے اس لئے اسلام سے اُن کو یکسوئی ہوگئی اور دہریت اور الحاد کی طرف میلان ہوگیا۔ مذہب کی طرف سے بالکل بے پرواہ ہوگیے۔ گویا کہ وہ انسان کی زندگی مین کوئی ضروری چیز نہین ہے اور یہی وجہ ہے کہ مسلمان تعلیم یافتون مین سے شاذونادر ہی کوئی پابند صوم وصلوۃ

نظر آتا ہے ٭

مین بھی ان قباحتون کو ہمیشہ محسوس کرتا رہا اور آرزومند رہتا تہا کہ خدا کرے کوئی مولوی صاحب اس الحاد و زندقہ کا جو ہمارے نوجوانون مین بسبب تعلیم علوم جدیدہ کے پہیلتا جاتا ہے اور جس مین وہ تعلیم یافتہ ایک طرح سے معذور بھی ہین سدباب کرے اور یہ تب ہی ہو سکتا تہا کہ وہ کوئی ایسی کتاب تحریر فرما کر شائع کرین جس مین عقائد اسلام کا ثبوت بطرز جدید علوم جدیدہ کے مقابلے مین ہو مین نے کئی مولوی صاحبان سے عرض کیا کہ کسی ایسی کتاب کا تصنیف کرنا جو اس دہریت اور الحاد کا سدباب کرے آپ صاحبان کا فرض ہے اگر کسی بزرگ نے ایسا نہ کیا تو سب کے سب گناہگار اور قیامت کے دن معتوب ہون گے کیونکہ اس زمانے مین نہ درہ کام آسکتا ہے اور نہ والکیفیۃ مجہولۃ کہکر پیچہا چہڑایا جا سکتا ہے اس زمانے مین جو شخص کسی بات کے سچ ہونیکا دعوے کرے گو وہ مذہب ہی کیون نہو۔ جبتک کہ اسکا سچ ہونا ثابت نکرے سچ نہین مانا جا سکتا پس جو لوگ کہ اسلام کی حقانیت کے مدعی ہین انپر فرض ہے کہ اسلام کو ان کسوٹیون پر پیش کرین اور علوم محققہ کے مقابلہ مین اسکا حق ہونا ثابت کرین۔ مگر ان مولوی صاحبان نے مجہکو اسکا یہہ جواب دیا کہ جب علوم جدیدہ مذہب اسلام کے مخالف ہین اور ان کی تعلیم عقائد اسلام مین تزلزل کا باعث ہے تو مسلمانون کو نہ چاہیئے کہ اپنی اولاد کو ان علوم مین تعلیم دین مگر ناظرین خود انصاف کر سکتے ہین کہ مولوی صاحبان کا یہہ جواب اس زمانے مین جبکہ روٹی کمانے کیواسطے دنیا مین یہہ کشمکش ہو رہی ہے کافی ہو سکتا ہے یا انکو اس ذمہ داری سے بری کر سکتا ہے۔ یا کوئی مسلمان انکی اس نصیحت پر عمل کر کے اپنی اولاد کو علوم جدیدہ کی تعلیم دلانے سے رک سکتا ہے

میرے ایک دوست جو اس امر مین میرے ہمخیال ہین مدت سے مجہکو ترغیب اور تحریص دیتے رہے کہ تم خود ہی ایک ایسی تالیف کرو جو عقائد اسلام کو بمقابلہ سائینس اور علوم جدیدہ کے عقلی دلائل سے صحیح اور ثابت کر دکہادے۔ لیکن باوجود ان کے حد سے بڑھے ہوئے اصرار کی مجہکو بسبب اپنی کم استعدادی کے جرأت نہوئی اور روز بروز انکا اصرار بڑہتا گیا اور مجہہ پر غالب آگیا۔ اور باوجود اپنی ناقابلیت کے مینے ہامی بھری۔ ہرچند مین جانتا ہون کہ مجہہ مین ایسے بڑے اور اہم [illegible] انجام دینے کی نہ تو قابلیت ہے اور نہ استعداد جس کے سرانجام کے واسطے اب تک

زمرہ علما سے کسی نے ہامی نہین بھری لیکن پھر بھی مجھکو صرف اسلام کی محبت اور اُس دوست کی ہمت دلانے نے اس امر کے انصرام پر مستعد و آمادہ کیا اور مینے اپنی بساط کے موافق یہ رسالہ جس کا نام "اَدِلَّۃُ الکِرَام فی اثبات عَقَائِدِ الاِسلَام" ہے چند دنون کی محنت سے تالیف کر کے پبلک کے روبرو پیش کر دیا ہے اس تالیف سے میری نیّت صرف اسلام کی خدمت کرنا ہے خواہ وہ کیسی ہی حقیر ہو- اس رسالہ کی تالیف سے یہ مقصود ہے کہ میرے ہم مذہب مسلمانون کی دلی تصدیق مین علوم جدیدہ کی تعلیم مخل نہو سکے اور جن کے دل مین اسلام کے عقائد سے کسی طرح کا تزلزل واقع ہو گیا ہو اُسکو رفع کرے ۔

اس مختصر رسالے مین مینے صرف وہی عقلی دلائل درج کئے ہین جو علوم جدیدہ کے مقابلے مین استحکام رکھتے ہین اور جن سے اسلام کی اصلی تعلیم کو جو بین الدفتین ہمارے ہاتھون مین موجود ہے کسی طرح کی جنبش نہین آتی ۔

مین اقرار کرتا ہون کہ جو دلائل مینے اس رسالے مین درج کئے ہین وہ میرے ذہن کے پیدا کردہ نہین ہین اور نہ مین اُن کو اپنی طرف منسوب کر کے کسی تعریف کا مستحق بننا چاہتا ہون- بلکہ یہ سب دلائل مختلف بزرگان دین کی کتابون سے اخذ کر کے ایک سلسلے مین مربوط کر دئے ہین ۔

ممکن ہے کہ ان دلائل کے سوا اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے اور عمدہ دلائل کسی بندۂ خدا کے ذہن سلیم مین آوین لیکن جو کچھ مین نے اس رسالے مین مختلف کتابون سے اقتباس کر کے لکھا ہے اُس سے بہتر دلائل مجھکو اور کسی جگہ سے نہین مل سکے ۔

چونکہ مین نے محض نیک نیتی سے یہ رسالہ تالیف کیا ہے اللہ جل شانہٗ سے امید ہے کہ یہ میرے دینی بھائیون کے کار آمد ہو اور اُنکی تصدیق قلبی اسلام کیواسطے معین اور مددگار ہو ۔

بلاشبہ یہ بالکل سچ ہے کہ ایسے پاک لوگون کے لئے جنکو اسلام کے ہر ایک مسئلے پر بلا کسی دلیل کے کامل یقین ہے کسی ایسی کتاب کا لکھا جانا جسکا یہ موضوع ہو تحصیل حاصل ہے- لیکن یہ رسالہ صرف اُن اصحاب کی خاطر لکھا گیا ہے جو متشککین فی الاسلام ہین یا جن کے عقائد مین علوم جدیدہ کی تعلیم سے کسی قسم کا تزلزل و تذبذب آگیا ہے ۔

گو یہ رسالہ ایسے بڑے کام کے واسطے کفیل نہو یا اس مین کچھ نقص پائے جاوین تاہم کم سے

کم اتنا فائدہ تو ضرور ہوگا۔ کہ ہمارے علماء مین اس سے اس امر کی تحریک ضرور پیدا ہوگی کہ کوئی عالم اس نیاک کام کا بیڑا اٹھا کر ایک مکمل کتاب عقائد اسلام کے اثبات مین بطرز جدید علوم جدیدہ اور سائنس کے مقابلہ مین تحریر کرکے اس کمی کو پورا کرے گا جو مدت سے محسوس ہو رہی ہے۔

راقم

ایک نہائت حقیر خادم اسلام عطا محمد عفی عنہ

مورخہ یکم دسمبر ۱۹۰۸ء۔ امرتسر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

اللھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم و الضالین ۔ آمین

عقیدہ اول

حقائق الاشیاء ثابتۃ

یعنی اشیا کی حقیقت ثابت ہے

تمام عقائد اور احکام اسلام کے اس عقیدہ کے یقین پر منحصر ہین کہ ہر شے کی ایک حقیقت نفس الامر مین ہے اس مین لوگون کے علم اور اعتقاد کا دخل نہین اور نہ وہ حقیقت مجرد وہم اور خیال ہے مثلاً پانی پانی ہے خواہ اُس کو کوئی پانی جانے یا نہ جانے اوسکی حقیقت لوگون کے اعتقاد سے بہی نہین بدلتی مثلاً پانی کو اگر لوگ آگ اعتقاد کرین تو پانی آگ نہین ہوجائیگا اور نہ اشیا کی حقیقت خیالی اور مشکوک ہے اگر کوئی شخص ایسا اعتقاد کرے تو وہ مجہول ہے اُسکو حواس خمسہ ظاہری اور باطنی پر بالکل اعتماد نہین ہے جو صرف یہی ذریعہ ہمارے پاس مدرکات اور محسوسات کا ہے ایسے شخص کے لئے صرف یہی دلیل ہے کہ مثلاً آگ کو اُسکے ہاتہہ پر رکھدین تو ضرور اُس سے متاثر ہوکر اوسکی حقیقت کا قائل ہوگا ؛

عقیدہ دوم

والعالم حادث

یعنی جملہ کائنات نو پیدا شدہ ہے

ماسوائے ذات باری تعالیٰ کے جو کچھہ موجود ہے اور جسکو ہم کسی طرح جان سکتے یا سمجھہ سکتے یا خیال کر سکتے ہین وہ سب حادث یعنی عدم محض سے وجود مین لایا گیا ہے اور قدیم نہین ہے موجودات کے سلسلے کو ہم ایک ایسے سلسلے مین مربوط پاتے ہین کہ ایک کا وجود دوسرے پر اور دوسرے کا وجود تیسرے پر منحصر ہے پس ضرور ہے کہ یہہ سلسلہ کسی اخیر علت یا سبب پر منتہی ہو کیونکہ دور و تسلسل محال ہے اور جس پر یہ سلسلہ علت و معلول کا منتہی ہو وہی خُدا یا صانع ہے جو اس سب موجودات کے تکوین کا باعث یا سبب اخیر ہے اور اس لئے وہی ذات قدیم ہے یعنے ازلی ہے جسکی کوئی ابتدا نہین ہے اور ابدی ہے جسکی کوئی انتہا نہین ہے ۔

دہریون کا یہ اعتقاد ہے کہ تمام کائنات جو موجود ہے مادہ سے وجود مین آئی ہے اور سلسلہ علت و معلول کا بھی مادہ پر ہی ختم ہوتا ہے اس لئے مادہ قدیم اور ازلی ہے دوم وہ کہتے ہین کہ اس سلسلہ علت و معلول مین مادہ کیلئے صورتون کی تبدیلی پیدا ہوتی ہے ذات مادہ کا پیدا ہونا پایا نہین جاتا۔ پس گو صورتین ہر وقت معدوم اور حادث ہوتی رہتی ہین لیکن اُن صورتون کی معدوم ہونے کیساتھہ مادہ معدوم نہین ہوجاتا اور اُن صورتون کے حادث ہونے کیساتھہ نیا مادہ پیدا ہوجاتا ہے بلکہ سوائے اسکے کہ وہی مادہ جو موجود ہے ادل بدل ہوتا رہتا ہے اور کچھہ نہین ہوتا ۔

مادہ کی تعریف یہ ہے کہ اُس مین طول ۔ عرض ۔ عمق یعنے ابعاد ثلاثہ اور ثقل پایا جائے اور وہ کسی ایسی چیز مین تبدیل نہین ہو سکتا جو غیر مادی ہو ۔ جسم دو چیزون سے مرکب ہے ایک مادہ سے دوسرے صُورت سے ۔ صُورت مادہ کے اتصال یعنے اکٹھا ہوجانے سے بن جاتی ہے اور جب اُس اکٹھے ہوئے مادہ کے ٹکڑے ٹکڑے کردو جسکو انفصال کہتے ہین یا اور طرح پر توڑ مروڑ دو تو دوسری صُورت پیدا ہوجاتی ہے اور پہلی صُورت معدوم ہوجاتی ہے خواہ کتنا ہی مادہ کو تقسیم در تقسیم کرتے جاؤ مادہ بدون شکل کے نہین رہ سکتا اور نہ صُورت بدون مادہ کے موجود ہو سکتی ہے ۔ غرضیکہ جسم ایسی دو چیزون سے مرکب ہے جن مین ایک صورت تو حادث ہے اور اگر ہیولیٰ یعنی دوسری جُزو کو قدیم مانا جائے تو حادث اور قدیم دونون کا اجتماع لازم آئیگا کیونکہ مادہ کا بدون صورت کے کسی حالت مین بھی پایا جانا محال ہے اور ان دونون اشیاء

کا انفصال جن سے وہ مرکب ہے ناممکن ہے پس لازم آتا ہے کہ یا تو دونوں اجزا قدیم ہوں یا دونوں حادث ہوں۔ لیکن صورت کا حادث ہونا تو جسم کی تقسیم اور انفصال سے ظاہر ہی ہیں پس دوسرا جزو یعنے مادہ بھی حادث ہے قدیم نہین ہوسکتا۔ اگر قدیم ہوتا تو اپنے ہونے مین حادث کا محتاج نہوتا۔

لیکن ہم دیکھتے ہین کہ مادہ مین غیر محدود تغیرات پائے جاتے ہین کبھی وہ کسی صورت مین اور کبھی کسی صورت مین تبدیل ہوتا ہے پس اگر وہ اپنے آپ موجود تہا اور جس صورت مین تہا اُس مین اُن تغیرات کا کون باعث ہُوا کیونکہ اُس مین ارادہ یا مثل اسکے خواص پائے نہین جاتے پس کوئی دوسرا وجود اسکے تبدلات مین موثر ہی اور یہ تغیرات اس بات کے بدیہی ثبوت ہین کہ وہ اپنے وجود مین کسی علت کا معلول ہے اسلیئے ہم یقین کرتے ہین کہ اُس علت العلل نے جسکو خدا کہتے ہین اُس کو مخلوق کیا اور اسواسطے وہ حادث ہے قدیم اور ازلی نہین ہے دوم مادہ کو سب سے اوّل یعنی علت کا معلول اوّل بلا واسطہ قرار دینا صحیح نہین ہے اسلیئے کہ ہم اس طرف سے مادیات کی سلسلے کو دریافت کرتی کرتی اوپر کی طرف چلے ہین اور اخیر کو یعنے سب کے بعد مادہ کا وجود قرار دیا ہے اور یہ ہمکو مطلق معلوم نہین ہے کہ اُس سے اوپر اور کیا معلولات تھے یا ہین جنکی تغیر حالت مادہ کے لئے علت ہوئی ہے ✢

نیچرل سائنس کے علما یعنے علماء طبیعین اگر یہ کہین کہ ان تبدلات کا باعث کوئی دوسرا موثر نہین ہے۔ بلکہ خود خواص مادہ ہی یعنی حرکت اور قوت جو مادہ کے خواص فطری ہین ان تغیرات کا باعث ہین اور اُنکی باہمی اتصال سے یہ تغیرات پیدا ہوتے ہین لیکن اُنکی پاس اسبات کا کوئی ثبوت نہین ہے کہ یہ تغیرات خواص مادہ کے سبب سے ہین بلکہ اُنہوں نے بھی اُن تغیرات کا سبب مادہ کے سوا کسی اور چیز کو قرار دیا ہے۔ جسکو خواص مادہ سے تعبیر کرتے ہین اور ہم اسکو بوجہ اثر موثر کی بیان کرتی ہین دوم کوئی وجہ اسکی نہین بتا سکتے کہ اجزائے صغار یا اجزاء لایتجزی سے یا سالمات جو فضا محض مین مملو تھے اور جو آپس مین باہم مماثل اور مشابہ تھے کیون زیادہ متصل ہوئی اور کیوں ایسی خاص طرح سے متصل ہوئی کہ کچھہ پہاڑ کی صورت مین ہو گئے اور کچھہ ایسی طرح ملے کہ دریا اور سمندر اور انسان اور حیوانات درخت وغیرہ بن گئے جبکہ اُنمین ارادہ یا اسکی مثل اور کوئی قوت پائی نہین جاتی۔

اگر ہم یہ بات بحث کی خاطر مان بھی لین کہ مادہ کے اجزا صغار فضا محض مین مملو تھے اور یہ سب تغیرات خواص مادہ کے سبب سے ہین تو کیا وجہ ہے کہ ان تغیرات سے پیشتر ہی اجزا صغار کیون

زیادہ متصل نہ ہوئے اور کیوں یہہ سب تغیرات پہلے حادث نہیں ہوئی کیونکہ خواص مادہ کا ہر وقت ان تغیرات کو پیدا کرنا لازمی امر تہا۔ پس مادہ کیونکر باوجود ان خواص کی بلا تغیرات ایک آن واحد کیلئے بہی رہا اور اُس مین کچہہ تغیرات نہ ہوئے۔ پس حکماء طبعیین کیلئے بہی ان اجزاء صغار یا سالمات مین جو فضاء محض مین ملو تھے۔ ایسے خواص یا اقتضاء کا پیدا کرنیوالا جو باعث حدوث ان تغیرات غیر محدود کا ہے ضرور کوئی اور ہونا چاہئے اور بس وہی خدا ہے اور اسلئے مادہ قدیم نہین بلکہ حادث ہے ۰

عُلمائے طبعیین اسکا یہ جواب دیتی ہین کہ جس طرح مادہ قدیم ہی اوسیطرح اُس مین حرکت اور قوت بہی اسکے اجزائے صغار مین موجود ہی اور یہ انکی فطری خاصیت ہی۔ جو اجسام ہمکو ساکن نظر آتی ہین انکی اجزائے ڈیمقراطیسی ہر وقت حرکت مین رہتی ہین اور اگر انکو کبہی سکون ہوتا ہی تو دو متقابل جذب کی قوتون کی وجہ سے ہوتا ہے چونکہ مادہ کیساتہہ حرکت بھی قدیم ہے اسکی اجزائے ڈیمقراطیسی کو زیادہ متصل ہونے اور مختلف صورتین اختیار کرنے مین کوئی استبعاد نہین ہی اگر اسکے یعنی مادہ کی اجزائے صغار مین ایک مدت تک سکون ہو تو بسبب عارض ہونے دو متقابل جذب کی قوتون کے ہوگا اور ایسا ہونا محال نہین ہے اسکا جواب یہ ہے کہ یہ سچ ہے کہ جب متقابل کی دو برابر قوتین ایک جسم پر دو مخالف سمتون سے عمل کرین تو جسم کو سکون حاصل ہوجاتا ہے لیکن اس امر کی وقوع کو ثابت کرنی یا اُس پر یقین کرلنے کیلئے پہلے یہ بات ثابت ہونا چاہئے کہ ایسی دو قوتین موجود ہین اور اُن دو قوتون نے ایسا کیا بہی تہا اور اب کہان ہین یا کہان گئین اور انکا کسی زمانہ گذشتہ یا حال مین موجود ہونا اور ثابت کرنا انکا ذمہ ہے پہر وہ دو قوتین ضرور اس مادہ سے متغائر ہونگی اور نہ یہی اجزائے صغار جنسے مادہ مرکب ہے غرضیکہ مجرد فرض اور قیاس سے کوئی حقیقت ثابت نہین ہوسکتی ۰

پہر جب ہم دیکہتے ہین کہ ان اجزاء صغار یا سالمات سے جو چیز بنی ہے اوسکی ترتیب اور نظم ایسی ہے جسکو دیکہکر عقل حیران رہجاتی ہے اور جن مقاصد کیلئے وہ سالمات ملے ہین ایسی خوبی سے ملے ہین کہ اور طرح پر وہ مقصد حاصل نہین ہوسکتا۔ پہر تمام چیزون جمادات نباتات اور حیوانات مین ایک چہوٹے سے تنکے اور نہایت چہوٹی سے کہنگے سی ہاتھی اور وہیل مچہلی تک اور عظیم الشان درختون تک دیکہو وہ تمام اعضا انمین موجود ہین جنکی ضرورت انکو ہی تو پس ہمکو بے اختیار ماننا پڑتا ہے کہ ایک بڑے دانشمند صاحب قدرت حکیم نے اُن سالمات مین متعدد طرح سے اتصال کی

ایسی قدرت اور خاصیت عنائت کی ہے جو مختلف طرح سے آپس مین ملتے ہین اور ایسی عجیب صورتین بدلتے ہین ان تمام باتون کی نسبت یہ کہدینا کہ یہ سب ازخود خواص مادہ سے بلا موثر ہین یا اتفاقیہ ہین اور انکی باہمی مناسبت کی تمام خوبیان نکات لعد الوقوع ہین بالکل لغو ہے کیونکہ نفس مادہ مین ارادہ کا موجود ہونا پایا نہین جاتا۔ پہر بلا ارادہ کس طرح سے ایسا عظیم الشان کارخانہ جسکے چہوڑے سے چہوٹی حصے کو دیکھکر تمام روئے زمین کے حکماء اور علماء کی عقل حیران و دنگ رہگئی ہے اور کوئی ابتک اس کارخانہ عظیم مین سطح کا ذرا سا نقص بہی نہین پا سکا اور جس کی جاری رکھنے کے لئے بطور پیش بینی ہزارون اور لاکہون طرح کے عجیب و غریب سامان مہیا ہین اور ہر روز بلکہ ہر ساعت مہیا ہوتے رہتے ہین۔ کیونکر بلا ارادہ ازخود پیدا ہوگئی پہر کس طرح خاص خاص افعال خاص خاص اشیاء یا ان کے اعضاء سے صادر ہوتے۔ اگر انکی ساخت مین ایسا ارادہ نہ کیا جاتا اگر یہ تغیرات خواص مادہ کے سبب سے ہوتے۔ تو یہ خواص مثل ابعاد ثلاثہ اور ثقل کے مادہ کے ہر ایک جزو مین پائے جاتے پس ثابت ہوا کہ مادہ عالم حادث ہے یعنی نو پیدا شدہ ہے۔ قدیم اور ازلی نہین ہے اور اسکے خواص مین ارادہ یا مثل اس کی اور کوئی قوت موجود نہین ہے بلکہ اس کا ایک صانع ہے جو صاحب ارادہ ہے اس نے جس طرح پر چاہا اپنے ارادہ سے اس مین تصرفات کئے اور اس عالم مین ایک ایسا قانون قدرت پیدا اور مقرر کیا۔ جسکو جب تک وہ خود نہ چاہے کوئی بگاڑ نہین سکتا اور نہ اوسکے برخلاف کچہہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اس قانون کو توڑ دے ٭

عقیدہ سوم

وللہ صانع

اور اس کائنات کا صانع ہے

فلاسفہ طبعیین کے نزدیک یہ امر مسلم ہے کہ معلول علت سے جدا نہین ہوتا اور نہ علت معلول سے یعنی علت اور معلول ایک ہی ساتہہ موجود ہوتے ہین اور جس وقت علت ہوگی اُسیوقت

اور اُسی کیساتھہ معلول بھی ہوگا اور اسی طرح جسوقت معلول ہوگا اسکے ساتھہ علت بھی ہوگی۔ غرض کہ معلول کا علت سے اور علت کا معلول سے جُدا ہونا محال ہے +

چونکہ ہم نے ثابت کیا ہے کہ عالم حادث ہے اور معلول ہے کسی علت کا اسلئے ہم کہتے ہین کہ چونکہ عالم جو معلول ہے موجود ہے اسلئے اُسکی علت بھی موجود ہے اور وہی صانع عالم ہے +

اس مسئلہ کے ماننے مین علماء اسلام نے تامل کیا ہے اور اُسکی تردید مین بڑا مبالغہ کیا ہی۔ اور اُن کو اسکے ماننے مین یہ دقت پیش آئی ہے کہ جب ہم نے خدا کو جو ازلی ہی علت العلل مانا تو معلول یا کائنات کا بہی اُسکے ساتھہ وجود ماننا پڑیگا یعنے مادہ کو قدیم ماننا پڑیگا یا یون کہو۔ کہ تعدد قدما لازم آئے گا لیکن میری خیال مین یہ مسئلہ بالکل صحیح ہے اور اُسکے ماننے مین کوئی ایسی مفروضہ دقت پیش نہین آتی +

اول علت و معلول کے وجود مین خواہ خارجی ہو خواہ ذہنی تقدم و تاخر لازمی ہے یعنی علت مقدم ہوگی اور معلول مؤخر یعنے اسکے بعد اسلئے وجود مادہ جو معلول ہے اپنی علت کے بعد ہوگا پس مادہ قدیم نہ رہا بلکہ حادث ہوا یعنی تاخر زمانی اسکو لازمی ہے دوم مادہ کو سب سے اول یعنی علت کا معلول اول بلا واسطہ قرار دینا صحیح نہین ہے اسلئے کہ ہم اسطرف سے مادیات کے سلسلے کو دریافت کرتے کرتے اوپر کیطرف چلے ہین اور اخیر کو یعنے سب کے بعد مادہ کا وجود قرار دیا ہی اور یہ ہمکو مطلق معلوم نہین کہ اُس سے اوپر اور کیا معلولات تھے جنکی تغیر حالت مادہ کیلئے علت ہوئی ہے

دلائل اور مباحث فلسفی کو علیحدہ رکھکر اگر ایک سیدھے اور عام امر پر نظر کرین تو بلا تامل ہمکو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس کائنات کا ایک صانع ہی جب کوئی شخص ایک مٹی کی برتن یا ایک مٹی کی کہلونے کو یا ایک پتھر کو کسی جگہ پڑا ہو یا پتھرون کو ترتیب چنا ہوا دیکھتا ہی تو فی الفور اسکی دل مین خیال آتا ہے۔ کہ کوئی ان برتنون اور کھلونون کا بنانیوالا اور اس پتھر کو ڈالنے والا یا پتھرون کو ترتیب چننے والا ہی پس جبکہ ہم اس کائنات کو عجیب خوبی اور عمدگی اور عجیب انتظام سی بنایا ہوا دیکھتے ہین تو ممکن نہین ہے کہ ہمارے دل مین یہ خیال نہ آوے کہ اسکا کوئی بنانیوالا ہی۔ پس احمق سے احمق از روئے فطرت کے وجود باری تعالی پر یقین لاسکتا ہے اور اوسکی وحدت پر بھی اُس انتظام سے جو کائنات کا ہے ہر شخص یقین کرسکتا ہی۔ اسی عام سمجھ کے لائق دلیل کو

خدا نے قرآن مین فرمایا کہ "لو کان فیہما الہۃ الا اللہ لفسدتا" یعنے اگر آسمان و زمین مین کئی خدا ہوتے تو تمام انتظام بگڑ جاتا - پس تمام انسان کسی فطرت پر پیدا ہوئے ہون - خدا کے وجود اور اسکے "وحدہ لاشریک لہ" ماننے پر مکلف ہین ۞

عقیدہ چہارم

وھو الواجب الوجود

یعنے وہ ایسی ہستی ہے جو اپنی ذات سے موجود ہے

واجب الوجود ایسی ہستی ہے جسکا وجود اپنی ذات سے ہے اور اپنے ہونے مین کسی چیز کا محتاج نہین جو چیز کہ ہے اور اُس کا ہونا کسی چیز سے اسطرح وابستہ ہے کہ اگر وہ ہو تو یہ بہی ہو اور اگر وہ نہو تو یہ بہی نہو تو ایسا تعلق رکھنے والی چیز کو ممکن کہتے ہین لیکن اگر کسی چیز کا ہونا دوسری چیز کے ہونے پر اسطرح وابستہ نہو کہ اگر وہ ہو تو یہ بھی ہو اور اگر وہ نہو تو یہ بہی نہو تو ... اوسکو واجب بذاتہ یا واجب الوجود کہتے ہین ۞

واجب الوجود یا علت العلل یعنے ذات باری کی نسبت تین طرح سے بحث ہوسکتی ہے ایک اسکے وجود سے کہ وہ موجود ہے دوسرے اوسکی ازلیت سے یعنی اوسکی ابتدا نہین تیسری اسکی ابدیت سے یعنی اسکی انتہا نہین ۞

نسبت امر اول :- ہم عالم کو موجود بالفعل دیکھتے ہین اور اسلئے ضرور ہے کہ اُسکی اخیر علت بہی موجود بالفعل ہو - پس وہی علت جسپر علت و معلول کا سلسلہ ختم ہوتا ہے اُسکو علت العلل کہتے ہین اور اسی کو واجب الوجود یعنی جسکا وجود خود اپنی ذات سے ہے اور اپنے موجود ہونے مین کسی اور علت کا محتاج نہین ہے اور اُسی کو اللہ یعنے ایسی ہستی جو عالم کے وجود اور تکوین کا باعث ہے کہتے ہین اور وہی ہے "ہو الموجود" -

واجب الوجود مین ذیل کی چیزین ہونی ضرور ہین:-

(۱) وہ عرض نہو یعنی اُسکا ہونا دوسرے کے ہونے پر موقوف نہو +

(۲) وہ جسم نہو کیونکہ اگر جسم ہوگا تو بہت سی جزون سے ملکر بنا ہوگا۔ اور اُسکا ہونا اپنی جزون سے ایسا تعلق رکہتا ہوگا کہ اگر وہ جزو ہون تو وہ بہی ہو اور وہ جزو نہون تو وہ بہی نہو +

(۳) وہ کوئی صورت یعنے شکل بہی نرکھتا ہو۔ کیونکہ شکل کو ہیولی سے ایسا تعلق ہوتا ہی کہ اگر وہ نہو تو شکل بہی نہوگی اور وہ ہیولی کی مانند بہی نہوگا کیونکہ ہیولی صُورت یعنی شکل کیساتھ ہوتا ہی اگر صُورت نہو تو ہیولی بہی موجود نہین ہوتا اسکو زیادہ تر واضح کیا جاتا ہی کہ جسم دو چیزون سے مرکب ہی ایک مادہ سی دوسری صورت سے صُورت مادہ کی اتصال یعنے اکٹھا ہو جانے سے بن جاتی ہی جسکو صُورت طبعی کہتے ہین اور جب اُس اکٹھے ہوئی مادہ کو ٹکڑے کر دو۔ جسکا نام انفصال ہے یا اور طرح توڑ مروڑ دو تو دوسری صُورت پیدا ہو جاتی ہی یعنے مادہ کی خواہ کتنی تقسیم در تقسیم کر دو اُسکے اجزا مین صُورت کا ہونا لازمی امر ہے یعنے مادہ بغیر صُورت کے نہین ہوتا اور صُورت بغیر مادہ کے نہین ہوتی +

(۴) وہ ایسا بہی نہو کہ اوسکا وجود اُسکی ماہیت سے مغائر ہو بلکہ اوسکا وجود ہی اوسکی ماہیت اور اوسکی ماہیت ہی اوسکا وجود ہو جسقدر ممکنات یعنے مخلوق چیزین ہین اُنکا وجود جُدا چیز ہے اور اونکی ماہیت جُدا چیز ہو مگر واجب الوجود مین ایسا ہونا نہین چاہئیے بلکہ اوسکی وجود او ماہیت دونونکا متحد ہونا لازم ہی

(۵) اوسکا تعلق کسی دوسری چیز کیساتہ اس طرح پر نہو کہ ویسا ہی تعلق اُس چیز کو بہی اُس کی ساتہ ہو یعنے خالق کو اپنی مخلوق کیساتہ اور مخلوق کو اپنی خالق کیساتھ ایک تعلق تو ہی مگر جسطرح کا تعلق خالق کو مخلوق کیساتہ ہے اُس طرح کا تعلق مخلوق کو خالق کیساتہ نہو یا یون کہو کہ خدا کو تو تعلق خالق ہونیکا یا علت ہونیکا اپنی مخلوق یا معلول کیساتھ ہے لیکن مخلوق یا معلول کو وہی تعلق خالق یا علت سے نہین ہے +

(۶) اس کا تعلق کسی دوسری کیساتہ نسبتی تعلق نہو جیسے کہ دو بہائیون مین نسبت ہولی ہے کہ ایک کا بہائی ہونا دوسرے پر منحصر ہے +

(۷) ایسے وجودون کا ہونا جو دو دو واجب الوجود ہون اور ہر ایک جدا جُدا فی نفسہ مستقل ہو

اور ایک کو دوسرے سے کچھہ علاقہ نہ ہونا جائز اور محال ہے +

(۸) کوئی صفت واجب الوجود کی ذات پر زائد نہین ہے - یعنے اُس صفت سے اوسکی ذات پر کچھہ زیادتی نہین ہوتی +

(۹) واجب الوجود مین تغیر محال ہے کیونکہ تغیر کے لئے کسی نئی چیز کا ہونا ضرور ہے - اور اگر واجب الوجود مین کوئی نئی چیز پیدا ہو تو وہ اسکے پیدا ہونے کے سبب کا محتاج ہوگا اور اوسکی ذات اُس کا سبب نہین ہوسکتی - کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے تھی پس اُسکی ذات کے سوا دوسری کوئی چیز ہوگی اور جب واجب الوجود کسی دوسری چیز کا محتاج ہُوا تو واجب الوجود نہ رہا +

(۱۰) واجب الوجود کو جس طرح عرض نہین کہا جاسکتا اوسیطرح اوسکو موافق اُس اصطلاح کے جو فلاسفہ نے مقرر کی ہے جوہر بھی نہین کہا جاسکتا - کیونکہ جواہر کا اطلاق ایک حقیقت و ماہیت پر کیا جاتا ہے اور اس مین شبہ رہتا ہے کہ وہ فی الحال موجود ہے یا نہین اور جب اُسکو وجود اعراض ہوتا ہے تو وہ لامکان مین عارض ہوتا ہے - غرضیکہ اوسکی ماہیت اس کی انیت سے جُدا ہوتی ہے اور جسکی ماہیت و انیت واحد ہو تو اُسپر جوہر کا اطلاق نہین ہوسکتا اور اس لئے واجب الوجود پر کبھی جوہر کا اطلاق نہین ہوسکتا - علم فلسفہ مین یہ بات مقرر ہے کہ جسقدر ممکنات یعنی مخلوق ہین - اُنکا وجود یعنے انیت جُدا چیز ہے اور اُنکی ماہیت جُدا چیز ہے

(۱۱) جو کچھہ سوائے واجب الوجود کے ہے وہ واجب الوجود سے صادر ہُوا ہے +

جاننا چاہئے کہ تمام محالات عقلی دراصل محسوسات سے اخذ کی گئی ہین مثلاً ہم ایک چیز کو موجود دیکھتے اور اُسکا موجود نہونا اُس کے برخلاف سمجھتے ہین اور اس مسئلہ عقلی کو اُس سے اخذ کرتے ہین کہ یہ بات نہین ہوسکتی کہ کوئی چیز آن واحد مین اور حیثیت واحد مین موجود بھی ہو اور معدوم بھی ہو - یا مثلاً ہم نے ایک چیز کو دیکھا اور دو چیزون کو بھی دیکھا اور اُن کو اُن سے مغائر پایا تو اس سے ہمنے یہ عقلی مسئلہ اخذ کیا کہ ایک دو نہین ہوسکتا اور دو ایک نہین ہوسکتے +

اب ایک مفہوم وحدت اور تعدد کا ہماری خیال مین آیا اور ہم اسطرف کو گئے کہ وہ شئے واحد جسکو ہمنے صورتاً ایک مانا تہا اپنے وجود مین بھی ایک ہے یا متعدد یعنی مرکب اور اس امر نے ہمارے دل مین ایک خیال بسیط و مرکب ہونیکا پیدا کیا اور اسی کے ساتھہ ہماری خیال وحدت کو ترقی ہوئی

کہ جس شئے کو ہم نے واحد فی الوجود قرار دیا تہا وہ واحد فی الماہیتہ یا واحد فی الانانیت بہی ہی یا نہین ہم نے بہت سے واحد فی الصورۃ کو آن واحد مین متعدد کام کرتی ہوئی دیکہا مثلاً ایک آدمی ہی کہ وہ آن واحد مین چلتا بہی ہے بولتا بہی ہے سنتا بہی ہی پکڑتا بہی ہے مگر ہمنے دیکہا کہ اس مین متعدد اجزا ہین جن سے وہ یہ سب کام کرتا ہے تو ہمنے یہ مسئلہ عقلی اخذ کیا کہ جسکو وجود یعنی انانیت مین ترکیب ہے اُس سے آن واحد مین متعدد کاموں کا ہونا ممکن ہو اسی کے مقابل مین یہ مسئلہ عقلی ہمارے خیال مین آیا کہ جسکی انانیت مین وحدت محض من جمیع الوجوہ ہو اُس سے بجز ایک فعل یعنی ایک کام کے اور کوئی کام بغیر واسطہ صادر نہین ہو سکتا *

واجب الوجود یعنی ذات باری کو فلاسفہ متقدمین الٰہیین اور علماء علم کلام اور صوفیہ کرام نے اسکو یا یون کہو اوسکی انانیت کو واحد محض مانا ہے اور یہ بالکل سچ ہو اور اسیواسطے انہون نے اپنے اسی خیال عقلی سے جو انہون نے محسوسات سے اخذ کیا تہا یہ قرار دیا کہ واجب الوجود سے بجز ایک کام کے اور کوئی کام بغیر واسطے کے صادر نہین ہو سکتا مگر یہ غلط ہی کیونکہ ہمنے واجب الوجود کو ایک ایسی ذات یا انانیت مانا ہی جو جامع جمیع صفات ہے اور اُسکی تمام صفات اوسکی عین ذات ہین اور وہ نہ اپنی انانیت مین کسیکا محتاج ہے اور نہ اپنے ہونے مین کسیکا محتاج ہے اور نہ اپنی صفات مین اُن صفات کا محتاج ہے کیونکہ اوسکی صفات اوسکی عین ذات ہین اوسکی ذات غیر محدود ازلی و ابدی ہو نہ اوسکی انانیت کے لئے مادہ ہے' نہ صورت' نہ حیز' نہ سمت' نہ مکان' نہ زمان اور نہ وہ محسوس ہے اور پہر ہمارے تمام پوشیدہ خیالون سے بذات خود بلا واسطہ واقف ہے بس ایسی ذات کو بجز اسکے کہ "ہے" کیونکہ اوسکا واجب الوجود ہونا تسلیم کیا گیا ہے کسی ایسے حکم کا محکوم جو محسوسات سے بمرتبہ اول یا بواسطہ مراتب متعددہ اخذ کیا گیا ہے قرار نہین دیا جا سکتا مثلاً ہمنے اور اکثر فلاسفہ نے اور تمام صوفیہ کرام نے تسلیم کیا ہی کہ خدا ہی تہا اور خدا کے ساتہہ کوئی چیز نہ تہی کان اللہ ولم یکن معہ شئ مسلمہ مسئلہ ہے کیونکہ اگر کوئی چیز ہو تی تو وہ بہی مثل خدا کی واجب الوجود ہو تی اور بالفرض اگر ہو تی تو بہی کچہہ فائدہ نہ دیتی پس اُس سے کسی ایک فعل کا صادر ہونا بہی ایسا ہی محال ہو جیسا کہ متعدد فعلون کا۔ کیونکہ ایسی ذات سے کسی ایسی مخلوق کا بہی خواہ وہ عقل اول ہو یا عما پیدا کرنا محال ہو جو نہ اوسکی عین ہو اور نہ اوسکی جزو۔ مگر برخلاف اسکے ہم لے انتہا اور مختلف اجناس و انواع کی مخلوق کو دیکہتے ہین اور کہتے ہین کہ کان اللہ ولم یکن معہ شئ لکنہ خلق المخلوق والعلم

کیف خلق"۔ پس اُسکے افعال صادرہ اولیہ پر بقیاس ایسی چیزون کے جو اُس کی ماہیت وانانیت اور اوسکی صفات کی غیر ہین کوئی حکم تفصیلی نفیاً و اثباتاً صادر نہین کر سکتی کیونکہ وہ قیاس صحیح نہین ہے بلکہ قیاس مع الفارق ہے اور کہتے ہین کہ فلاسفہ کا یہ مسئلہ کہ "الواحد لا یصدر منہ الاشئی واحد" نسبت واجب الوجود کے قیاس غلط پر مبنی ہے +

دوم جب وہ ذات کسی علت کی معلول نہین ہے تو اسکے ازلی اور ابدی ہونے مین کچھ اشتباہ باقی نہین رہتا +

ذات باری کا ہونا فطرت انسانی کی رو سے تسلیم کرنا لازمی ہے مگر اسکی ماہیت کا جاننا فطرت انسانی سے خارج ہے کیونکہ جاننا کسی وجود کی ماہیت اور حقیقت کا صرف حواس خمسہ ظاہری اور باطنی پر حصر ہے اور ان حواس سے انسان نے کسی ایسے وجود کو جسپر علت العلل کا اطلاق ہوسکے نہین جانا ہے پس واجب الوجود کی حقیقت اور ماہیت ذات کا جاننا انسانی فطرت سے خارج ہوا اور اسی لئے اسلام نے اسکی ذات کی چگونگی اور ماہیت جاننے پر ہمکو مجبور نہین کیا ہے اسلام صرف اسقدر چاہتا ہے کہ ہم یقین کرین کہ ایک واجب الوجود ہے اور بس اسلئے زیادہ اسکی حقیقت اور چگونگی کا دریافت کرنا عقل انسانی سے باہر ہے اور اسیواسطے انسان فطرتاً اسکے ماننے پر مجبور نہین کئے گئے کہ خدا کی فلان حقیقت اور چگونگی پر یقین کرین خدا کی ہستی پر یقین رکھنا کہ ہے اسکو قدیم اور ازلی یعنی ایسی ذات ماننا جسکی کوئی ابتدا نہین اور اسکو ابدی یعنی ایسی ذات ماننا جسکی کوئی انتہا نہین ہے یہی ہے جو خدا کی ذات کی نسبت ہمکو اسلام سکہاتا ہے +

کسی موجود کے وجود کی حقیقت کو نجاننا اُس موجود کے وجود کے ہونے کو مستلزم نہین ہے جب ہم ایک آواز سنین اور آواز کرنے والے کی وجود کو نجانتے ہون تو ہم کو اس بات کا یقین ہوگا کہ کوئی آواز کرنے والا موجود ہے گو کہ ہم اُسکے وجود کی حقیقت یا ماہیت کو نہ جانتے ہون۔

عقیدہ پنجم

وَھُوَ وَاحِدٌ

یعنی وہ صانع واحد فی الذات ہے

وہ ہستی جسکو ہم اللہ کہتے ہین واحد فی الذات ہے یعنی اپنی ذات مین فرد اور یگانہ ہے اور مثل اُسکے کوئی اور ہستی موجود نہین تمام موجودات پر ہم نظر ڈالتے ہین تو بادی النظر مین ہمکو عجیب مختلف قسم کی چیزین دکہائی دیتی ہین اور ہم سمجہتے ہین کہ ایک کو دوسری سے کچہہ تعلق نہین ہے مگر جب بہ تعمق نظر ڈالتے ہین اور بخوبی سوچتے ہین اور حقائق قدرت پر بقدر طاقت بشری واقفیت حاصل کرتے ہین تب سمجہتے ہین کہ تمام موجودات آپس مین نہایت مناسبت رکہتی ہین اور سب کے سب ایک راہ پر چلتے ہین ایک کو دوسرے سے ایسی مناسبت ہے کہ اگر ایک چیز موجودات سے معدوم ہوجاوے تو اس گورکہ دہندے مین اتنا ہی نقصان آجاوے۔ تمام موجودات ایسی تدبیر و حکمت و مناسبت سے موجود ہے جیسے ایک گہڑی یا کسی کل کے مختلف پُرزے آپس مین مناسبت رکہتے ہین اور اس سے اسبات کی ہدایت ہوتی ہے کہ یہہ گورکہ دہندا ایک ہی دانا حکیم کا نکالا ہوا ہے اور ایک ہی کاریگر کا بنایا ہوا ہے اور اسلئے عام عقل انسانی اس دلیل سے خدا کی وحدانیت پر اقرار کرسکتی ہے اگر یہہ کارخانہ متعدد وجودون کی ابداع ہوتا تو ہرگز اس حسن انتظام سے ایک لمحہ کیلئے بہی نچلتا۔ کیون آفتاب و ماہتاب و دیگر سیارگان کرہ ارض کی مصالح مین معین و مددگار ہوتے اگر وہ کسی دوسرے صانع کے ابداع و اختراع ہوتے۔

ہان بیشک ایک شبہ اسپر وارد ہوتا ہے کہ اس تمام کارخانہ قدرت سے جو ہم دیکہتے ہین یا سمجہتے ہین یہہ خیال مٹ نہین سکتا کہ کیا عجب ہے کہ مثل اس کارخانہ کے کوئی اور کارخانہ قدرت جسکو اس سے کچہہ تعلق نہ ہو اور اس کارخانہ قدرت کا ایسا ہی کوئی اور صانع اور علت العلل ہو اور موجود بالذات ازلی اور ابدی ہو جیسا کہ اس کارخانہ قدرت کا ہے تو پہر توحید خدا کی کس طرح ثابت ہوگی؟ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ مجرد وہمی اور فرضی باتون پر استدلال نہین ہوسکتا اور نہ خدا کی متعدد ہونے کا ثبوت ہوسکتا ہے پہلے معترض اسبات کا یقین دلائے کہ فی الحقیقت کوئی دوسرا کارخانہ ایسا موجود ہے جبتک وہ ایسا نہین کرتا یہہ اعتراض بالکل بے وزن ہے اور ہرگز قابل التفات نہین ہے۔

اسلام ہمکو اسبات کے ماننے پر اندرونی فطرت مجبور کرتا ہے کہ تمام چیزین جنکو ہم دیکہتے سمجہتے

ہین اور جو وجود پذیر ہین اُن سب کا خالق ایک ہے ✦

کوئی موجود حقیقی کبہی معدوم نہین ہوتا صرف عوارض یا صور نوعیہ کا تبدل ہوتا رہتا ہے پس اگر تمام موجودات کی عوارض نوعیہ یا شخصیہ معدوم ہو جائین تو جو کچہہ باقی رہے گا وہ ناقابل عدم ہوگا - البتہ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ وہ ایک ہوگا یا متعدد اور وہ کیا ہے اگر وہ متعدد ہون تو پہر بھی وہ ایک دوسرے کے معاون ہونگے کیونکہ ہم تمام موجودات کو مع عوارض نوعیہ و شخصیہ کے ایک دوسرے کا معاون پاتے ہین اسلئے وہ متعدد وجود بھی ایک دوسرے کے معاون ہونگے مگر اُن کے ایسا ہونے کیلئے بلا کسی علت مشترک کے کوئی وجہ نہین ہے اسلئے وہ صفت مشترک کوئی اور وجود ہوگا - اور اسی وجود یکتا کو ہم اللہ کہتے ہین اب رہا یہ خیال کہ قبول عوارض کی قوت خود اُسی وجود مین ہے جو بعد عدم عوارض و صور نوعیہ و شخصیہ کے باقی رہے گا یا کسی دوسرے وجود مین - اگر خود اُسی مین ہے تو بلا شبہ وہی اللہ اور واجب الوجود ہے ورنہ دوسرا وجود جو اس قبول عوارض کی علت ہو اللہ ہے - جن اکابر اسلام کا یہ مذہب ہے کہ اُسی وجود ناقابل العدم مین دونو قوتین فعل و انفعال کی جنکو قوت قبول عوارض کہتے ہین موجود ہین وہ وحدت وجود کے قائل ہین لیکن جو اکابر اسلام اُس قوت انفعال کی علت دوسرا وجود تسلیم کرلیتے ہین وہ وحدت شہود کے قائل ہین اور اسلئے لوگون کے خیال مین وحدت شہود کے قائل خدا اور مادہ کو ازلی اور ابدی مانتے ہین اور یہہ شرک ہے ✦

لوگون کی یہ غلطی ہے کیونکہ گو معلول کا وجود علت کے وجود کے ساتھہ لازم و ملزوم ہے مگر جبکہ معلول کا وجود علت کے سبب سے ہے اور علت کو تقدم زمانی بہی لازمی ہے اسلئے یہ عقیدہ بہی شرک نہین ہو سکتا البتہ علت ازلی و ابدی کا معلول بہی ازلی اور ابدی ہوگا نہ اُسکا شریک اور سہیم ✦

عقیدہ ششم

وَهُوَ حَيٌّ - عَالِمٌ - قَادِرٌ - مُرِيدٌ - مُتَكَلِّمٌ - سَمِيعٌ -

بَصِيْرٌ وَصِفَاتُہٗ قَدِيْمَۃٌ بَاقِيَۃٌ وَلَا يَقُوْمُ بِذَاتِہٖ حَادِثٌ

یہ صفات باریتعالی اور اسکی مثل دیگر صفات مثل خالق مُدبّر وغیرہ وغیرہ صفات ثبوتیہ کہلاتی ہین اور اُن کے اضداد کو صفات سلبیہ کے نام سے تعبیر کرتے ہین ؛

ذات باری کی تعبیر بجز اسکے کہ موجودٌ واحدٌ لاندولاشریک لہٗ - ولیس کمثلہ شئ - اور کسیطرح پر نہیین ہوسکتی - اسلئے قرآن مجید مین جابجا اُسکی صفات کو بیان کیا ہے مگر جہان جہان صفات باری بیان ہوئی ہین وہ سب از قبیل متشابہات کے ہین صفت کا اطلاق کبھی تواس پر ہوتا ہے جو موصوف کی ذات پر محدود ہوتی ہے جیسے جسم کا متحیز ہونا یا اُس مین ابعاد ثلاثہ کا پایا جانا اس قسم کے صفات تو علت العلل یا واجب الوجود مین نہ ہو سکتی ہین اور نہ منسوب ہوسکتی ہین کیونکہ ہم اُسکے وجود کی حقیقت نہیین جان سکتے اور اسلئے کوئی ایسی صفت جسکا قرار دینا وجود کی حقیقت کے جاننے پر منحصر ہو اسکی نسبت منسوب نہیین کر سکتے ؛

کبھی صفات کا اطلاق اُسپر ہوتا ہے جو موصوف سے ظہور مین آتی ہے اور وہ اس سے موصوف ہوتا ہے اور جبکہ علت العلل یا واجب الوجود سے تمام معلولات کا ظہور ہوا ہے تو اُسکو بھی بصفات متعددہ موصوف کیا جاتا ہے ؛

مگر صفت کے لفظ سے ہم مین دو خیال پیدا ہوتے ہین ایک یہہ کہ وہ صفت اوسکی ذات مین تو نہ ہو مگر اُسمین پیدا ہو گئی ہو اور زائد علی الذات ہو جیسے رنگ کا کسی بیرنگ مین - دوسرے یہ کہ کسی کی ذات مین ہو جیسے پانی مین رقت یا پتھر مین بوجھہ یا مقناطیس مین جذب ؛

پس علت العلل مین کسی ایسی صفت کا جو زائد علی الذات ہو ہونا محال ہے اسلئے کہ وہ ازلی اور ابدی ہے اور معلول کسی علت کا نہیین پس اُس مین کسی ایسی صفت کا جو اوسکی عین ذات نہو ہونا محال ہے دوسرے خیال پر ہم اسکے لئے صفات قرار دے سکتے ہین اور اُسکو موصوف بصفات کہہ سکتے ہین مگر اُن صفات کی حقیقت اور ماہیت کا جاننا بھی ہماری فطرت سے اسی طرح خارج ہے جیسے اُسکے وجود کی حقیقت اور ماہیت کا جاننا کیونکہ صفات جو اُسکی طرف منسوب ہین وہ اوسکی عین ذات ہین -

اسیطرح بعض صفات سے جو منافی اسکو وجود کی ہین یا من جمیع الوجوہ منافی اُسکی کسی صفت مسلمہ کے ہین اُسکو بری کرتے ہین کیونکہ اجتماع نقیضین محال ہے ؛

علماء اسلام نے پہلے صفات کو صفات ثبوتیہ اور دوسرے صفات کو صفات سلبیہ سے تعبیر کیا ہے

لیکن یہہ اصطلاحین ہین جوان صفات کی حقیقت و ماہیت جاننے کے لغیر اختیار کیگئی ہین ۔

حیّ یعنی زندہ ہونا ایک صفت ہے اُس سے علت العلل یا واجب الوجود کو موصوف کرتے ہین اور اُسکے نقیض سے جو موت ہے اُسکو بری کرتے ہین اور کہتے ہین "ھُوَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ" مگر حی ہونے کی حقیقت ہمنے اسی قدر جانی ہی جو ہم نے ذی حیات مین دیکھی ہے مگر وہ تو بہت سی علتون کی معلول ہے اسلئے واجب الوجود سے منسوب نہین ہوسکتی البتہ اُن ذی حیات سے حیات کے سبب افعال صادر ہوتے ہین اور اسی سبب سے ہم انکو حی کہتے ہین اور ظہور کائنات اور جو کچھہ اُسپر گذرا اور جو کچھہ اُسپر گذریگا اور جو کچھہ اُسپر گذر رہا ہے اُسی واجب الوجود کی ذات سے ہے جو علت العلل اُسکے ظہور کا ہے اسلئے اُسکو بھی حی ہونیکی صفت سے موصوف کرسکتے ہین اور کہتے ہین کہ وہ زندہ ہے لیکن ہماری زندگی کی سی اوسکی زندگی نہین ہے اور ہم کو اُسکی زندگی کی حقیقت کا علم نہین ہے اور موت سے جو حیات کی نقیض ہے اُسکو ازلاً ابداً بری کرتے ہین کیونکہ موت امر سلبی ہے اور کوئی امر سلبی ذات واجب الوجود مین موجود نہین ہوسکتا اور اسلئے کہتے ہین "ھُوَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ"

مُرِیْدٌ یعنی صاحب ارادہ یعنے اپنی ارادے سے کام کرنیوالا ۔ اس صفت سے بھی علت العلل یا واجب الوجود کو موصوف کرتے ہین مگر ہم نے اس صفت کی حقیقت کو اسیقدر جانا ہے جسقدر کہ ہم نے انسان یا دیگر حیوانات مین دیکھا ہے اور یہہ سمجھا ہے کہ وہ ایک کیفیت ہے جو ہم مین ایسے خیالات سے اپنی خواہشون کے پورا کرنے یا کسی قسم کے جذب منفعت اور دفع مضرت کے لئے پیدا ہوتی ہے اور ہماری ذات کو عارض ہوتی ہے یعنے زائد علی الذات ہے اور اسلئے وہ صفت جسکو ہم جانتے ہین علت العلل یا واجب الوجود سے منسوب نہین ہوسکتی مگر اس علت العلل سے جو ظہور ہوا ہے ۔ وہ اسکے افعال ہین جو صفت ارادہ کے نتائج ہین اور اسلئے مرید ہونیکی صفت کا اُس مین یقین کرتے ہین اور جبکہ اُسکی تمام صفات اوسکی عین ذات ہین اسلئے اُسکو مقتضائے ذات سے تعبیر کرتے ہین اور حقیقت مین یہی مقتضائے ذات تمام تکوین کا باعث ہوا ہے ۔

یہ بحث کہ اُن افعال کا ظہور بہ مجبوری ہوا ہے یا باختیار محض لغو و مہمل بحث ہی کیونکہ جو امر بمقتضائے ذات ہوا ہو اُس سے یہ بحث متعلق نہین ہوسکتی مگر جب ہم اُن تمام کامون کو جو اس

علت العلل سے ظہور مین آئے ہین کامل انتظام سے منتظم اور سلسلہ علت و معلول سے مربوط پاتی
ہین تو فطرت انسانی اسپر شہادت دیتی ہے کہ یہ سب کام بالارادہ ظہور مین آئے ہین اور اسلئے کہتے
ہین هُوَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ۔ لیکن ہم اس ارادہ کی حقیقت نہین جانتے کیونکہ اُسکا ارادہ ہمارے ارادے
جیسا نہین ہے +

خَالِقٌ پیدا کرنیوالا ہے یہہ بھی ایک صفت ہے جس سے علت العلل یا واجب الوجود کو
موصوف کرتے ہین مگر یہہ خیال انسان مین ایک چیز سے
دوسری چیز کے پیدا ہوتے ہوئے دیکھکر پیدا ہُوا ہے مگر درحقیقت وہ اس صفت حقیقی یا مجازی
سے مطلق واقف نہین ہے اور نہ اُس نے اپنی کسی حواس سے جو ذریعہ ہمارے پاس کسی شئے کی
حقیقت جاننے کا ہے محسوس کیا ہے اور نہ کر سکتا ہے اور اس لئے اسکی حقیقت کا جاننا
مافوق فطرت انسانی ہے بلکہ اُس نے صرف اس وجہہ سے کہ تمام کائنات کا ظہور اُس علت العلل یا
واجب الوجود سے ہُوا ہے اُسکو خالق اور اس ظہور کو مخلوق قرار دیکر صفت خالقیت بلا علم اوسکی
حقیقت کے علت العلل یا واجب الوجود سے منسوب کی ہے اور اسی واسطے ہم کہتے ہین کہ " هُوَ
خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ " لیکن ہم اسکی حقیقت نہین جانتے +
اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ خدا تعالی نے پہلے عقل اول کو پیدا کیا اور پھر اُس سے فلانی فلانی چیزین
پیدا ہوئین اور پھر جو لوگ کہتے ہین کہ ابتدا مین خدا کیساتھ ایک اور شئے تھی اور اُسکا نام اُنھون
نے مادہ یا ہیولی رکھا ہے اور اس سے سب ظہور کائنات ہُوا یہ سب غلط خیالات اور ظنونات ہین
اور سچ یہ ہے کہ خدا تعالی تھا اور اُس کیساتھ کوئی اور شئے نہ تھی پھر اُس نے کائنات کو
خلق کیا لیکن ہمکو علم نہین ہے کہ کس طرح پر اُس نے خلق کیا کیونکہ انسانی فطرت اوسکی جاننے سے قاصر ہے +

عَلِيمٌ علم والا ہے ایک صفت ہے جس سے علت العلل یا واجب الوجود کو موصوف
کرتے ہین مگر اسکی حقیقت کو بجز اسکے جو ہم نے بذریعہ اپنی حواس
کے موجودات سے اخذ کی ہے نہین جانتے اور وہ ایک کیفیت ہے جس سے ہمکو موجودات خارجی
اور ذہنی کا انکشاف ہوتا ہے اسلئے ہمارے علم کیلئے قبل از علم موجودات خارجی یا ذہنی کا موجود ہونا
ضروری ہے یعنے ہمارا علم انکو موجود ہونیکا فی الخارج یا فی الذہن محتاج ہے اور زائد علی الذات ہے

اور زمانہ سے متعلق ہے جسکو ہم ماضی وحال استقبال سے تعبیر کرتے ہین ؛

مگر با این ہمہ ہم اپنے علم سے کسی خاص شئے کے موجد کے علم کو بہ نسبت اُس شئی کے زیادہ وسیع پاتے ہین وہ قبل وجود اُس شئے کے اسکے کل اور جزو کا اپنے ذہن مین علم رکھتا ہے اور اُسکے وجود مین آنے اور اُن خاص حالات کے ہونے پر جو آئندہ ہونگے کوئی زیادتی اُسکے علم مین نہین ہوتی اور اُس شئے خاص کی نسبت اسکے علم مین زمانے کا امتیاز بھی نہین ہوتا بلکہ ماضی وحال واستقبال اُسکے علم کی نسبت مساوی ہوتے ہین بہرحال جس صفت علم کو ہم جانتے ہین اور جو محتاج وجود معلومات ہے اور زائد علی الذات ہے اُسکو علت العلل یا واجب الوجود کی نسبت منسوب نہین کرسکتے ؛

مگر ہمنے تسلیم کیا ہے کہ جو کچھ ظہور مین آیا ہے اُسکے ارادہ سے ظہور مین آیا ہے اور خالق جمیع مخلوقات کا ہے تو فطرت انسانی اسبات پر شہادت دیتی ہے کہ صفت علم بھی اُس کو لازمی ہے جو نہ مقید وجود معلومات ہو اور نہ جس مین زمانی کا امتیاز ہو کیونکہ کسی صانع نے جب نے کسی چیز کو بنایا ہو اُسکی نسبت یہ گمان نہین ہوسکتا کہ اُس صنعت کی حقیقت کو اور اسبات کو کہ اُس سے کیا کیا امور ظہور مین آوینگے نہ جانتا ہو۔ کیونکہ اگر وہ نجانتا ہو تو اُس سے اُسکا بنانا غیر ممکن ہے مثلاً ایک گہڑی ساز قبل بنانے اُس گہڑی کے جانتا ہے کہ اسقدر پرزے اُس مین ہونگے اور وہ پرزے فلان فلان کام دین گے اس قدر عرصہ تک وہ گہڑی چلیگی اور اسقدر عرصہ کے بعد بند ہوجاویگی پس وہ علت العلل جسنے انسان کو معہ اسکے قویٰ اور فطرت کے پیدا کیا ہے بخوبی جانتا ہے کہ یہ پتلا کیا کریگا اور اسلئے اُسکو کہتے ہین عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّہَادَۃِ وَھُوَ بِکُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ اور یہی صفت ہے جسکا دوسرا نام تقدیر ہے ؛

سَمِیْعٌ وَ بَصِیْرٌ یعنی سننے والا اور دیکھنے والا ہے

علم کی صفت مین سمیع و بصیر بھی داخل ہین کیونکہ وہ بھی انسان کیلئے ذریعہ علم کے ہین لیکن جب اس علت العلل یا واجب الوجود کی نسبت ہم نے کہا ہے عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّہَادَۃِ تو ہمکو علم کے ذرائع سے جو انسان کے خیال مین ہے اور بطور ذرائع جزئیات علم کے ہین بحث کرنی ضرور نہ تھی مگر چونکہ انسان کے ذہن مین سننا اور دیکھنا بھی منجملہ خاص ذرائع علم کے ہین اور اُن سے علم کے کامل ہونیکا خیال پیدا ہوتا ہے اسلئے

انکو بطور جداگانہ دو صفتون کے علت العلل یا واجب الوجود کی نسبت منسوب کیا ہے جسکو سُننے اور دیکھنے سے تعبیر کرتے ہین +

مگر غور کرنا چاہیئے کہ ہم اُن صفتون کی حقیقت کیا جانتے ہین - سننے کی حقیقت ہم یہ جانتے ہین کہ ہماری کان مین ایک نہایت باریک پردہ ہے اور جب کوئی صدمہ ہوائی محیط کو پہنچتا ہے تو اُس مین چکر دار لہر پیدا ہوتی ہے اور وہ لہر ہماری کان کے پردہ پر پہنچتی ہے اور وہ ذریعہ ہماری سُننے کا ہوتی ہے مگر اس طرح کا سُننا معلول ہے بہت سی علتون کا اور وہ حقیقت سمع علت العلل یا واجب الوجود سے متعلق نہین ہو سکتی - پس جس سُننے کی حقیقت ہم جانتے ہین وہ حقیقت علت العلل یا واجب الوجود کے سننے کی نہین ہے +

دیکھنے کی حقیقت ہم یہ جانتے ہین کہ ہماری آنکھ کے شفاف پردے اور اوسکی رطوبت پر جو تقبہ چشم مین ہے روشنی کے سبب اُس شئے کا جو ہمارے سامنے ہے عکس پڑتا ہے اور اس سبب سے ہم اُس چیز کو جو ہمارے سامنے ہے دیکھتے ہین یہ حقیقت دیکھنے کی تو متعدد چیزون کے وجود ماقبل کی محتاج ہے اور بہت سی علتون کی معلول ہے وہ علت العلل یا واجب الوجود سے منسوب نہین ہو سکتی +

مگر جس طرح ہم اُس علت العلل یا واجب الوجود کا علیم ہونا تسلیم کرتے ہین جو نہ مقید وجود معلومات پر ہو اور جسمین زمانے کا امتیاز ہو اسی طرح ہمکو اُس کا سمیع و بصیر ہونا بھی جو درحقیقت صفت علم مین داخل ہے بلا موجود ہونے آواز اور بلا موجود ہونے مبصرات کے تسلیم کرنا لازم آتا ہے اور اسی لئے کہتے ہین کہ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَإِنَّهُ لَبَصِيرٌ بِالْعِبَادِ وَإِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ لیکن ادراک ماہیت سمع و بصر خارج از فطرت انسانی ہے +

قَادِرٌ یعنی قدرت والا ہے

یہ بھی ایک صفت ہے جس سے علت العلل یا واجب الوجود کو موصوف کیا جاتا ہے قادر ہونیکا مفہوم عام یہ ہے کہ جسپر وہ قدرت رکھتا ہے اُسکو اپنی مرضی کا تابع رکھنا اور جسطرح پر چاہے اُس مین تصرف کرنا اُس مفہوم کو جب انسان اور علت العلل سے منسوب کرین تو مختلف امور کا تسلیم کرنا لازم آتا ہے ضرور جمیع موجودات پر قدرت نہین رکھتا علت العلل یا واجب الوجود جو کہ منبع ہے تمام موجودات یا خالق ہے

تمام اُن چیزون کا جو موجود ہین یا آئندہ موجود ہون اسلئے ضرور ہے کہ اُن تمام پر قادر ہو انسان کی قدرت
موقوف اسکے جوارح اور قوائے ظاہری اور باطنی پر ہے علت العلل یا واجب الوجود کی قدرت اُس پر
موقوف نہین ہے انسان کی قوت محدود ہے اور بعض دفعہ ناکامیاب ہوتی ہے یعنے جو وہ کرنا چاہتا
ہے نہین کرسکتا مگر علت العلل یا واجب الوجود جو خالق جمیع کائنات و موجودات موجودہ و آئندہ کا ہی
اسکی قوت نہ جوارح سے متعلق ہے اور نہ کبھی ناکام ہوسکتی ہے پس مختصر لفظون مین کہا جاسکتا ہے کہ
اوسکی قدرت ہماری سی قدرت نہین ہے اور اسلئے اوسکی قدرت کی ماہیت یا حقیقت کا جاننا انسان
کی فطرت سے خارج ہے اور اس لئے کہا جاتا ہے کہ "اِنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" لیکن ہمکو
اسکے قادر ہونیکی حقیقت معلوم نہین ہے سوائے اسکے جو کائنات مین اوسکی قدرت کا تصرف دیکھتے ہین

مُتَکَلِّم یعنی کلام کرنیوالا ہے

خدا کو متکلم کہا جاسکتا ہے اور اُس سے صفت تکلم کو منسوب کیا جاتا ہے۔ مگر
انسانون کا کلام جو سننے مین آتا ہے وہ تو یہ ہے کہ زبان اور ہونٹ ہلتے ہین اُس سے ہمدرد ہوا
محیط کے ایک آواز کان تک پہنچتی ہے ہر ایک لفظ کے بعد دوسرا لفظ بلکہ ہر لفظ کے پہلے حرف
کے بعد دوسرا نکلتا ہے اور حرفون سے ملکر لفظ اور لفظون سے ملکر جملہ ہوتا ہے اس طرح پر متکلم
ہونا تو ہم خدا کی طرف منسوب نہین کرسکتے کیونکہ یہ تو محتاج کئی علتون کا ہے بلاشبہ خدا تعالی
کا کلام اسکی ایک صفت ہے۔ اور قدیم ہے اور اسکے لفظ اور معانی دونون قائم بالنفس ہین
اور دونون غیر متغیر ہین بخلاف اُن بزرگون کے جو صرف معانی کو قائم بالنفس مانتے ہین۔
لفظ ہی حقیقت مین ایک مقید یا مختص معانی ہین جنپر بولے جانے کے بعد ہم لفظ کا اطلاق کرتی
ہین انسان جو گفتگو کرتا ہے اُسوقت بہی الفاظ اسکے نفس مین انکے بولے جانیکے قبل موجود ہوتے
ہین صرف معانی کو قائم بالذات ماننے اور معانی اور لفظ کو قائم بالذات ماننے مین یہ فرق ہے کہ
پہلی صورت مین اُن معانی کو الفاظ مختصہ مین تعبیر کرنا لازم نہین آتا اور دوسری صورت مین بجز
الفاظ معینہ مختصہ کے اور کسی الفاظ سے تعبیر نہین ہوسکتی مثلاً "الحمد للہ" کلام خدا کا ہے یہ
ذات باری مین مع معانی و الفاظ کے اسطرح پر قائم ہے کہ جب تلفظ مین آویگا تو "الحمد للہ"
ہی اُسکا تلفظ ہوگا "للہ الحمد" اُسکا تلفظ نہین ہونیکا۔ نہ "ثناء اللہ" اُسکا تلفظ ہوگا اور ہم
قرآن مجید کو اسی معنے کر کے مع معانی اور الفاظ کلام خدا کہتے ہیں اور قدیم تسلیم کرتی ہیں۔

لفظون کے قائم بالنفس ہونے مین تقدم و تاخر نہین ہوتا اسکو مثال دیکر سمجھانا بلا شُبہ مشکل ہے مگر اس طرح پر سمجھ مین یا خیال مین آسکتا ہے کہ جس طرح اُن الفاظ کی نقوش کو آئینہ کے سامنے رکھنے سے وہ سب نقوش معاً بلا تقدیم و تاخیر آئینہ مین منقش معلوم ہوتے ہین اسی طرح الفاظ کے بھی بمعنی مذکورہ قائم فی الذات ہونے مین تقدم تاخر لازم نہین آتا۔ ذات باری کی نسبت ہم ثابت کر چکے ہین کہ وہ علت العلل تمام چیزون کی ہے جو ہو چکین اور ہوتی ہین اور ہونیوالی ہین اس لئے ضرور ہے کہ وہ تمام چیزین ذات باری مین قائم ہون انکے ظہور کے زمانے کے مختلف ہونے اور تبدیل کیفیت اور کمیت سے اُس چیز مین جو قائم بالذات ہے حدوث لازم نہین آتا ٭

قاضی عضد اور علامہ سید شریف کا یہ کہنا کہ ہر ایک حرف اُن حرفون مین سے جن سے کلام خدا مرکب ہوا ایک حرف کے ختم ہونے پر دوسرے حرف کا شروع ہونا موقوف ہے۔ تو دوسرا حرف قدیم نہ ہُوا۔ الی آخرہ صحیح نہین رہتا اسلئے کہ اس امر کا وقوع اُس وقت ہوتا جب کہ ہم کلام خدا مین حرف اور آواز دونون کو مانتے مگر جب ہم کلام خدا مین آواز کو تسلیم نہین کرتے تو نقص مذکورہ لازم نہین آتا ٭

آواز کی کوئی دوسری حقیقت بجز اسکے کہ ہوا کی مدد اور ہونٹون کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے ہم نہین جانتے پس اسکو بجنسہ خدا کی صفت قرار دینا اور یہہ خیال کرنا کہ خدا کے منہہ سے بھی ہمارے منہہ کی طرح ایک حرف دوسرے حرف کے بعد نکلتا ہے بنا فاسد علی الفاسد ہے پہلے غلط امر کو تسلیم کیا ہے پھر اسکی بنا پر دوسری غلطی قائم کی ہے ٭

جبکہ ہم کسی پر خواہ وہ جبرئیل ہو جو حسب اعتقاد جمہور مسلمین خدا اور انبیا مین مثل ایلچی کے واسطہ ہے اور خواہ وہ خود نبی مبعوث ہو جیسا کہ ہم ابھی ثابت کرین گے خدا کے کلام کا نازل ہونا کہتے ہین تو اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ خدا نے اسکے دل مین بجنسہ وہ الفاظ جنکو بعد اسکے وہ تلفظ کریگا مع انکے معنی کے جو مقصود ہین پیدا کئے ہین یا القا کیا ہے اور وہی لفظ بجنسہ نبی نے تلفظ کئے ہین۔ پس گو اُس نبی کا اُن لفظون کو تلفظ کرنا حادث ہو مگر وہ الفاظ مع اُن کے معنے کے یا وہ معنی مقید جنکا تلفظ بجز انہی الفاظ کے نہین ہوسکتا تہا قدیم اور کلام خدا ہے اور خود خدا نے اپنا کلام پیغمبر خدا مین بلا واسطہ پیدا کیا ہے مگر پیغمبر خدا یا ہمارا اُن لفظون کو تلفظ کرنا حادث ہی اسمضمون کو بدلیکسی مثال کے سمجھانا بلا شبہ نہایت مشکل ہی۔ مگر ہم قریب ترین مثال سے اسکو

سمجھاتے ہین - فرض کرو کہ ایک شخص کسی سبب سے بول نہین سکتا مگر ایک اپنی تحریر ہمارے سامنے پیش کرتا ہے - جسکو ہم پڑہتے ہین - پس گو اُس تحریر مین آواز نہین ہے مگر جو لفظ مطابق اُس تحریر کے ہماری زبان سے نکلتے ہین وہ بلا شبہ اُسی کے ہین جسنے انکو لکھا ہے اور ہم صرف اُن لفظون کا تلفظ کرتے ہین مگر در حقیقت وہ ہمارے لفظ نہین ہین اور یہہ بہی نہین کہہ سکتے کہ وہ لفظ بروقت ہمارے تلفظ کے پیدا ہوئے ہین +

ہم اس بات سے انکار نہین کرتے کہ انبیاء اور اولیا کوئی غیبی آواز نہین سُنتے - سنتے ہونگے - مگر وہ خدا کی آواز نہین ہے بلکہ وہ اُس القا کا اثر ہے جو اُن پر ہوا ہے اور وہ اُنہین کی آواز ہے جو اُن کے کان مین آئی ہے وہ بیداری مین اُسی طرح آواز سنتے ہین جیسے کہ سونے مین خواب دیکھنے والا سُنتا ہے یا جیسے کہ بعض دفعہ لوگون کو جو کسی خیال مین مستغرق ہین بغیر کسی بولنے والے کے کان مین آواز آتی ہے +

جو کچھ ہم نے کلام الٰہی کی بابت لکھا ہے بعینہ وہی ہے جو حضرت شیخ احمد سرہندی نقشبندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوب نود و دوم جلد سوم مین بنام فقیر ہاشم کشمی کے تحریر فرمایا ہے

" پرسیدہ بودند آنکہ بعض عرفا فرمودہ اند کہ ما کلام حق را مے شنویم و یا را با وتعالے مکالمہ مے شود چنانچہ از امام ہمام جعفر صادق رضی اللہ تعالی عنہ منقول است کہ گفت ما زلت اردد الایۃ حتی سمعتہا من المتکلم بہا و نیز از رسالہ غوثیہ کہ منسوب بحضرت شیخ عبد القادر جیلی است قدس سرہ مفہوم میگردد چہ معنی است وتحقیق آن نزد تو چیست - بدان ارشدک اللہ تعالی کہ کلام حق جل وعلا در رنگ ذات حق وسائر صفات حق جل شانہ بیچون و بیچگون است وسماع آن کلام بیچون نیز بیچون زیرا کہ چون را بہ بیچون راہ نیست پس این سماع مربوط بحاسۂ سمع نباشد کہ سراسر چون ست اگر از بندہ استماع است تعلق روحانی است کہ نصیبے از بیچونی دارد و بے واسطہ حروف وکلمات است و نیز اگر از بندہ کلام است ہم بالقائے روحانی است بے حروف وکلمہ واین کلام نصیبے از بیچونی دارد کہ مسموع بیچون مے گردد - یا آنکہ گوئیم کہ کلام لفظی کہ از بندہ صادر مے شود حضرت حق سبحانہ وتعالی آنرا نیز بسماع بیچونی استماع مے فرماید وبے توسط حروف وکلمات وبے تقدیم وتاخیر آنرا مے شنود اذ لا تجری علیہ تعالی زمان یسع فیہ التقدیم والتاخیر دوران موطن کہ از بندہ سماع است

بکلیت سامع واگر کلام ست ہم بکلیت متکلم تمام گوش و تمام زبان است - روز میثاق ذرات مخرجہ قول ”الست بربکم“ را بے واسطہ بکلیت خود شنیدند و بکلیت خود جواب ”بلی“ گفتند تمام گوش بودند و تمام زبان زیرا کہ اگر گوش از زبان متمیز بودے سماع کلام بیچون حاصل نیامدے و شایان ارتباط مرتبہ بیچون نگشتے ”لا یحمل عطایا الملک الا مطایاہ“ غاث انی الباب آن معنی متلقی از راہ روحانیت اخذ نمودہ بود ثانیاً در عالم خیال کہ آن در انسان تمثال عالم مثال ست بصورت حروف و کلمات مرتبہ متمثل مے گردد و آن تلقی و القا بصورت سماع و کلام لفظی مرتسم مے شود چہ ہر معنی را در آن عالم صورتے ست اگرچہ آن معنے بیچون بود تا ارتسام بیچون ہم آنجا بصورت چون ست کہ فہم و افہام بآن مربوط است کہ مقصود ازان ارتسام ست و چون سالک متوسط در خود حروف و کلمات مرتبہ مییابد و سماع و کلام لفظی حاس مے نماید خیال مے کند کہ این حروف و کلمات را از اصل شنیدہ است و بے تفاوت از آنجا اخذ کردہ مے داند کہ این حروف و کلمات صور خیالیہ آن معنی متلقی ست و این سماع و کلام لفظی تمثال سماع و کلام بیچونی - عارف تام المعرفت را باید کہ حکم ہر مرتبہ را جدا سازد و یکے را بدیگرے ملتبس نگرداند پس سماع و کلام این اکابر کہ بمرتبہ بیچونی مربوط است از قبیل تلقی و القائے روحانی ست و این کلمات و حروف کہ تعبیر ازان معنی متلقی بآن مے نماید از عالم صور مثالیہ - و گروہے گمان بردہ اند کہ آن حروف و کلمات را ازان حضرت جل سلطانہ استماع مے نمائیم دو فریق اند یکے ازان دو فریق کہ احسن حال اند میگویند کہ این حروف و کلمات حادثہ مسموعہ دال اند بران کلام نفسی قدیم و فریق دیگر اطلاق قول بسماع کلام حق جلشانہ مے نمایند و ہمین حروف و کلمات مرتبہ را کلام حق میدانند فرق نمے کنند درمیان آنکہ لائق شان او تعالی کدام ست و کدام ست کہ شایان جناب قدس او نیست ”سبحانہ وھم الجھال البطال لم یعرفوا ما یجوز علی اللہ سبحانہ عما لا یجوز علیہ تعالی سبحنک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت السمیع الحکیم والصلوۃ والسلام علی خیر البشر وآلہ واصحابہ الاطہر“

قرآن مجید مین خدا کی نسبت عرش پر بیٹھنا اسکے ہاتھ منہہ وغیرہ وغیرہ کا ذکر ہے	یہ آیات متشابہات ہین اور اپنی عظمت وجلال وقدرت کو بطور استعارہ وتشبیہہ کے بیان فرمایا ہے ان الفاظ سے بجبر

ایسے تخت کے جسکو ہمنے دیکہا ہے اور بجز اُن ہاتہون کے جو ہمارے بدن مین ہین اور بجز اُس منہہ کے جو زیادہ سے زیادہ شان او شوکت والا ہم نے دیکہا اور کوئی معنے ہماری خیال مین نہین آسکتے مگر خدا تعالی اسطرح سے تخت پر بیٹہنے اور ایسے ہاتہون اور ایسے موںہہ کے ہونے سے مبرا ہے وسبحانہ تعالی

"لیس کمثلہ شیٔ فی الارض ولا فی السماء"

یہی حال باقی تمام صفات کا ہے جو اُس علت العلل یا واجب الوجود کی طرف منسوب ہین مثبتیہ وہ ایسی صفات تو ہو نہین سکتین جو مخلوق مین پائی جاتی ہین لیکن اس مین کچہہ شبہہ نہین ہے کہ وہ اسکی ذات مین ہین کیونکہ اُسکا واجب الوجود ہونا اُن صفات کا مستلزم ہے اسلیے یقین کیا جاتا ہے کہ وہ موجود ہے نہ جسم ہوکر وہ موجود ہے نہ متحیز ہوکر یعنی کسی مکان کا مکین ہو - ولیس بجسم ولا جوہر ولا عرض ولا مصور ولا مرکب ولا معدود ولا محدود ولا فی جہۃ ولا فی مکان ولا فی زمان" اُسکی ذات جسم جوہر عرض شکل اور مرکب ہونیسے پاک ہے نہ اُسپر معدود اور محدود ہونیکا اطلاق ہوسکتا ہے وہ ہی سمت مکان اور زمان کی قیود سے پاک ہے اوسکی ہستی زمان یا مکان کی ہستی پر موقوف نہین بلکہ وہ زمان اور مکان کیسا تہہ ہے کیونکہ جب زمان و مکان موجود نہ تھے اُس وقت بہی وہ تہا اور اب کہ زمان و مکان موجود ہین تو بہی موجود ہے "لاشبہ لہ ولا ضد ولا ند ولا ظہیر ولا معین" ذات و صفات مین اُسکا کوئی مانند نہین غیر جنس سے اُسکا کوئی ضد نہین یعنی مخالف اور نہ اُس جنس سے جو وہ ہے کوئی اُسکا ند ہے یعنی مخالف پروردگار عالم کسی شئے کے ساتہہ متحد نہین ہوتا یعنی ایک نہین ہوتا کیونکہ دو چیزون کا ایک ہونا محال ہے - اور نہ وہ کسی اور شئے مین حلول کرتا ہے کیونکہ حلول کرنا صفت اجسام سے ہے غرض کہ "متصف لجمیع الصفات الکمال و منزہ عن سمات النقص والزوال"

وہ ایک مقدس اور پاک ہستی ہے جسکو کوئی اللہ کوئی وجود اور کوئی کلام کہتا ہے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگی وہ آپ ہے اور اسکا ہونا ہی اسکی بڑائی ہے اپنے ہونے سے وہ پہچانا جاتا ہے اور اسی بڑائی سے وہ پکارا جاتا ہے اسکی ابتدا ہے نہ انتہا - وہ کسی کا محتاج نہین اور اُسکے سوا کوئی نہین یہان تک کہ اگر کہا جاوے کہ ہے تو پوچہا جاوے کہ وہ ہی ہے - نہ وہ کسی سے پیدا ہُوا اور نہ اُس سے کوئی پیدا ہُوا اور پہر جو کچہہ ہُوا بغیر اسکے نہ ہُوا - اُسکا سا کوئی نہین نہ ہولنے مین کیونکہ ہونا اُسکی ذات ہے اور نہ کسی صفت مین کیونکہ سب صفتین اسکی ذات ہین وہ زندہ ہے نہ جان سے بلکہ اپنے آپ سے

وہ جانتا ہے نہ کسی جہت سے بلکہ اپنی ذات سے وہ دیکھتا ہے نہ کسی دیکھنے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے وہ سنتا ہے نہ کسی سننے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے ۔ وہ بولتا ہے نہ کسی بولنے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے ۔ وہ جو چاہتا ہے سو کرتا ہے نہ کسی غرض سے بلکہ اپنے کمال سے وہ سب کچھہ کرتا ہے نہ کسی کرنے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے ۔ وہ ہر طرح یکتا ہے اور ہر آن مین ہزارون لاکھون بلکہ بے انتہا کام کرتا ہے پہر ایسی ذات کی حقیقت کو کوئی عقل سے پہچان سکتا ہے ؟

بڑے بڑے عقلمندون نے اوسکی حقیقت جاننے مین عقل دوڑائی اور اوسکے عجائب قدرت کے کارخانون کو دیکہہ دیکہہ اور سوچ سوچ عقل لڑائی تو اتنا تو جانا کہ ان عجیب عجیب کارستانیون کا بنانے والا کوئی ہے مگر اسکے سوا کچھہ نہ جانا اور جو جانا سو غلط جانا ۔ اُسکا واحد ہونا بہی اس کے بتائے سے جانا اور جیسا کہ وہ ہے اسکے بتائے سے اُسکو پہچانا ۔ مگر انسان کی طاقت نہین کہ صرف اپنی عقل سے اوسکی حقیقت اور ماہیت جیسا وہ ہے اُسکو جان لے ۔

عقیدہ ہفتم

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَرْسَلَ رُسُلًا مِّنَ الْبَشَرِ اِلَی الْبَشَرِ وَاَفْضَلُہُمْ وَاٰخِرُہُمْ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

یعنی اللہ جل شانہ نے انسانون مین سے انسانون کیطرف پیغمبر بھیجے ان سب مین سے بزرگ اور اُن کے آخر محمد ہین

اس عقیدہ پر مفصل بحث کرنیسے پیشتر یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ فی الواقع بعثت انبیاء کی کیا

ضرورت تھی یہ ظاہر ہے کہ انسان مین صرف یہی ظاہری گوشت و پوست ہی نہین ہے بلکہ اسکے سوا اُس
مین ایک اور چیز بھی ہے جس سے درحقیقت انسان انسان کہلا سکتا ہی آدمی اگر خود اپنے آپ
مین غور کرے تو جان سکتا ہے کہ اُس ظاہری بدن کے سوا اُس مین اور کچھہ چیز بھی ہے جس سے
وہ بھلائی برائی کو پہچانتا ہے اور ہر چیز کی کُنہ بقدر اپنی طاقت کے جانتا ہے اگرچہ اُس چیز کو انسان کے
بدن سے کچھہ علاقہ ہے مگر جب غور سے دیکھا جاوے تو باوجود اس علاقہ کے محض بے علاقہ ہے
آدمی کبھی ایسا محو ہوتا ہے کہ سب چیزون کو بھول جاتا ہے مگر اپنے آپ کو نہین بھولتا اس سے خیال
ہو سکتا ہے کہ گو انسان کا یہہ ظاہری بدن نیست بھی ہو جاوے مگر وہ چیز جو اس مین ہے جیسی
ہے ویسی ہی رہے - پھر اگر وہ چیز چندروزہ ہے اور آخر کو نیست ہونے والی ہے تو دل قبول نہین
کرتا کہ اُس ذات پاک دائم الوجود نے یہ تمام مجاہدات ایک ایسی فانی اور ناپائدار چیز کیلئے بنائی ہیں
پس کچھہ شبہہ نہین ہے کہ وہ چیز بھی دائم الوجود ہے اور نیست ہونے والی نہین ہی یہہ چیز
کیا ہے اسکو ہم روح کے لفظ سے تعبیر کرتے ہین لیکن اُسکی حقیقت کو جیسا کہ ہم آگے چلکر
بیان کرینگے حواس سے دریافت نہین کر سکتے +

شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ مین روح کی نسبت حسب ذیل
تحریر فرمایا ہے :-

کہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن مین ایک لطیف بھاپ ہے جو اخلاط کے خلاصہ سے پیدا
ہوتی ہے اُس مین حس کرنے اور حرکت کرنے کی وہ سب قوتین ہوتی ہین جو تدبیر غذا کے متعلق
ہین اور یہہ وہ روح ہے جسکو طب سے بڑا تعلق ہے اور اس بھاپ کے غلیظ اور رقیق ہونے صاف
اور مکدر ہونیکا بڑا اثر بدنی قوتون اور اُن افعال پر جو اُن قوتون سے پیدا ہوتی ہین پڑتا ہی اگر اُس عضو مین
یا اُس بھاپ کے پیدا ہونے پر جسکو اُس عضو سے تعلق ہو کوئی آفت پہونچتی ہے تو وہ بھاپ بگڑ جاتی
ہے اور اُس عضو کے کام مختل اور پریشان ہو جاتے ہین اس بھاپ کی موجودگی سے زندگی باقی رہتی
ہے - اور اُسکے تحلیل ہو جانے سے موت واقع ہو جاتی ہے - بادی النظر مین روح اسی بھاپ کا
نام ہے لیکن اگر بنظر تدقیق دیکھا جاوے تو یہ اُس روح کا ادنی طبقہ ہے اُس روح کی مثال
جسکا ہم ذکر کرتے ہین بدن مین اسطرح پر ہے جیسے پھول مین نمی اور کوئلہ مین آگ +
پھر جب غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روح روح حقیقی کا مرکب ہی اور روح حقیقی کو بدن سے

متعلق ہونیکا مادہ ہے ہم بچے کو دیکھتے ہین کہ وہ جوان ہوتا ہے بوڑھا ہوتا ہے اُسکو بدنی اخلاط
مین تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور جو روح ان اخلاط سے پیدا ہوتی ہے وہ پہلے کی نسبت بدرجہا بڑہتی جاتی
ہے کسی حالت مین وہ لڑکا صغیر سن ہوتا ہے - پہر بڑا ہوتا ہے کبھی اُسکا رنگ سیاہ ہوتا ہے
کبھی گورا - کبھی وہ جاہل ہوتا ہے پہر عالم ہو جاتا ہے علاوہ برآن اسکے اوصاف مین ہمیشہ تبدیلی ہوتی
رہتی ہے لیکن اُسکی ذات مین کوئی تغیر نہین ہوتا وہ وہی رہتا ہے جو پہلے تہا اور گو اُن اوصاف کے
تبدل اور عدم تبدل مین بحث کی جاوے تو ہم اُن تبدلات کو فرضی طور پر تسلیم کرتے ہین تو اس وقت
بہی لڑکا وہی رہیگا جو کہ پہلے تہا - یا ہم یہہ کہین گے کہ ہم اُن صفات کو اپنے حال پر باقی رہنے کا یقین
نہین کرتے اور لڑکے کے بجنسہ باقی رہنے کا یقین کرتے ہین اسلئے لڑکے کی ذات اُن اوصاف کے
علاوہ ہے اب ہم کہتے ہین کہ وہ چیز جسکی وجہ سے وہ لڑکا بعینہ وہی لڑکا باقی رہا یہ روح بخاری
نہین ہو سکتی اور بدن مین وہ چیزین ہو سکتی ہین جو کہ اسکو متشخص ہونے کے باعث ہین اور ظاہر
نظر مین دیکھی جاتی ہین بلکہ حقیقی روح ایک جداگانہ چیز ہے وہ ایک نورانی نقطہ ہے ان تمام تغیرات
سے بہنین ہے بعض بہر ہین بعض عرض اسکا ڈہنگ نرالا ہے وہ بچہ ہونیکی حالت مین بہی
ویسا ہے جیسے بڑے ہونیکی حالت مین - جیسے کہ وہ سیہ رنگی کی حالت مین ہے ویسے ہی
سپید رنگی کی حالت مین ہے ایسے ہی وہ تمام اضداد کی حالت مین یکسان ہے اسکو ابتداءً
روح ہوائی سے تعلق ہے اور ثانیاً بدن سے - اسلئے کہ بدن روح ہوائی سے مرکب ہے وہ عالم
قدس کا ایک روزن ہے جب روح ہوائی مین قابلیت اور استعداد پیدا ہو جاتی ہو تو اُس روح
سماوی کا اُس پر نزول ہوتا ہے جن امور مین کہ تغیر پیدا ہوتا ہے وہ زمین کی مختلف استعدادون
کیوجہ سے ہے جیسے کہ دہوپ کپڑے کو سفید کر دیتی ہے اور دہوبی کو سیاہ اور ہمکو وجدان صحیح
سے معلوم ہو گیا ہے کہ موت روح حیوانی کا بدن سے جدا ہونیکا نام ہے جس وقت کہ بدن میں
روح ہوائی کے پیدا کرنیکی قوت نہین رہتی - موت روح ہوائی سے روح قدسی کے جدا ہونے کا
نام نہین ہے جب بضعف امراض سے روح ہوائی تحلیل ہو جاتی ہے تو یہ حکمت الٰہی کا مقتضی
ہے کہ روح ہوائی اسقدر باقی رہ جاوے کہ روح کا تعلق اُس سے رہ سکے جیسے کہ تم ہوا کو جو سانس لیتے ہو
حتی الامکان اُس مین تخلخل پیدا ہو جاتا ہے پہر تم ادمس کے بعد ہوا نکال نہین سکتے یہانتک کہ آخیر
مین شیشہ ٹوٹ جاتا ہے - یہ صرف اُس راز کی وجہ سے ہو جو خدا نے ہوا کی طبیعت اور سرشت

مین رکھا ہے ایسی ہی روح ہوائی ایک راز اور اندازہ ہے کہ اُس سے تجاوز نہین ہو سکتا انتہی کلامہ
ماخوذ از ترجمہ کتاب مذکورہ ؛

غرضیکہ شاہ صاحب کی کلام کا حاصل یہ ہے کہ انسان مین رُوح ہوائی کے علاوہ ایک اور رُوح ہی اور تغیرات اور تبدلات جو رُوح ہوائی یا بدن کو عارض ولاحق ہوتے ہین اُن سے کوئی تغیر اُس رُوح الٰہی مین نہین آتا۔ مَین مَین تہا جب مین صغیر سن لڑکا تہا۔ مین مین تہا جب جوان ہُوا مین مین ہون جب کہ بوڑھا ہون۔ مَین مَین ہونگا۔ جب بدن سے مفارقت کرونگا میرے ہاتہہ کو کاٹ دو۔ اور میرے ناک کان اور جملہ اعضاء ایک ایک کرکے میرے بدن سے جدا کر ڈالو۔ مَین مَین ہوں گا۔ جب تک میرا تعلق بدن سے ہے میرے حواس ایک ایک کرکے مختل ہو جائین پھر بھی مین مَین ہون مینے اپنی حقیقت کو صرف اسی قدر جانا ہے کہ مین ہون اور انقسام پذیر نہین ہون اور بعد مفارقت جسم کے مین باقی رہونگا۔ اس سے زیادہ مجھکو بھی اپنی حقیقت کا علم نہین ہے ؛

حکماء کا بھی یہی مذہب ہے کہ انسانی روح روح الٰہی مین سے ہے اور قابل فنا نہین ہے اب غور کرنا چاہیئے کہ وہ چیز جو انسان مین ہے اور جسکو ہم رُوح الٰہی سے تعبیر کرتے ہین کیون ہے اگر اسواسطے ہے کہ جب بدن مین کہل آوے تو سو رہے بہوکہہ لگے تو کہالے تو انسان مین اور اور جانورون مین کیا فرق ہے؟ کیونکہ سب جانور بھی تو ایسا ہی کرتے ہین اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چیز جو انسانون مین روح الٰہی سے تعبیر کیگئی ہے ان کامون کے لئے نہین ہے کیونکہ یہ سارے کام اس خالی بدن کی پرورش اور قائم رکھنے کے ہین اور ایسی شریف چیز صرف ایسے کثیف بدن کی خدمت گذاری کے واسطے نہین ہو سکتی۔ بلکہ اسکے پیدا کرنے سے کوئی اور اعلیٰ اور شریف تر مقصد اسکے صانع کا ہے۔ لیکن اگر ہم صرف عقل کے زور سے اُس مقصد اعلیٰ کو تلاش بہی کرین جس مقصد کیلئے یہ شریف چیز پیدا کی گئی ہے تو ہم صرف اتنا جان سکتے ہین کہ جس نے ہمکو بنایا اور جس نے ہمکو یہ رُوح عطا کی ہے جو اوسکی مرضی ہے اسکے مطابق وہ کام اُس چیز سے کرین مگر یہ نہین جان سکتے کہ اوسکی مرضی کیا ہے؟ جبتک کہ وہ خود نہ بتادے پس نبی کی ضرورت ان دو باتون کے لئے ہے کہ وہ الہام سے بتادے کہ تمہارا مالک کون ہے؟ اور اوسکی مرضی کیا ہے؟ اور تمکو کیونکر

مالک کی مرضی پر چلنا چاہئے اور اسیواسطے عقل تجویز کرتی ہے کہ نبیون کا مبعوث ہونا ضروری ہے
جو حواس ہم کو خدا تعالےٰ نے عطا فرمائے ہین اُن سے بلاشبہ موجودات کی کُنہ کو بقدر امکان
بشری دریافت کرسکتے ہین لیکن کسی چیز کی حقیقت خواہ وہ چیز کیسی ہی عام ہو ہم دریافت نہین
کرسکتے کیونکہ کسی شئے کی ماہیت کا جاننا انسانی فطرت سے خارج ہے علاوہ بران حواس کی رسائی کی
حد غائت اسی عالم تک محدود ہے مابعد الطبیعۃ کا حال انسان حواس سے جو صرف یہی ذریعہ اسکے
پاس کسی شئے کے معلوم کرنے کا ہے دریافت نہین کرسکتا اس لئے خدا کی مرضی و نامرضی دریافت
کرنا بدون وحی یا الہام کے ناممکن ہے مرنیکے بعد کا حال جب کہ حواس معاً مرگ واقع ہونے کیساتھہ
معدوم ہوجاتے ہین انسان کیونکر بدون وحی الہام کے دریافت کرسکتا ہے بلاشبہہ ہم انسانون
مین ایک اور چیز بہی پاتے ہین جو نیک و بد مین تمیز کرسکتی ہے یا ایک بات کو دوسری بات پر ترجیح
دے سکتی ہے لیکن افسوس کہ یہہ قوت ہی کبھی بلکہ اکثر قومی و ملکی امور کی الفت و موانست سے
اور بچپن سے کسی امر کی ممارست و تربیت و صحبت کے اثر سے مؤثر ہوجاتی ہے اور اس قوت کو
تمام اہل مذاہب کانشنس یعنے نور ایمان و نور دہرم سے تعبیر کرتے ہین مگر درحقیقت وہ قابل
اعتماد اور لائق طمانیت کے نہین ہے کیونکہ اُسکا دوست و غیر دوست مین دونون قسم کے اثر سے موثر
ہونا اور مخالف اثرون سے ایک ہی نتیجہ حاصل ہونا ممکن ہے ایک مسلمان کیلئے بت کو سجدہ کرنا جسقدر
اسکے نور ایمان کے برخلاف ہے ویسا ہی ایک بت پرست کے نور دہرم کے موافق ہے پس ایک شئے
دو مخالف نتیجے پیدا کرتی ہے اور اسی واسطے قابل اعتماد نہین ہے مگر اُس کے سوا ایک اور قوت بہی
انسان مین پائی جاتی ہے جو اُن تمام اثرون پر غالب ہوجاتی ہے اور جسکو نور قلب یا نور فطرت
کہتے ہین ہمارے پاس بہت سے لوگون کی نسبت تاریخی شہادت موجود ہے جنہون نے بچپن سے
ایک خاص قوم کی رسم و عادت مین تربیت پائی اور اُنہین ملکی و تمدنی باتون کے سوا اُنکو کوئی خیال
اُن کے دل مین نہین گذرا۔ اور زمانہ دراز تک اُسی قومی و ملکی و تمدنی امور کی الفت و موانست
مین رہے اور ایک ہی سی صحبت پائی اور ایک ہی سی تربیت ہوئی اور پہر خود اُنہون نے اپنی سوچ اور
سمجھہ۔ غور اور تفکر سے جسکو الہام کہنا چاہئے اُن تمام بندشون کو توڑا اور اُن کے عیبون کو جانا
اور اپنے تئین اُس سے آزاد کیا اور اور لوگون کے آزاد کرنیکی کوشش کی یہہ قوت فکری

کم و بیش تمام انسانون مین فطری ہے اور خود اپنے حال پر فکر کر کے سمجھ سکتا ہے کہ وہ اسکو کام مین لانے پر قادر ہے اور یہی وہ قوت ہے جو حق اور باطل مین تمیز کرتی ہے اور اصلی سچ کو پرکھ لیتی ہے اور انسانون کو اپنی حالت کی اصلاح پر متوجہ کرتی ہے اور تمام بوجھون کو جو انسان پر بسبب اسکے ملکی و تمدنی و آبائی رسم و رواج کے الفت و موانست سے ہوتے ہین اُن کو اُٹھا دیتی ہے - لیکن یہہ قوت تمام انسانون مین یکسان نہین ہے بلکہ ہر ایک انسان مین بمقتضائے اسکی خلقت کے قوی اور ضعیف ہے لیکن ہر زمانے مین ایسے بہت تہوڑے لوگ گذرے ہین - جنہون نے بلا مدد وحی و الہام اس قوت سے خود یا اپنی قوم کو معتد بہ فائدہ پہنچایا ہے علاوہ برآن پیغمبرون کا مبعوث ہونا اسواسطے بہی ضروری ہے کہ اُن کے پند و نصائح اور سمجہانے بجہانے اور دلیلون اور نشانیون کے بتانے اور صحبت کے اثر سے یہ قوت عام لوگون مین کام پر لگی رہے - اور اپنے مالک کی مرضی پر چلنے مین معین و مددگار رہے اس بیان سے ضرورت بعثت انبیا ثابت ہے - اسلئے ہم یقین کرتے ہین کہ خدا نے محض اپنے رحم و فضل سے نہ کسی مجبوری سے انسان کی ہدایت کے واسطے انہین مین سے ابتدا سے ابتک پیغمبر مبعوث کئے تاکہ انسان انکی ہدایات پر کاربند ہو کر دینی اور دنیاوی فلاح کو پہونچے لیکن کسی پیغمبر کے منجانب اللہ مبعوث ہونے اور اسکے سچا نبی ہونے کی کونسی ایسی دلیل ہے جس سے اطمینان قلب اسکی رسالت کی نسبت حاصل ہو کیونکہ جبتک اُس پیغمبر کی تصدیق رسالت حاصل نہ ہو لے اُسکی ہدایت سے جو وہ منجانب اللہ بنی نوع انسان کیواسطے لایا ہے استفادہ کرنا ممکن نہین اثبات نبوت کے لئے معجزہ یعنی خرق عادت دلیل نہین ہے کیونکہ اول تو خرق عادت کا واقع ہونا محال ہے دوم بفرض محال اگر خرق عادت واقع ہو تو وہ رسالت کی صداقت پر کیون دلیل ہے اور اُن مین کیا علاقہ ہے +

قاضی ابی الولید محمد بن رشد نے اپنی کتاب مین جسکا نام " **الکشف عن مناہج الادلۃ فی عقائد الملۃ** " ہے بعثت انبیا پر نہایت لطیف مباحثہ لکہا ہے جس کا ماحصل اسمقام پر لکہا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اثبات رسالت مین معجزہ یا خرق عادت دلیل نہین ہے انہون نے لکہا ہے کہ خدا کی طرف سے رسولون کے آنے مین دو چیزین غور طلب ہین اول رسول کے ہونیکا ثبوت - دوسری وہ چیز جس سے ظاہر ہو کہ یہ شخص جو رسول ہونیکا دعوی کرتا ہے رسولون

مین سے ایک رسول ہے اور اپنے دعوی مین جھوٹا نہین ہے انسانون مین سے ایسے انسان کی ہونے پر متکلمین نے دنیا کے حالات پر قیاس کر کے استدلال کیا ہے وہ کہتے ہین کہ یہ بات تو ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالی متکلم ہے اور صاحب ارادہ اور بندون کا مالک۔ اور دنیا مین دیکھا جاتا ہے کہ ایسا شخص مجاز ہے۔ کہ اپنے مملوک بندون کے پاس اپنا ایلچی یا رسول بھیجے۔ تو خدا کی نسبت بھی ممکن ہے کہ اپنے بندون کے پاس اپنا رسول بھیجے اور یہ بات بھی دنیا مین دیکھی جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ مین بادشاہ کا ایلچی ہون اور بادشاہی نشانیان اسکے پاس ہین تو واجب ہوتا ہے کہ اسکا ایلچی ہونا تسلیم کیا جاوے متکلمین کہتے ہین کہ یہ نشانیان رسولون کے ہاتھ سے معجزون کا ہونا ہے *

ابن رشد فرماتے ہین کہ یہ دلیل عام لوگون کیلئے کسیقدر مناسب ہو مگر جب غور سے دیکھا جاوے تو ٹھیک نہین ہے کیونکہ جو شخص بادشاہ کے ایلچی ہونیکا دعوی کرتا ہے اسوقت تک اسکو سچا نہین مانا جا سکتا جبتک کہ یہ معلوم نہ ہو کہ جو نشانیان وہ دکھاتا ہے وہی نشانیان بادشاہ کے ایلچی ہونیکی ہین اور یہ بات دو طرح سے ہو سکتی ہے یا تو خود بادشاہ نے اپنی رعیت سے کہدیا ہو کہ جس شخص کے پاس تم میری ان خاص نشانون کو دیکھو تو اسکو میرا ایلچی یا رسول جانو یا بادشاہ کی عادت سے یہ بات معلوم ہو گئی ہو کہ وہ ایسی نشانیان بجز اپنے ایلچی یا رسول کے اور کسی کو نہین دیتا جب کہ یہ بات ہے تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ بات کہان سے معلوم ہوئی کہ بعض انسانون کے ہاتھ سے معجزون کا ہونا رسول ہونیکی خاص نشانی ہے کیونکہ دو حال سے خالی نہین یا یہ بات شرع سے جانی گئی ہے یا عقل سے۔ شرع سے جاننا تو غیر ممکن ہے۔ کیونکہ شرع تو رسول ہونے کے بعد ٹھہری کی اور ابتک رسول ہونا ہی ثابت نہین ہوا ہی اور عقلاً بھی قرار دینا کہ یہ نشانیان مخصوص رسولون کی ہین غیر ممکن ہے۔ ہان اگر وہ نشانیان بہت سی دفعہ انہین لوگون سے ظاہر ہوتین جو رسول ہونیکا دعوی کرتے ہین اور ان کے سوا اور کسی سے نہ ہوئی ہوتین تو جو لوگ رسولون کی ہونیکو مانتے ہین ان کے لئے دلیل ہو سکتی ہے اور اس وقت یہ کہا جا سکتا کہ اس شخص نے جو رسول ہونیکا دعوی کرتا ہے معجزے دکھائے ہین اور جو شخص کہ معجزے دکھاتا ہے وہ رسول ہوتا ہے۔ اس لئے یہ شخص بھی رسول ہے مگر یہ ماننا کہ اس شخص نے جو رسول ہونیکا دعوی کرتا ہے معجزے دکھلائے ہین اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ اول تسلیم کر لیا جاوے کہ ایسی باتین

انسان سے ہوسکتی ہین اور درحقیقت انکا ہونا بخوبی محسوس ہوا ہو اور یقین ہوگیا ہو کہ وہ کسی لاگ سے اور کسی حکمت سے اور خواص اشیاء سے نہین ہوئین اور جو دکہائی دیا وہ ڈہٹ بندی نہتہی بلکہ حقیقت مین واقع ہوا ہے اور یہ کہنا کہ جو شخص معجزے دکہاتا ہے وہ رسول ہوتا ہے جب صحیح ہوگا۔ کہ پہلے رسولون کا وجود اور یہہ بات کہ وہ معجزے بجز رسولون کے اور کسی نے نہین دکہائے مان لیا جاوے۔ مثلاً جس شخص کے سامنے یہ دلیل کی جاوے کہ "العالم حادث" تو ضرور ہے کہ اسکو یہ بات معلوم ہو کہ عالم موجود ہے اور محدث بہی ہے پس ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ یہ بات کہ جو شخص معجزے دکہاتا ہے۔ وہ رسول ہوتا ہے کہان سے ثابت ہوئی ہے کیونکہ ابتک رسالت کا وجود ثابت نہین ہوا ہے اور دو مقدمون کو ملا کر نتیجہ نکالنے کیلئے اول دونونکا ثابت ہونا ضرور تہا اور یہہ بات نہین کہی جاسکتی کہ جب رسولون کا ہونا عقلاً ممکن ہو تو اُن کے ہونے پر عقل دلالت کرتی ہو کیونکہ وہ امکان اس قسم کا امکان نہین ہے جو موجودات کی طبیعت مین پایا جاتا ہو جسطرح کہ ہم کہتے ہین ممکن ہے کہ مینہہ برسے اور نہ برسے۔ اسلئے کہ جو امکان موجودات کی طبیعت مین پایا جاتا ہے کہ وہ شئے کبہی موجود ہوتی ہے اور کبہی نہین ہوتی جیسے کہ مینہہ کا حال ہے کہ کبہی برستا ہے اور کبہی نہین برستا اور اسلئے عقل بطور قاعدہ کلیہ کے یہہ بات کہتی ہو کہ مینہہ برسنا ممکن ہو اور واجب کا حال اسکے برخلاف ہے اور وہ وہ ہے جو ہمیشہ موجود اور محسوس ہو اور اس لئے اسکی نسبت عقل بطور قاعدہ کلیہ کے یہ بات کہتی ہے کہ اُسکا بدلا جانا اور متغیر ہونا ممکن نہین پس جو شخص کسی ایک رسول کے ہونیکا بہی قائل ہوگیا تو اسکے مقابل مین کہا جاسکتا ہے کہ رسولون کا ہونا ممکن ہے مگر جو شخص رسول ہونیکا قائل ہی نہین ہے تو اُسکے مقابل اسکا امکان کہنا جہالت ہے اور لوگونکی طرف سے ایلچی کا ہونا ممکن مانا گیا ہے تو اس سبب مانا گیا ہو کہ اُن ایلچیونکا وجود ہمنے پایا اگر یہ کہا جائے کہ لوگون کیطرف سے ایلچیون کا وجود ہونا اسبات کی دلیل ہو کہ خدا کی طرف سے بہی رسولونکا ہونا ممکن ہے جیسے کہ عمرو کے ایلچی کا ہونا اسبات کی دلیل ہے کہ زید کیطرف سے بہی ایلچی کا ہونا ممکن ہے تو یہہ بہی ٹہیک نہین ہوگا اسلئے کہ ایسی صورت مین عمرو اور زید دونون کی طبیعتون کا مساوی ہونا ضروری ہے اور یہہ مساوات خدا اور بندون مین نہین ہے اور اگر آئندہ کیلئے رسول ہونے کا امکان فی نفسہ مان لیا جائے تو یہ تسلیم ایک امکانی امر کی تسلیم ہوگی نہ اوسکی وقوع کی اور یہہ معلوم نہ ہوگا کہ اُس نے بہیجا ہی ہے یا نہین جیسے کہ اسبات مین شک ہوتا ہے کہ عمرو نے کسی گذشتہ

زمانے مین ایلچی بہیجا ہے یا نہین اور آئندہ زمانے مین بہیجنے مین شک کرنا کہ آئندہ بہی وہ بہیجیگا یا نہین گذشتہ زمانے کے شک کرنیسے بالکل مختلف ہے - پہر جب ہمکو یہ بات معلوم نہین ہو کہ زید نے گذشتہ زمانے مین کوئی ایلچی بہیجا ہے یا نہین تو ہمکو یہ کہنا صحیح نہوگا کہ جسکے پاس زید کی نشانیان ہون وہ زید کا ایلچی ہے جبتک کہ ہم یہ جان نہ لین کہ یہ نشانیان اسکے ایلچی ہونیکی نشانیان ہین اور یہ بات جب ہوگی جب ہم جان چکے ہون کہ اُسنے اپنا ایلچی بہیجا ہے +

پس جبکہ ہم نے یہہ بہی تسلیم کرلیا کہ رسالت ہوتی ہے اور معجزے بہی ہوتے ہین تو کس طرح ہمکو یہ بات معلوم ہوئی کہ جسنے وہ معجزے دکہائے ہین وہ رسول ہے کیونکہ اسکی رسول ہونیکا ثبوت خدا کی طرف سے اُس وقت تک تو ہو نہین سکتا جبتک کہ اُسکا رسول ہونا ثابت نہولے ورنہ تصحیح الشئ بنفسہ لازم آتی ہے جو باطل ہے اور تجربے اور عادات سے بہی اُسکا رسول ہونا ثابت نہین ہوسکتا بجز اسکے کہ معجزے رسول ہی دکہایا کرین اور کوئی نہ دکہا سکے - حالانکہ خرق عادت جسکا ایک نام معجزہ بہی ہے رسول اور غیر رسول دونو دکہا سکتے ہین ان تمام مشکلات کے سبب متکلمین نے ان سب باتون کو چہوڑ کر صرف یہ بات کہی کہ جس شخص کے پاس معجزہ یعنی عاجز کردینے والی چیز ہو وہ رسول ہے مگر یہ بہی صحیح نہین ہوگا بجز اسکے کہ وہ شئے معجز فی نفسہ رسالت اور رسول پر دلالت کرے اور عقل مین یہہ قوت نہین کہ وہ جب کوئی عجیب خرق عادت دیکہے تو یہ جان لے کہ وہ ربانی ہے اور رسالت پر دلیل قاطع - ہان یہ ہوسکتا ہے کہ دیکہنے والا یہ اعتقاد کرے کہ جس شخص سے یہ خرق عادت ہوئی ہے وہ ایک بڑا شخص ہے اور بڑا شخص جہوٹ نہین بولے گا - بلکہ اُسکے رسول ماننے کو یہ بہی کافی نہ ہوگا جبتک کہ یہ بہی مان نہ لیا جائے کہ رسالت درحقیقت ایک چیز ہے اور ایسی خرق عادت بجز رسول کے اور کسی بڑے شخص سے نہین ہوتی شے معجز بہی رسالت پر دلالت نہین کرتی کیونکہ عقل نہین جان سکتی کہ رسالت اور شئے معجز مین کیا علاقہ ہے جبتک یہ مان نہ لیا جاوے کہ اعجاز رسالت کے افعال مین سے ایک فعل ہے جیسا کہ بیمار کا اچہا کرنا طب کے افعال مین ایک فعل ہے اور جو شخص بیمار کو اچہا کردیتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ طب کا وجود ہے اور یہ شخص طبیب ہے پس یہ تمام دلیلین بودی ہین +

اور اگر ہم بطور تنزل کے رسالت کی امکان امری کو امکان وقوعی فرض کرلین اور معجزہ کو بہی اُس شخص کے سچا ہونیکی دلیل مان لین جو رسالت کا دعوی کرتا ہے تو بہی اُن لوگون کی نزدیک

جو کہتے ہین رسول کے سوا اور سے بہی شئے معجز ظاہر ہوتی ہے رسالت پر معجزہ کی دلالت لازمی نہین ہونے کی - اور متکلمین اسبات کے قائل ہین کہ شئے معجز کبہی جادوگر سے اور ولی سے بہی ظاہر ہوتی ہے اور اس مقام پر جو انہون نے یہ شرط لگائی ہے کہ شئے معجز اُسیوقت رسالت پر دلالت کرتی ہے جبکہ وہ رسالت کے دعوی کے مقارن ہو - اور جو شخص رسول نہین ہے اور یہہ دعوے کرکے کہ مین رسول ہون شئے معجز کو دکہانا چاہے تو وہ نہ دکہا سکیگا - یہ ایک ایسی بات ہے جسپر کوئی دلیل نہین نہ تو اُسکا نشان منقولات مین پایا جاتا ہے اور نہ عقل سے معلوم ہو سکتا ہی - اور یہ کہنا کہ شئے معجز ایک بڑے شخص سے ظاہر ہوتی ہے اور جو شخص جہوٹا دعوی کرے وہ بڑا شخص نہین ہے اور اسلئے اُس سے ظاہر نہ ہوگی اسلئے غلط ہو جاتا ہے کہ متکلمین جادوگر سے شئے معجز کا ظاہر ہونا تسلیم کرتے ہین اور جادوگر بڑا شخص تسلیم نہین کیا جاسکتا - ان سب خرابیون پر خیال کرکے بعض لوگون نے یہ کہا ہے کہ یہ اعتقاد ٹہیک ہے کہ خرق عادت بجز انبیاء کے اور کسی سے نہین ہوتا اور سحر صرف ایک ڈہٹ بندی ہے نہ قلب عین شئے لینے معجزہ سے لکڑی سچ مچ کا سانپ بنجاتی ہے اور سحر سے وہ سانپ نہین بنتی بلکہ لوگون کو سانپ دکہائی دیتی ہے اور اسی وجہ سے اُن لوگون نے کرامات اولیاء اللہ سے انکار کیا ہے +

مگر قاضی ابن رشد نے اس اعتقاد کی بہی تردید کی ہے اور کہتے ہین کہ تمکو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات سے ظاہر ہوگا کہ آنحضرت نے کسی ایک شخص اور نہ کسی گروہ کے ایمان پر دعوت کرتے وقت یہ نہین کیا کہ اُس سے پہلے اُسکے سامنے کوئی خرق عادت کی ہو اور ایک چیز کو دوسری چیز مین بدل دیا ہو یعنی لکڑی کا سانپ اور سانپ کی لکڑی اور سونے کو مٹی اور مٹی کو سونا بنا دیا ہو اور اسلام لانے کی دعوت کیوقت کوئی کرامات اور کوئی خوارق عادات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر نہین ہوئی اگر ظاہر ہوئی ہے تو معمولی حالات مین بغیر اسکے کہ کرامات اور خرق عادات کا دعوی کیا ہو - اور اُسکا ثبوت خود قرآن مجید سے پایا جاتا ہے جہان خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے

قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا	کہ کافر کہتے ہین کہ ہم تجہ پر ایمان نہین لانے کے
أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ	جبتک کہ تو زمین کو پہاڑ کر ہمارے لئے چشمے نکالے
خِلَالَهَا تَفْجِيرًا أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ	یا تیرے پاس کہجور و انگور کا باغ ہو جسکے بیچ مین

عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِى السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۔ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۝

تو بہتی ہوئی نہرین نہ نکالے زور سے بہتی یا تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے نہ ڈالے جیسا کہ تو نے گمان کیا ہی یا خدا اور فرشتون کو اپنے ساتھہ نہ لاوے - یا تیرے لئے کوئی مزین گھر نہو - یا تو آسمان پر چڑھ جاوے اور ہم تو تیرے منتر پر ہرگز ایمان نہین لانے کے جبتک کہ ہم پر ایسی کتاب نہ اُترے جو ہم پڑھ لین اس پر خدا اپنے پیغمبر سے کہتا ہے کہ تو ان سے کہدے کہ پاک ہے میرا پروردگار مین تو کچہہ نہین ہون مگر رسول اور خدا نے فرمایا کہ نہین روکا ہمکو آیات کو بھیجنے سے مگر یہ کہ جھٹلایا اُن کو اگلون نے ؞

غرضکہ قاضی ابن رشد نے معجزات کو مثبت نبوت قرار نہین دیا اور اوسکے بعد صرف قرآن کو مثبت نبوت قرار دیا ہے ؞

قاضی ابن رشد نے جو اتنی بڑی بحث لکھی ہے اسکا حاصل یہہ ہے - کہ اگر خدا کو موجود و مرید و متکلم و قادر و مالک عباد تسلیم بہی کر لیا جاوے تب بہی معجزات کے وقوع سے یہہ بات ثابت نہین ہوتی کہ وہ شخص جو دعوی رسالت کرتا ہے خدا کا رسول ہے مختصر طور پر اوسکی یہ دلیلین ہین :-

(۱) جو امر واقع ہوا اُسکی نسبت اس امر کے لزوم کا ثبوت نہین ہوتا کہ جس شخص سے وہ واقع ہو وہ رسول ہوتا ہے ؞

(۲) کوئی خرق عادت ایسی معلوم نہین ہے جو بطور خاصہ رسولون سے مخصوص ہو -

(۳) کچہہ ثبوت نہین ہے کہ خرق عادت سے رسالت کو کیا تعلق ہے ؞

(۴) اسکا ثبوت نہین ہوتا کہ اسکا وقوع قانون قدرت کے مطابق نہین ہوا کیونکہ بہت سے عجائبات اب بہی ایسے ظاہر ہوتے ہین جنکا وقوع فی الحقیقت قانون قدرت کے مطابق ہوتا ہے - گو وہ قانون ابہی لامعلوم ہے ؞

(۵) اسکا کچہہ ثبوت نہین ہوتا کہ جو امر واقع ہوا وہ خواص نفس انسانی سے جو ہر ایک انسان مین بطور قوت کے مرتکز ہے علاقہ نہین رکھتا ؞

اور اگر یہہ تسلیم بہی کیا جاوے کہ انبیا سے جو امور خرق عادت کے واقع ہوتے ہین اور جو انبیا سے واقع ہوتے ہین ان اُس شخص کے سچا

دونوں میں کوئی مابہ الامتیاز نہیں ہے ؛

(۷) یہانتک کہ اہل مذہب سے جو امر خارق ہوتے ہیں اُن میں اور خرق عادت میں امتیاز نہایت ہی مشکل ہوتا ہے ؛

بلاشبہ قرآن مجید میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جو قانون فطرت کے برخلاف ہو اور قرآن مجید سے ثابت نہیں ہوتا کہ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے کسی معجزہ کا ادعا کیا ہو کیونکہ قرآن مجید میں ہے قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلَيَّ الخ و - قُلْ اِنَّمَا الْاٰيَاتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تفہیمات الٰہیہ میں فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے کوئی شے معجزات میں سے اپنی کتاب کریم میں بیان نہیں کی اور نہ اسکی طرف اشارہ کیا ۔ شاہ صاحب چونکہ معجزات کو مسبب باسباب سمجھتے ہیں اور اُن کے قول کے بموجب معجزات کا وقوع قانون فطرت کے مطابق ہوتا ہے اسلئے ہم کو اس سے کچھ بحث نہیں ہے لیکن جب معجزات کو مافوق الفطرت قرار دیا جاوے تو اُس سے بلاشبہ ہم انکار کرتے ہیں اور علانیہ کہتے ہیں کہ کسی امر کے واقع ہونیکا ثبوت جو مافوق الفطرت ہو نہیں ہے اور نہ وہ ثبوت رسالت ہو سکتا ہے دو اور دو چار ہوتے ہیں ۔ اگر بالفرض کوئی شخص مردہ زندہ کرکے کہے کہ دو اور دو چار نہیں ہوتے ہیں یا دو اور دو پانچ ہوتے ہیں تو مردہ زندہ کرنا اس امر کا کیا ثبوت ہے اور مردہ زندہ کرنے کو دو اور دو چار ہونے یا نہونے سے کیا علاقہ ہے اور جو شخص مردہ زندہ کرتا ہے اسکے منجانب اللہ ہونیکا یقین اس مردہ زندہ کرنے سے کیونکر دل میں بیٹھ سکتا ہے ؛

بحث قوت مقناطیسی

بلاشبہ تمام انسانوں میں خواہ وہ انبیا ہوں یا اولیا یا عوام الناس اور کسی مذہب کے ہوں جیسے کہ حیوانوں میں بھی ایک قسم کی قوت مقناطیسی موجود ہے جو خود اُس پر اور نیز دوسروں پر ایک قسم کا اثر پیدا کرتی ہے یہ قوت بمقتضائے خلقت بعضوں میں ضعیف اور بعضوں میں قوی اور بعضوں میں اقوی ہوتی ہے اور جسطرح اور قویٰ انسانی ورزش سے قوت پکڑتے ہیں ۔ جیسے کہ پنجہ کشی کی ورزش سے پنجے میں ۔ مگدر کی ورزش سے کلائی میں قوت آجاتی ہے اسی طرح اس قوت دماغی میں بھی خاص قسم کی ورزش سے قوت زیادہ ہو جاتی ہے ؛

انسان جو خواب میں عجیب عجیب چیزیں دیکھتا ہے اور عجیب واقعات وحالات اُس پر

گذرتے ہین جنکو وہ سمجھتا ہے کہ درحقیقت وہ تمام چیزین موجود ہین اور فی الواقع وہ حالات اُسپر گذر رہے ہین اُسی قوت کے اثرون مین سے ہے حالانکہ وہ چیزین درحقیقت نہ موجود ہوتی ہین اور نہ فی الواقع وہ حالات اُسپر گذرتے ہین یہہ کیفیت جسطرح کہ خواب طبعی مین ہوتی ہے کبہی حالت بیداری مین بہی پیدا ہوجاتی ہے آدمی سمجھتا ہے کہ مین جاگتا ہون اور درحقیقت وہ جاگتا ہی ہے مگر اُسپر ایک قسم کی خواب طاری ہوجاتی ہے جو خواب مقناطیسی سے تعبیر کیجا سکتی ہے اور اس حالت مین انسان ایسی چیزون کو موجود دیکہتا ہے جو فی الحقیقت موجود نہین ہین اور ایسے واقعات اپنے پر گذرتے ہوئے یقین کرتا ہے جو درحقیقت اُس پر نہین گذرے ✤

یہ قوت مقناطیسی جسمین قوی ہوتی ہے وہ دوسرے شخص پر ڈال سکتا ہے اور اس دوسرے شخص پر بحالت بیداری ایک قسم کی خواب مقناطیسی طاری رہتی ہے اور کبہی وہ اُس خواب مقناطیسی مین بے ہوش ہوجاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سوتا ہے ✤

اس قوت مقناطیسی سے کیا کیا چیزین ظہور مین آتی ہین بحث طلب ہین جو لوگ اس فن کے عامل ہین وہ اس قوت سے بہت سے عجائبات وغرائب چیزون کے ظہور کا دعوی کرتے ہین مگر جبتک تجربے اور مشاہدے مین نہ آوین اُس وقت تک اُن کے صحیح وغیر صحیح ہونے کا فیصلہ نہین ہوسکتا ہان صرف اُن باتون کے وجود سے یا اُن کے ظہور پذیر ہونے سے انکار کیا جا سکتا ہے جو معلومہ قوانین قدرت کے برخلاف ہین با این ہمہ جو امور کہ اُس سے ظاہر مین آوین وہ صرف خیالی اور وہمی ہوتے ہین جیسے خواب کی چیزین نہ اصلی اور واقعی ✤

یہہ قوت بعض آدمیون مین خلقی نہائت قوی ہوتی ہے اور جو لوگ مجاہدات کرتے ہین اور لطائف نفسانی کو متحرک کرتے ہین خواہ وہ ان مجاہدات مین خدا کا نام لیا کرین یا کسی اور کا۔ اُن مین بہی یہہ قوت نہائت قوی ہوجاتی ہے۔ اور اُسکے اثر ظاہر ہوتے دیتے ہین اُن اثرون کو جب کہ مسلمانون سے ظاہر ہوتے ہین مسلمان کرامت سے تعبیر کرتے ہین اور جبکہ غیر مذہب والے سے ظاہر ہوتی ہین اسکو استدراج سے تعبیر کرتے ہین حالانکہ دونون کی ماہیت واحد ہے بہرحال جو کچہہ کہ اُس سے ظاہر ہوا اُسکا کوئی وجود اصلی وحقیقی نہین ہے بلکہ بیہودہ وہمی وخیالی ہے اس قسم کی تاثیرات نفسانی کے ظہور کو جبکہ اُن کا برانگیختہ کرنا ایسے مجاہدات سے کیا گیا ہے جو خدا کے سوا اور شئ

یا اشخاص کے تصور و تذکرے تعلق رکھتے ہین سحر سے تعبیر کیا گیا ہے ❖

سحر کی حقیقت

ابن خلدون نے سحر کی حقیقت اسطور پر بیان کی ہے کہ سحر کی حقیقت یہہ ہے کہ نفوس انسانی اگرچہ نوعیت کے لحاظ سے متحد ہین مگر خاصیتون کے اعتبار سے مختلف ہین اور وہ چند قسم کے ہین ہر ایک قسم ایک نوع خاص کی خاصیت کے ساتہہ مخصوص ہے کہ جو دوسری قسم مین پائی نہین جاتی اور یہ خاصیتین انکی جبلت اور سرشت ہین پس انبیاء علیہم السلام کے نفوس کو ایک خاص مناسبت ہوتی ہے جسکی وجہ سے وہ خدا کی معرفت اور فرشتون سے (جو خدا کی طرف سے آتے ہین) بات چیت کے اور اس قسم کے اور کام کے لیئے موجودات مین تاثیر کے اور ستارون کی روحانیت کی تسخیر مین تصرف کرنیکی غرض سے قابل ہوتے ہین ❖

اور تاثیر قوت نفسانیت سے ہوتی ہے یا شیطانیہ سے لیکن انبیا کی تاثیر۔ وہ تو امداد الہی اور خاصیت ربانی ہے اور جادوگرون کے نفوس کو غائب چیزون پر اطلاع حاصل کرنے کی خاصیت قوی شیطانیہ کے ذریعے سے ہے اور اسی طرح ہر ایک قسم ایک خاصیت کیساتہہ مخصوص ہے جو کہ دوسری قسم مین نہین پائی جاتی۔

اور جادوگرون کے نفوس کے مختلف درجے ہین قسم اول تو صرف ہمت کے ذریعے سے بغیر کسی آلے اور مددگار کے تاثیر کرنے والے ہین اور فلاسفہ اسی کو سحر کہتے ہین ❖

دوسری قسم بذریعہ کسی معین کی تاثیر کے ہے یعنے افلاک یا عناصر کے مزاج یا عددون کی خاصیتون سے اور اسکو طلسمات کہتے ہین اور یہ قسم اول سے رتبے مین کم ہے ❖

تیسری قسم۔ خیالی قوتون مین تاثیر کرنا ہے اس تاثیر والا آدمی قوائے متخیلہ کیطرف توجہ کرتا ہی پس ان مین ایک خاص قسم کا تصرف کرتا ہے اور ان مین طرح طرح کے خیالات اور گفتگو اور صورتین جو کچھ اسکا مقصود ہوتی ہین ڈالتا ہے۔ پھر ان کو دیکھنے والون کی حس پر ڈالتا ہے اپنے نفس موثرہ کی قوت کے ذریعے سے۔ وہ دیکھنے والے ایسا دیکھتے ہین کہ گویا وہ خارج مین موجود ہین اور حالانکہ وہان کچھہ نہین ہوتا۔ جیسا کہ بعض لوگون کا قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ باغ نہرین مکانات دیکھتے ہیں اور وہان کچہہ نہیں ہوتا فلاسفہ کے نزدیک یہ شعوذہ یا شعبدہ ہے یہ اسکے مراتب کی تفصیل ہے

پھر یہہ خاصیت ساحرمین بالقوہ موجود ہوتی ہے مگر ریاضت کرنیسے بالفعل موجود ہوجاتی ہے ترجمہ مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۴۱۵ - ابن خلدون نے سحر کے جو تین درجے قرار دئیے ہیں حقیقت مین وہ تینون شئے واحد ہین - پہلا درجہ صرف ہمت کی تاثیر قرار دیا ہے تیسرا درجہ متخیلہ مین چیزون کا جمع کرکے دوسرے کے تخیل مین اُسکا القا قرار دیا ہے یہہ قسم درحقیقت صرف ہمّت ہی سے متعلق ہے کوئی شئے اس سے علیحدہ نہین ہے دوسرا درجہ اعداد کا مزاج افلاک وعناصر اور خواص اعداد سے قرار دیا ہے حالانکہ اس بات کے لئے کہ افلاک وکواکب واعداد سے درحقیقت اسمین کچھہ اعانت ہوتی ہے کچھہ ثبوت نہین ہے پس یہہ دوسری قسم محض فرضی ہے اور تینون قسمین قسم واحد ہین یعنے صرف ہمت سے تاثیرات کا ظہور -

اسی قوت نفسی کے آثار جب انبیاء علیہم السلام سے ظاہر ہوتے ہین تو اسکو معجزے سے تعبیر کیا جاتا ہے

معجزے اور سحر کا فرق

ابن خلدون نے معجزے اور سحر مین یہہ فرق بتایا ہے کہ انکے نزدیک یعنی حکماء الٰہیین کے نزدیک معجزہ وسحر مین یہہ فرق ہے کہ معجزہ ایک قوت الٰہی ہے جو نفس مین اس تاثیر کو برانگیختہ کرتی ہے پس وہ شخص صاحب معجزہ اس کام کے کرنے مین خدا کی روح سے تائید یافتہ ہوتا ہے اور ساحر اس کام کو اپنی طرف سے اور قوت نفسانیہ کے ذریعے سے اور بعض حالتون مین شیاطین کی مدد سے کرتا ہے -

پس ان دونون مین معقولیت حقیقت ذات کی رو سے ایک واقعی فرق ہے اور ہم اس تفرقے پر ظاہری علامتون سے استدلال کرتے ہین اور وہ یہہ کہ معجزہ اچھے شخص سے اچھے مقصدون کے لئے ہوتا ہے اور نفوس متخصصہ سے اچھے کام کیلئے دعوی نبوت پر تحدی کیلئے ہوتا ہے اور سحر بُرے کام کے لئے بُرے آدمی سے ہوتا ہے اکثر مرد وعورت مین جدائی ڈالنے کیلئے دشمنون کو ضرر پہنچانے کیلئے اور اسی قسم کے کامون کیلئے ہوتا ہے اور نفوس غیر متخصصہ شر کیلئے ہوتا ہے +

اور کبھی بعض صوفیون اور کرامت والون سے عالم کے حالات مین تاثیر پائی جاتی ہے مگر اسکا شمار سحر کی جنس مین نہین ہے بلکہ وہ تائید الٰہی سے ہوتا ہے کیونکہ اسکا طور وطریق نبوت کے آثارات اور توابع مین سے ہے اور تائید الٰہی مین علے قدر مراتب اور خدا سے بلحاظ تقرب انکو بھی حصہ ملا ہوا ہے اور جب ان مین سے کوئی شخص افعال شر پر قادر ہوتا ہے تو اُس کو

نہین کرسکتا ہے کیونکہ وہ اپنے کام مین پابند ہے اور اسکو خدا کے حکم پر چہوڑ رکہا ہے اور جس مین خدا کا حکم نہین ہوتا ہے اسکو وہ کسی طرح نہین کرتا اور اگر کسی نے کیا تو وہ راہ حق سے منحرف ہوگیا اور اکثر اُسکی کرامت مسلوب ہوجاتی ہے اور چونکہ معجزہ خدا کی مدد اور خدائی قوتون کیوجہ سے ہوتا ہے تو سحر اُسکا مقابلہ نہین کرسکتا۔ لیکن اُن لوگون کے نزدیک معجزہ و سحر مین یہ فرق ہے کہ متکلمین تو کہتے ہین کہ اسکا مرجع تحدی کی طرف ہے اور تحدی کے معنی ہین معجزے کے وقوع کا دعوی کرنا اپنے دعوی کے موافق۔ اور متکلمین کہتے ہین کہ ساحر اس قسم کی تحدی سی معذور ہے اسلیئے اُس سے تحدی ہو نہین سکتی اور جہوٹے شخص کے دعوی کے موافق معجزہ کا واقع ہونا ناممکن ہے کیونکہ معجزہ کی دلالت سچائی پر عقلی ہے اسلیئے کہ معجزہ تصدیق کی خاص صفت ہے تو اگر وہ جہوٹ کے ساتھ واقع ہو تو سچی چیز جھوٹی ٹھہر جائے پس معجزہ مطلقاً جہوٹے سی سرزد نہین ہوسکتا ✦

لیکن حکما کے نزدیک جیسا ہمنے ذکر کیا معجزے اور سحر مین خیر و شر کا فرق ہے اور وہ بھی انتہا کے کنارون کا ✦

ساحر سے اچھا کام نہین ہوتا اور نہ وہ اُسکو اچھے کام کے اسباب مین صرف کرتا ہے اور صاحب معجزہ سے شر صادر نہین ہوتا نہ وہ اُسکو اسباب شر مین استعمال کرتا ہے گویا وہ خلقت ہی سے مخالفت کی اخیر سرحد پر ہین۔ ترجمہ صفحہ ۴۱۹ و ۴۲۰ مقدمہ ابن خلدون ✦

ہم کو اسمقام پر اسبات سے بحث کرنیکی کچھہ ضرورت نہین ہے کہ معجزہ و سحر مین کیا فرق ہی اور انبیا علیہم السلام سے جو اثر نفسی ظاہر ہوتے ہین وہ کس مبدا سے ہوتے ہین اور اولیاء اللہ سی کس کی تائید اور کفار و مشرکین یا خبیث انسانون سے کسکی مدد سے۔ بلکہ صرف اسقدر کہنا کافی ہی کہ جو کچھہ ہوتا ہے اور جس سے ہوتا ہے وہ خود اُس کے اثر نفسی سے ہوتا ہے جو حسب فطرت انسانی خدا نے اس مین اور کسی نہ کسی قدر تمام انسانون مین رکہا ہے پس اگر یہہ سچ ہے تو ہم نہ اسکو معجزہ قرار دی سکتے ہین نہ سحر نہ کرامت نہ استدراج جیسے کہ ہم انسان کے دوسری قوای کے اثرون کو بھی معجزہ یا سحر یا کرامت یا استدراج قرار نہین دیتی علاوہ اسکے جبکہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اکثر اُن اثرون کا ظہور ایسا ہی خیالی ووہمی ہے جیسے کہ خواب مین اُن چیزون کا ظہور جنکو دیکہنے والا

صرف خواب ہی مین دیکھتا ہے اور انکا وجود درحقیقت اور فی الواقع کچھہ نہین ہوتا تو ہمکو جرأت نہین پڑی کہ ایسی بے اصل چیزون کو فخریہ طور پر انبیاء علیہم السلام کے معجزے اور اولیاء اللہ کی کرامتین اور بے اعتقادی سے کافرون کا سحر اور استدراج قرار دین ❊

ہمکو اور اسلام کو تو فخر اس بات پر ہے کہ ہمارے رسول برحق پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف فرما دیا کہ میرے پاس تو کوئی معجزہ نہین اگر ہوگا تو خدا کے پاس ہوگا ۔ مین تو مثل تمہاری ایک آدمی ہون خدا نے مجھکو وحی کی ہے ۔ مین تمکو بری باتون سے ڈراتا ہون اور اچھی باتون کی خوشخبری دیتا ہون ہمکو اور اسلام کو تو اس سچے ہادی پر فخر ہے جسنے نہ لکڑی کو سانپ کر دکھایا اور نہ اپنے دست مبارک کو چمکایا اور سیدھی طرح لوگون کو سچا رستہ بتایا اور فخر الاولین والآخرین اور خاتم النبیین ہونے کا درجہ پایا ❊

پس جب یہ صورت ہے کہ خرق عادت اور معجزہ کا وقوع اگر تسلیم بھی کر لیا جاوے تو وہ مثبت رسالت نہین ہے تو لاجرم ہمکو کسی اور ثبوت کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے اور اس مقام پر ہم اس ثبوت کو پیش کرتے ہین یہ ثبوت نسبت رسالت جناب سید الانبیاء والمرسلین ہے اور اس ثبوت کے بعد قرآن مجید کا انبیاء سابق کی تصدیق کرنا ان انبیاء کے منجانب اللہ ہونے کا کافی ثبوت ہے ❊

معیار مذاہب کے سچا یا جھوٹا ہونیکا

جو لوگ خداوند تعالی کو واجب الوجود یقین کرتے ہین خواہ وہ کسی مذہب کے لوگ ہون وہ اس امر کو بھی تسلیم کرتے ہین کہ تمام کائنات اسکی مخلوق ہے اور اس واجب الوجود کا کام ہے ❊

پس جو شخص یہ دعوی کرے کہ وہ اس واجب الوجود کیجانب سے انسانون کیطرف ایلچی پیغمبر یا رسول ہے اور وہ ایک پیغام لوگون کیطرف اس واجب الوجود کا لایا ہے پس وہ پیغام یا حکم اس واجب الوجود کا قول ہوگا ❊

اسلئے ہم اس رسول کی صداقت کے امتحان کرنیکے واسطے صرف اسی پیغام کیطرف رجوع کرینگے اور اس پیغام کو اسی واجب الوجود کے کام پر پیش کرینگے اگر وہ پیغام کائنات کے قانون قدرت کے مطابق ہوگا تو بلا شبہ وہ پیغام اسی کیطرف سے ہوگا جسنے یہ کارخانہ قدرت کا بنایا اور اگر وہ پیغام یا حکم اس کارخانہ قدرت کے اصولون کے برخلاف ہو تو بلا شبہ وہ پیغام یا حکم اس کارخانہ قدرت کے

صانع کی جانب سے نہین ہوسکتا کیونکہ خدا کیسے کامون اور کلام مین اختلاف نہین ہوسکتا مختصر یہ ہے کہ ہم نبی یا پیغمبر کی صداقت کا معیار اُسکی تعلیم کا قانون قدرت کے مطابق ہونا قرار دیتے ہین کیونکہ کوئی اور معیار جو اس قانون قدرت کے اصولون کے متضاد یا برخلاف ہو کبھی صحیح نہین ہوسکتا اور صرف یہی سچا معیار ہے جہانتک کہ انسان اپنے قوائے عقلی سے جان سکتا ہے یہ نہین ہوسکتا ہے کہ خدا کا قول اسکے قوانین کے مخالف ہو جو اسنے اپنے مصنوعات مین پیدا کئے ہین یا وہ قوانین اسکے قول یا حکم کے برخلاف ہون ٭

قانون قدرت کی حقیقت

قانون قدرت کیا ہے وہ وہ ہے جسکے بموجب اُن تمام چیزون مین مادی یا غیر مادی کا جو ہمارے ارد گرد ہین ایک عجیب سلسلہ انتظام سے موجود ہے اور ہمیشہ اُنہین کی ذات مین پایا جاتا ہے کبھی اُن سے جُدا نہین ہوتا قدرت نے جسطرح جسکا ہونا بنادیا ہے بغیر خلاف کئے اسی طرح پر ہوتا ہے اور اسیطرح پر ہوگا پس وہی سچ ہے اور جو اصول اسکے مطابق ہین وہی سچے اصول ہین نہ وہ جنکی بنا ایک فانی قابل سہو و خطا وجود یعنے انسان کے اعتقاد پر منحصر ہو ٭

مذہب ایک سچا اصول ہے اعتقاد کی فرع نہین ہوسکتا

تمام مختلف خیالات جو لوگون کے دلون میں ہین اور جو مذہب کہلاتے ہین وہ ایک ہی مخرج یعنے دل سے نکلے ہین اور دل کے اُس فعل کا جس سے یہ خیالات پیدا ہوتے ہین اعتقاد نام رکھا جاتا ہے پس اگر مدار مذہب کا اعتقاد ہو تو ایک کو صحیح اور دوسرے کو غلط ٹھہرانیکی کوئی وجہ نہین ہوسکتی ٭

کیا وہ بت پرستی ہے اُس سچی دلی پرستش مین جو ابراہیم کے باپ نے ایک بت کی کی اور اُس سچے دل کے خیال مین جس سے ابراہیم نے اپنے باپ کے اُس بت کو توڑا ٭

ایک ہی واقعہ حضرت مسیح علیہ السلام کی قتل کا ہے جو کالوری کی پہاڑی مین بیت المقدس کے پاس گذرا۔ ان کے بیرحم قاتلون نے اپنی دانست مین جو کچھ کیا مذہبی نہایت سچے اور مستحکم اعتقاد اور دل کے ٹھیک دینی والے ایمانی جوش سے کیا پس اُن دو گروہون مین سے جو نہایت سچے دل سے اُسکو نہایت ہی نیک کام سمجھتے تھے اور جو نہایت پاک دلی سے اسکو نہایت ہی بد کام جانتے ہین

کونسی چیز تفرقہ کرنے والی ہے ÷

کیا وجہ تمیز کی ہے سنٹ پال کی اُس حالت مین جبکہ وہ دلی اعتقاد اور ایمان کے جوش سے اُن لوگون کا ساتہی تہا جنہون نے سنٹ سٹیفن شہید کو سنگسار کیا اور اسحالت مین جبکہ اُسنے اپنے سچے دلی اعتقاد سے حضرت مسیح کو مانا کیا چیز ہے جس سے ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اسحالت مین تمیز کرین جبکہ اُسنے لات ومنات پر سچا دلی اعتقاد رکہکر اپنی عرکے قتل پر کمر باندہی اور اُسحالت مین جبکہ اُسنے نہایت سچی دلی تصدیق سے کہا کہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ یہ وہی عجیب خیال ہے جو دونون طرف برابر نسبت رکہتا ہے اور جسکو لوگ مذہب کہتے ہین پس ایسی ذو جہتین چیز کی جو ضدین مین برابر نسبت رکہتی ہے کسی جہت پر یقین کرنے کی کوئی وجہ نہین البتہ ان تمام خیالون مین سچا خیال یا تمام مذہبون مین سچا مذہب وہی ہو سکتا ہے جو ضدین مین برابر نسبت رکہنے کے نقص سے پاک ہو۔ اور اسیو اسطے مذہب ایک ایسا سچا اصول ہے کہ جبتک انسان اپنے قوای جسمانی اور عقلی پر قادر ہے اسکے تمام افعال ارادی۔ جوارح نفسانی و روحانی کا اُسی اصول کے مطابق ہونا چاہئے۔ پہر اگر وہ اصول ایسے ہین کہ صرف کسی قسم کے اعتقاد پر مبنی ہین تو اگر متعدد لوگون کا متضاد اصول پر کسی وجہ سے اعتقاد ہے تو ایک کو سچا اور صحیح اور دوسرے کو جہوٹہا یا غلط کہنے کی بجز تحکم اور کوئی وجہ نہین ÷

سچا مذہب وہی ہو سکتا ہے جسکی سچائی نہ کسی اعتقاد پر بلکہ حقیقی سچائی پر مبنی ہو۔ کیونکہ مذہب اعتقاد کی فرع نہین ہے بلکہ سچائی مذہب کی اصل یعنے عین مذہب ہے اور اعتقاد اسکی فرع ہی ÷

پس جبکہ ہم مختلف مذہبون مین سے سچے مذہب کو پرکہنا چاہین تو دیکہین کہ وہ سچے اصول کے مطابق ہے یا نہین ؟

اور اسی بنا پر ہمنے قانون قدرت کو یا اُن اصولون کو جو قانون قدرت سے ماخوذ ہوے ہین۔ ہر ایک سچائی کا اور مذہب کا معیار قرار دیا ہے ÷

مذہب کی صحیح تمثیل ایسے طبیب سے ہے جو نہ خود کسی چیز کو امرت بناتا ہو اور نہ کسی کو ہلاہل ٹہراتا ہو بلکہ ہر چیز مین قدرت نے جو اثر رکہا ہے اُسی کو بتاتا ہو تاکہ جو لوگ صحیح ہین اپنی حفظ صحت کے اصول جانین اور جو بیمار ہین وہ حصول صحت کی دوا کو پہچانین یہی وہ سچا اصول ہے جو قانون قدرت کے بالکل مطابق ہے اور کتاب و سنت دونون اسکو مؤید ہین جو علم مذہب اسلام کی بنیاد

پس اسلام کی تعلیم اگر اس صحیح معیار پر جو ہم نے پیش کیا ہے صحیح اُترے تو بلاشبہ یہہ سچا مذہب ہے اور وہ شخص جسکی معرفت ہم کو یہہ تعلیم حاصل ہوئی خدا کا رسول اور سچا نبی اور ہماری انتہا ادب اور نامحدود ثنا و صفت کا مستحق ہے اور بلاشبہ اُسی خطاب کے لائق ہے کہ "انت احب الی یا رسول اللہ من نفسی التے بین جنبی" +

آپ لکے منجانب اللہ اور سچے نبی ہونیکے واسطے صرف یہہ دکھانا کہ وہ تعلیم جو محمد رسول اللہ نے دی اور جو بین الدفتین قرآن مجید مین موجود ہے وہ کسی اصول قانون قدرت کے ایک ذرہ بھر بھی برخلاف نہین ہے اور عام فطرت انسانی کے مطابق ہے اور اسیکا نام اسلام ہے +

مگر ایک مشکل یہ پیش آتی ہے کہ جب اسلام کا نام لیا جاتا ہے تو لوگ اُس مجموعہ احکام کو جو اب احکام مذہبی سمجھے جاتے ہین مذہب اسلام خیال کرتے ہین ہان مجازاً تو اُن پر مذہب اسلام کا اطلاق ہوسکتا ہے مگر حقیقتاً وہ مجموعہ من حیث المجموع بمعنے حقیقی اسلام کہلانے کا مستحق نہین ہے +

تقسیم اصول و احکام اور انکی مدارج

موجودہ مسائل مذہب اسلام مین دو قسم کے اصول واحکام شامل ہین ایک وہ جنکو خود شارع نے صاف صاف بیان کیا ہے جو احکام منصوصہ کہلاتے ہین اور ایک وہ جنکو عالمون اور مجتہدون نے اپنے ذہن کی خوبی اور اپنے علم کی روشنی سے باستدلال دلالت النص یا اشارۃ النص یا قیاس کے قائم کیا ہے جو اجتہادیات کہلاتے ہین اور جو بجز ایک قابل سہو و خطا وجود کے رائے کے اور کچھہ زیادہ رتبہ نہین رکھتے پس ان دونون قسم کے مسائل مین تمیز کرنے سے آدمی طرح طرح کی سخت غلطیون مین پڑجاتے ہین اور یہی وہ ترک امتیاز ہے کہ جب مسلمان اُسکو اختیار کرتے ہین تو اوسکا نام تقلید رکھتے ہین اور جب غیر مذاہب کے لوگ اسکو اختیار کرتے ہین تو اوسکو تعصب وغیرہ حقیر نامون سے موسوم کرتے ہین +

پہلے قسم کے احکام یعنی جنکا نام احکام منصوصہ ہے دو قسم کے احکام ہین ایک وہ جو اصلی احکام ہین اور بلاشبہ وہ بالکل قانون قدرت کے مطابق ہین بلکہ وہ اسکی جان ہین اور دوسرے وہ جو ان اصلی احکام کی حفاظت اور اُن کے بقا اور قیام کے لیئے ہین پس جو کوئی مذہب اسلام کی سچائی اُن سچے قدرتی اصولون سے پرکھنی چاہئے تو اسکو ان دونو قسم کے احکام کی اور اُن مین سے ہر ایک کے

درجے اور رتبے کی تمیز کرنی لازم ہے ❖

علاوہ مذکورہ بالا دو قسمون کے ایک تیسری قسم کی بہی احکام مذہب اسلام مین ہین جو ذو معنئین عبارتون یا ناکامل سند یا مشتبہ سندون سے قائم ہوئے ہین ان مین پہلی قسم تو اجتہادیات مین داخل ہے اور دوسری قسم مذہب اسلام مین کچہہ وقعت اور اعتبار نہین رکہتی گو اُسپر اسوجہ سے کہ اس مین کچہہ نقصان نہین ہے عمل ہوتا ہو۔

مذہب اسلام کے احکام اصلی جسقدر ہین اونہین پر اسلام کی بنیاد قائم ہے اور ان مین سے کوئی حکم بہی ایسا نہین ہے جو قانون قدرت اور انسان کی سرشت کے برخلاف ہو بلکہ اُن پر غور کرنے سے اسبات پر یقین ہوتا ہے۔ کہ مذہب انسان کیلئے بنایا گیا ہے نہ انسان مذہب کے لئے ❖

احکام محافظ سے صرف اُن احکام اصلی کی حفاظت مقصود ہے اور وہ خود مقصود بالذات نہین ہین یہ احکام ایسے عام قاعدہ پر صادر ہوئے ہین جو قریباً کل افراد کے مناسب حال ہین اور ممکن ہے کہ کسی شاذ و نادر فرد کے مناسب حال نہ ہون مگر ایسا ہونا اُن احکام کے نقصان کا باعث نہین ہے کیونکہ تمام احکام کا یہہ خاصہ ہے کہ قریباً کل افراد کے مناسب حال ہوتے ہین گو کہ کوئی شاذ و نادر فرد ایسے بہی نکلے کہ اسکو مناسب حال نہون مگر اس مطلب سے کہ قاعدہ کلیہ ٹوٹنے نہ پاوے تمام افراد کے ساتہہ یکسان عمل کرنا واجب ہوتا ہے ❖

احکام محافظ کی نسبت کسی نادان کا کوئی اعتراض کرنا اور ان کی نسبت اس بحث کا پیش کرنا کہ اُن مین قانون قدرت کی کیا مطابقت ہے اور اُن احکام کو قانون قدرت سے کچہہ تعلق معلوم نہین ہوتا ایک محض بیوقوفی کا اعتراض ہوگا کیونکہ وہ احکام بالذات اس اعتراض اور بحث کہ کہ وہ قانون قدرت کے مطابق ہین یا نہین مورد نہین ہوسکتے بلکہ اُنپر یہہ بحث ہوسکتی ہے کہ وہ احکام اُن اصلی احکام کے جو بالکل قانون قدرت کے مطابق ہین محافظ ہین یا نہین۔ اگر اُن کا محافظ ہونا ثابت ہو تو وہ بہی ضمناً داخل احکام اصلی اور مطابق قانون قدرت اور صحیح تصور ہونگے اور اگر اُن سے اصلی احکام کی محافظت ثابت نہ ہو تو بلاشبہ وہ غلط ہون گے ❖

ہان ایک بحث اُن پر اور ہوسکتی ہے کہ جو طریقہ ان احکام اصلی کی حفاظت کا ہے اور احکام محافظ مین قرار دیا ہے مثل اسکے دوسرا طریقہ بہی حفاظت کا موجود تہا۔ حالانکہ اُسکے ترک اور اسکے اختیار کرنیکی

کوئی وجہہ نہین ہے ⁂

یا یہہ کہ اُن احکام اصلی کی حفاظت کا دوسرا طریقہ اُس سے بہی اچہا موجود تہا + پہلا شبہہ اگر وہ تسلیم بہی کرلیا جاوے تو بہی لغو اور مہمل ہوگا کیونکہ یہہ شبہہ بطور ایک شبہہ عامتہ الورود کے ہوگا جسکو تمام عقلا لغو اور بیہودہ سمجہتے ہین کیونکہ اگر دو مساوی چیزون مین سے ایک کے ترک اور ایک کے اختیار کی کوئی وجہہ نہ ہو تو جو شبہہ اُسپر وارد ہوتا ہے وہی شبہہ اُس وقت بہی وارد ہوگا۔ جب کہ مختار کو ترک اور متروک کو اختیار کیا جاوے دوسرا شبہہ اگر وارد ہو تو البتہ قابل تسلیم ہوگا لیکن ہمارا دعوی یہ ہے کہ مذہب اسلام مین جو طریقہ حفاظت احکام اصلی کا قرار دیا گیا ہے۔ اسکے مساوی بہی کوئی طریقہ اُنکی حفاظت کا نہین ہے چہ جائے اسکے کہ اُس سے افضل کوئی طریقہ دوسرا ہو۔ ہم اِس مطلب کو دو ایک مثالون سے سمجہاتے ہین مثلاً نماز قرآن مجید مین صرف نماز کا مقرر ہونا آیا ہے اصلی حکم خدا کا اُس سے صرف اسلئے بندہ کا خدا کیطرف خلوص اور خضوع اور خشوع سے متوجہ ہونا اور عجز و عبودیت کا ظاہر کرنا اور شان خالقیت کا تسلیم کرنا اور اُسکو سامنے اپنے تئین عاجز اور ذلیل اور مسکین بنانا ہے ارکان نماز کے جو قرار دئیے گئے ہین وہ اس تمام خضوع و خشوع ظاہری و باطنی کے محافظ ہین پس ان احکام محافظ پر یہہ اعتراض کرنا کہ نماز مین اُٹہنا اور بیٹہنا اور سر ٹیکنا نیچر کے برخلاف ہے ایک بیوقوفی کا اعتراض ہے۔ کیونکہ ان احکام مین صرف یہہ بات دیکہنی ہے کہ درحقیقت وہ اصلی حکم کے محافظ ہین یا نہین۔ ان احکام اصلی اور احکام محافظ کا تفرقہ ایسے مقام پر بخوبی واضح ہوجاتا ہے جب کہ کوئی حکم احکام محافظ مین سے ساقط ہوجاتا ہے اور اُسکا سقوط ثابت کرتا ہے کہ وہ اصلی حکم نہین جیسے نماز مین قیام و قعود اور رکوع اور سجود اور قرأت یہ سب احکام محافظ ہین۔ جب انسان ان پر قادر نہین ہوتا تو کسی کا ادا کرنا بہی اُسپر لازم نہین ہوتا۔ برخلاف اُس اصل نماز کے کہ وہ کسی حالت مین انسان سے جبتک کہ اُسپر مکلف ہونیکا اطلاق کیا جاتا ہے ساقط نہین ہوتی اِس سے جو تمیز کہ ان دونون قسم کے احکام مین ہے وہ بخوبی واضح ہوتی ہے +

یا مثلاً اسلام نے ایک اخلاقی امر کی نسبت حکم دیا ہے کہ جو عورت کہ اُسکا خاوند مرجاوے یا اُسکو طلاق دے تو اُسکو دوسرا شوہر کرنے مین اسقدر توقف کرنا چاہئے جس سے معلوم ہوجاوے کہ وہ اُس شوہر سے حاملہ ہے یا نہین اور اس امر کے دریافت کرنے کو ایک میعاد مقرر کی ہے جو

عورتون کی نیچر سے مناسبت رکھتی ہے یہ حکم احکام محافظ مین سے ایک حکم ہوگا اور بلا شبہ ایسی عورت نے جسنے اُس مدت سے بھی زیادہ عرصہ سے اپنے شوہر سے مقاربت نہ کی ہو مناسب حال نہ ہوگا۔ مگر یہہ حکم تمام افراد سے متعلق ہے ٹوٹنے نہ پاوے۔ پس اس حکم محافظ پر یہہ اعتراض نہین ہوسکتا کہ قانون قدرت کے مطابق نہین ہے کیونکہ یہ اُس قانون قدرت کا محافظ ہی جس سے اولاد کو اپنے باپ اور باپ کو اپنی اولاد پر قانون قدرت کے موافق حقوق حاصل ہوتے ہین مگر یہہ بھی سمجھنا چاہئے کہ اگرچہ احکام اصلی اور احکام محافظ اپنی اصلیت مین مختلف درجہ اور حقیقت رکھتے ہین لیکن عملاً اُن کا درجہ مساوی ہے اور اسلیئے جس طرح احکام اصلی کی تعمیل لازم ہے اسی طرح احکام محافظ کی تعمیل بھی لازم ہے کیونکہ وہ دونون لازم وملزوم ہین یا موقوف وموقوف علیہ ہین اور اسلئے عملاً دونون مین کچھہ فرق نہین ❊

یا مثلاً نماز مین سمت قبلہ کوئی اصلی حکم مذہب اسلام کا نہین ہے اور اسلیئے ایک ادنی سے عذر پر ساقط ہوجاتا ہے مثلاً سمت قبلہ کے مشتبہ ہونے پر۔ سہواً کسی دوسری سمت نماز پڑھ لینے پر۔ بعض صورتون مین گھوڑے کی سواری پر۔ دریا کے سفر مین اور اس چودہوین صدی نبوی مین ریل کے سفر مین اور علی ہذالقیاس۔ مگر چونکہ یہہ حکم بطور ایک نشان اور تمیز اُن لوگون جنہون نے اسلام قبول کیا ہے اسلیئے اسکا بھی بجا لانا مثل احکام اصلی کے ضرور ہوگا اور قصداً ترک نہ کیا جاوے گا ❊

ارکان اسلام پانچ ہین :۔ اول۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر سچے دل سے یقین رکھنا کہ اُن چیزون لائق عبادت کے نہین ہے مگر صرف ذات واحد فاطر السموات والارض۔ وہ جیسا اپنی ذات مین یگانہ اور فرد ہے ویسا ہی اپنی صفات مین یگانہ اور فرد ہے کوئی شئے خواہ وہ انسان ہو یا فرشتہ کسی مین کوئی صفت جس سے وہ متصف ہے پائی نہین جاتی۔ عبادت خواہ کسی قسم کی ہو مالی یا جانی۔ اسکی مستحق صرف وہی ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے اسمین اوسکا کوئی شریک وسہیم نہین ہے اس مسئلہ کو پہلے پانچ عقیدون کے ذیل مین بروئے قانون قدرت ثابت کیا گیا ہے حاجت اعادہ کی نہین ہے ❊

اس رکن کا دوسرا جزو یعنے محمد الرسول اللہ کا ثبوت اسی کے ذیل مین درج ہے اسکا مفہوم ومدعا یہہ ہے کہ محمد صاحب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بھیجے ہوئے کافۂ ناس کیطرف اونکی ہدایت کیواسطے

ہین اور جو کچہہ کہ وہ خدا کی جانب سے انسانون کی ہدائت کیواسطے لائے ہین وہ بین الدفتین ہمارے ہاتھون مین بلاکم وکاست موجود ہے یا جو کچہہ آپنے من حیث الدین لوگون کی ہدائت کیواسطے علاوہ قرآن مجید کے فرمایا اور جو فرمودہ رسول من حیث الدین ثابت ہوجاوے وہ بلاشک منجانب اللہ ہے قرآن مجید کا ایک ایک لفظ کلام خدا ہے اسکے کسی جزو کا انکار کرنا یا اسکی علاوہ جو کچہہ پیغمبر خدا نے من حیث الدین فرمایا اور انکا فرمانا ثابت ہو جائے اُسکا انکار کرنا کفر وضلالت ہے اسکو ہم آگے چلکر بروئے قانون قدرت کے ثابت کرینگے ٭

دوم نماز:۔ ہر مسلمان عاقل بالغ پر ہر روز پانچوقت نماز کا ادا کرنا فرض ہے اور اُسکا ادا نکرنا موجب عصیان ہے اور اُسکا انکار کرنا کفر ہے ٭

نماز کے معنے ہین بندہ کا خدا کی طرف خلوص خضوع اور خشوع سے متوجہ ہونا اپنے عجز و عبودیت کا اظہار اور خدا کی قدرت کاملہ ربوبیت عامہ اور توحید کا اقرار یہ نماز کسی وقت بہی جبتک کہ انسان اسکے ادا کی قدرت رکہتا ہے ساقط نہین ہوتی ٭

انسان نام ہے نفس ناطقہ کا جسکو اس جسم سے عارضی تعلق ہے اور یہہ جسم بمنزلہ اوسکی عضاء وجوارح و آلہ کے ہے اس لئے اللہ جلشانہ نے اس نماز کا ادا کرنا انسان پر ایسے ڈہب اور انداز سے مقرر فرمایا کہ دونو نفس ناطقہ اور جسم اُسکے ادا کرنے مین برابر کے شریک اور سہیم ہونا۔ اگر خلوص خشوع۔ خضوع نفس ناطقہ کے کام ہین تو قیام۔ قعود۔ سجدہ۔ رکوع۔ قرأت جسم سے متعلق ہین۔ نفس ناطقہ چونکہ فنا ہونے سے بری ہے اسلئے اسکے ذمہ کے فرائض جبتک اوسکو جسم سے تعلق ہے ساقط نہین ہوتے۔ برخلاف اسکی جسم کے افعال متعلقہ نماز ذرا سے عذر پر ساقط ہوجاتے ہین ٭

پہر نماز کے اوقات پیش از طلوع آفتاب، بعد زوال آفتاب، بعد کہول آفتاب بعد غروب آفتاب اور رات کو صرف ان خیالات کا جو آفتاب پرستون کا نسبت معبود ہونے آفتاب کے ہی۔ بطلان مقصود ہی اور اس پر ہر روز پانچون وقت آفتاب کے تغیرات کا خیال دلاکر اُسکے معبود ہونیکی ناقابلیت ثابت کی ہے۔ طہارت جسم سے روحانی طہارت کی طرف طبیعت اور نفس ناطقہ کا متوجہ کرنا مقصود ہے اب ہر ایک شخص جو بلا تعصب ہوکر اس مین غور کریگا وہ یقین کریگا کہ اسطرح پر نماز کا ادا کرنا جو اسلام مین مقرر ہے قانون قدرت کے خلاف نہین بلکہ عین اسکے مطابق ہے۔ گیا

خضوع وخشوع وخلوص سے کسی قانون قدرت مین کچہہ خرابی واقع ہوسکتی ہے یا قیام وقعود وسجدہ وغیرہ انسانی جسم کی بناوٹ کے ذرہ بہر بہی خلاف ہے۔ مسلمانون کو نماز ادا کرنے کیلئے نہ کسی مسجد کی ضرورت ہے کیونکہ ان کے لئے تمام روئے زمین مسجد ہے نہ انکو اوسکے ادا کرنے مین کسی امام اُسقف پوپ یا پادری کی ضرورت ہے کیونکہ خدا اور انسان مین کسی وسیلہ کی ضرورت نہین ہے خود انسان براہ راست اپنے مالک کے روبرو حاضر ہو کر اپنا عجز ونیاز ظاہر کرسکتا ہے ؛

ہان برخلاف اسکے ہاتہون کو لٹکا رکہکر سکہلا دینا یا رہبانیت اختیار کرکے قوائے بہیمیہ یا اعضائے تناسل کو محض بیکار کردینا بلاشبہ قانون قدرت کے برخلاف ہے اور اسی لئے اسلام کی مقررہ عبادات مین اسکا نام ونشان تک نہین ہے کیونکہ قانون قدرت کا منشا ہی کہ جملہ قواے کو جو خداوند تعالی نے انسان کو عطا فرمائی ہین انکو اعتدال پر رکہکر اُن سے پورا پورا کام لیا جائے اوسکو ضائع کرکے قبل از وقت مرجانا یا خودکشی کرکے بتون یا مندرون اور معبدون پر بلدان ہوجانا اور اسکو ذریعۂ نجات سمجہنا بلاشبہ خلاف قانون قدرت ہین۔ ایسے لغو حرکات سے کبہی کوئی سوشیل اخلاقی یا مذہبی ترقی نہین ہوئی بلکہ لوگون کو سخت گمراہی مین مبتلا کرکے نہ دین کا اور نہ دنیا کے کام کا رکہا نماز کو بطور مقررہ اسلام ادا کرنا انسان کے دل اور ظاہر کو پاکیزہ کردیتا ہے۔ انسان شریف النفس ہوجاتا ہے خدا کا خوف اوسپر ہر وقت مسلط ہوجاتا ہے اور انہین معنون مین اللہ جلشانہ فرماتا ہے کہ الصلوٰۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر ؛

سوم روزہ :۔ ہر ایک مسلمان عاقل بالغ پر فرض ہے کہ جب اسکو رمضان کا مہینہ ملے تو غرہ سے سلخ تک روزے رکہے۔ جس طرح پر نماز روحانی اور جسمانی ہے اسیطرح روزہ بہی روحانی وجسمانی ہے روزہ کی روحانیت یہہ ہے کہ نفس ناطقہ کو بدخیالات سے محفوظ رکہنا خواہش ظاہری اور باطنی پر پورا تسلط قائم کرنا کہ اونکے ذریعے سے کوئی بدخیال نفس تک سرایت نکرسکے۔ جسمانیت روزہ کی یہ ہے۔ کہ کہانے پینے اور جماع سے دن مین پرہیز کرے زبان کو جہوٹ سے، کانون کو غیبت سے آنکہون کو غیرمحرم عورتون پر بدنظری سے ہاتہہ پاؤن کو برے اعمال کی بجا آوری سے روکے۔ غرضیکہ ہر ایک عضو اور جوارح کو اُسکے متعلقہ کامون میں ہر ایک برائی سے بچنے کا نام روزہ ہے۔ پہر صرف یہی نہین بلکہ روزہ سے ایک اور بات بہی مقصود بالذات ہے کہ انسان کو بہوکہہ اور پیاس وغیرہ حوائج کی سختی برداشت کرنیکی عملی حالت سے بذریعہ تجربہ اور بطور واردات علی النفس کے اطلاع بہم پہنچے

تاکہ مسکینون کی بہوک پیاس وغیرہ کا اُسکو صحیح اندازہ ہوسکے اور اسطرح پر نفس مین دوسرے کی تکالیف پر رحم کرنیکی عادت راسخ ہوجاوے۔

رمضان کی راتون کو بلا روک ٹوک سب حوائج ضروری کی پورا کرنیکی اجازت ہی تاکہ انسانی قوای بالکل بیکار نہ ہوجائین اور انسان کاروبار دنیا کے لائق ہی نہ رہے +

پہر اس مین مریض اور مسافر کو اجازت ہے کہ جتنے روزے رمضان کے اس سے قضا ہوجاوین اُتنے ہی اور دنون مین رکہہ لیوے۔ پہر عام طور پر یہ سہولت عطا ہوئی ہے کہ اُن لوگون پر جو ادا فدیہ کی طاقت رکہتے ہین ایک مسکین کو کہانا کہلا دین اور اگر اپنی مرضی سے اس مین زیادتی کرین تو یہ اُن کے واسطے اچہا ہے اور اس طرح پر فرضیت روزے کی اُن کے ذمے سے ساقط ہوجائیگی اور اگر وہ لوگ روزہ رکہین تو اُن کے حق مین یہہ بہتر ہے۔ روزہ رمضان کی فرضیت ذیل کی آیتون مین درج ہے انکے ترجمے سے معلوم ہوگا کہ کس کمال حکمت اور کس عالم الغیبی سے ان آیتون کے الفاظ ہین کہ ان پر کوئی اعتراض اس چودہوین صدی مین جبکہ دنیا کے ہر ایک حصّہ کا حال منکشف ہوچکا ہے وارد ہی نہین ہوسکتا۔ جو لوگ یہ اعتراض کیا کرتے ہین کہ جہان اور جس ملک مین چہہ مہینے کی رات اور چہہ مہینے کا دن ہو۔ یا جہان دن اور راتین غیر معمولی طور پر بہت طویل ہون وہان روزونکا رکہنا کس طرح ممکن ہے مگر اُن صاحبان کو چاہئے کہ قرآن کی آیات پر غور کرین تو یہ اعتراض بالکل دور ہوجاتا ہے "فمن شهد منكم الشهر فليصمه" یعنے جو کوئی تم مین اُس ماہ مین موجود ہو۔ وہ روزہ رکہے۔ پس ایسے ملکون مین جہان چہہ مہینے کی رات اور چہہ مہینے کا دن یا کم و بیش راتین اور دن مہینون کے ہون تو وہان پر خود ماہ رمضان کا وجود ہی پایا نجاویگا کیونکہ رمضان اُس مہینہ کا نام ہے جو سلخ ماہ شعبان سے شروع ہوکر غرہ شوال کے ابتدا مین ختم ہوتا ہے گویا اس ملک مین متعارفہ بارہ مہینے سال کے پائے نہین جاتے اسلئے وہان پر رمضان ہی پایا نہین جاتا اس لئے وہان پر بموجب نص قرآن مجید کے روزے فرض نہین ہین۔ اسیطرح جب دن اسقدر طویل ہون کہ بموجب انسانی طاقت کے وہان پر تمام دن بہوکا پیاسا رہنا ناممکن ہو تو اگر اُس ملک مین متعارفہ بارہ مہینونکا وجود پایا جاوے تو بلاشبہ فدیہ طعام مسکین بموجب نص قرآن مجید کے دیگر فرضیت رمضان کی ساقط ہوجاتی ہے "لا يكلف الله نفسا الا وسعها" اور اگر سال کے متعارفہ بارہ مہینے نپائے جائین۔

تو وہان پر روزہ رکہنا بموجب آئت متذکرہ صدر کے فرض نہین ہے ◆

پس ظاہر ہے کہ اسطرح پر اور ایسی قیود کیساتہہ روزہ رکہنا ہرگز ہرگز فطرت انسانی کے برخلاف نہین ہے بلکہ اوسکا مؤید ہے کیونکہ اس سے انسانی رحم اور شفقت کا حرکت مین آنا یقینیات سے ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو لازم کیا گیا تمپر روزہ رکہنا جیسا کہ لازم کیا گیا تہا اُن لوگونپر جو تم سے پہلے تہے تاکہ تم پرہیزگاری کرو۔ روزہ رکہنے کے دن گنتی کے ہین پس جو کوئی تم مین سے بیمار ہو یا مسافر پس گنتی ہی دنون دوسرون سے اور لازم ہے اُنپر جو طاقت رکھتے ہین روزہ رکہنے کی اور روزہ نہین رکہتے فدیہ ایک مسکین کا کہانا پس جو کوئی اُس سے زیادہ بخوشی خود دیوے اسکے لئے بہتر ہے اور اگر روزہ رکہو تو بہتر ہے اگر تم جانتے ہو ◆

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝

ماہ رمضان وہ ہے کہ اُس مین قرآن اُترا رہنما لوگون کے لئے اور روشن باتین ہدائت کی اور حق اور باطل کے جدا کرنیوالا۔ پس جو کوئی پاوے تم مین سے اُس مہینے کو پس چاہئے کہ روزہ رکہے اوسکو اور جو کوئی بیمار ہو یا مسافر پس لازم ہے اوسپر گنتی دنون دوسرے دن سے۔ اللہ تمہاری واسطے آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہین چاہتا اور چاہتا ہے کہ تمام کرو گنتی اور اللہ کو بزرگی سے یاد کرو اس شکریہ مین کہ تمکو راہ دکہائی تاکہ تم شکر کرو۔ اور جب پوچہین تجہسے میرے بندے میری بابت پس البتہ مین نزدیک ہون قبول کرتا ہون دعا کرنیوالے کی دعا کو جبکہ دعا کرے پس چاہئے کہ فرمانبرداری کرین میری اور چاہئے کہ ایمان لاوین مجہپر تا راہ پاوین ◆

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ

تمہارے لئے حلال کیا رمضان کی راتو نکو اپنی عورتون

لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ✦

سے مخالطت کرنا یہ عورتین تمہارے لئے بمنزلہ پوشش کے ہین اور تم ان کے لئے بمنزلہ پوشش کے ہو۔ جان لیا خدا نے کہ تم خیانت کرتے تھے اپنے حق مین پس پھر آیا تم پر اور معاف کیا تم سے پس مخالطت کرو اپنی عورتون کے ساتھ اور طلب کرو جو کچھ مقرر کیا ہے خدا نے تمہارے لئے اور کھاؤ اور پیو یہان تک کہ روشن ہووے تمہارے لئے سفید تاگہ سیاہ دھاگہ سے فجر سے پس تمام کرو روزہ کو رات تک اور جب تم مسجدون مین معتکف ہو تو عورتون سے مخالطت نہ کرو۔ یہ ہین خدا کے منہیات پس نزدیک ہو انکے اسطرح بیان کرتا ہے خدا اپنے حکمون کو لوگون کیواسطے تا کہ پرہیزگاری کرین ✦

چہارم زکوۃ۔ اسلام کا یہ وہ رکن ہے جسکی ضرورت کو اب خود بخود لوگ ماننے لگے ہین اور مختلف طریقون سے بنی نوع انسان کی ہمدردی کے واسطے اپنی کمائی سے ایک حصہ علیحدہ کر کے ہسپتالون مدرسون۔ غریب خانون وغیرہ وغیرہ مین صرف کرتے ہین ✦

واضع اسلام نے چودہ سو سال پیشتر اسکی ضرورت کو محسوس کر کے اہل اسلام پر بطور فرض ناگزیر کے اسکو مقرر فرمایا تھا ہر شخص اہل اسلام مرد اور عورت عاقل اور بالغ سے جو نصاب کا مالک ہو اور کسیکا قرضدار نہ ہو اور اس مال پر سال کامل گذر جائے۔ ہر برس زکوۃ دینی واجب ہے یتیم بچے اور دیوانے کیلئے زکوۃ معاف ہے ✤

نصاب ہر ایک قسم کے مال کا جدا ہے۔ نصاب چاندی کا جسمین زکوۃ واجب ہوتی ہے۔ باون تولہ اور چھ ماشہ ہے اس سے کم مین زکوۃ واجب نہین ہے اور نصاب سونے کا سات تولہ چھ ماشہ ہے اس سے کم مین زکوۃ واجب نہین پس جس شخص کے پاس بقدر نصاب مذکورہ سونا یا چاندی ہو اور وہ خود کسیکا قرضدار نہو اور اس مال پر کامل سال گذر جائے تو وہ اس مال کا چالیسوان حصہ خیرات کرے اور اسی حساب سے جسقدر مال ہو اس مین سے زکوۃ ادا کرے۔ گائے بیل۔ اونٹ۔ بکری۔ بھیڑ۔ غلہ۔ زیور وغیرہ وغیرہ ہر قسم کے مال مین زکوۃ دینا فرض ہے اُن کی نصاب

علیحدہ علیحدہ ہین اونکے مفصل احکام فقہ کی کتابون مین مذکور ہین +

زکوۃ کے مستحق ذیل کے اشخاص ہین ۔ فقیر ۔ مسکین ۔ غلام ۔ قرضدار ۔ غریب ۔ مسافر ۔ یہ سب بلا قید مذہب و قومیت کے مستحق ہین زکوۃ وصول کرنیوالا ۔ نومسلم ۔ مجاہد +

اب ہر شخص خیال کرسکتا ہے کہ زکوۃ کا اسلام مین فرض ہونا کسقدر بنی نوع انسان کے فوائد پر مبنی ہے پہر اُس مین مذہب اور قومیت کی کوئی تخصیص نہین ۔ پس کیا ایسا حکم اسلام کا خلاف قانون قدرت ہے بلکہ سرتاپا قانون قدرت کے مطابق ہے کہ اغنیا اپنے مال کے ایک حصہ کو بنی نوع انسان کی ہمدردی مین جنکی اونکو اشد ضرورت ہی صرف کرین +

پنجم رکن اسلام کا حج ہے اسکے سمجہنے مین غیر مذاہب والون کو سخت غلط فہمی ہوئی ہے حج بیت اللہ یعنے کعبہ کی پرستش کا نام نہین ہے اور نہ حج خانہ کعبہ کا ہُوا کرتا ہے بلکہ عرفات مین مسلمانون کا جمع ہونا اور خدا کی حمد و ثنا کا خطبہ پڑہنا ہے

عرفات :- ایک ایسی چیز ہے جو خاص ابراہیمؑ اور انکی اولاد سے علاقہ رکہتی ہے ہزارون جگہہ توریت مین آیا ہے کہ خدا ابراہیمؑ کو مرئی ہوا ۔ خدا اسحاقؑ کو مرئی ہُوا ۔ خدا یعقوبؑ کو مرئی ہُوا ۔ خدا موسی کو مرئی ہُوا ۔ پس ٹہیک ٹہیک یہی معنے عرفات کے ہین ۔ جس پہاڑ پر جو مکے کے قریب ہے خدا ابراہیم اور اسمعیل کو مرئی ہُوا اس پہاڑ کا نام جبل عرفات ہے یہی مقام ہے جہان حاضر ہونیکو حج کہتے ہین وہان کوئی چیز نہین ہے پہاڑ تلے کا میدان ہے اُس مین مسلمان جمع ہوتے ہین ۔ اور خدا کی یاد کرتے ہین اُس کی تسبیح کرتے ہین اُسکو قدوس قدوس کہہ کر یاد کرتے ہین اوس مجمع مین جسمین خدا کی تعریف ہوتی ہے اور خدا کی احکام سُنائے جاتے ہین ٹہیک اُسی طرح جس طرح کہ موسیٰ نے کوہ سینا کی تلہٹی مین سُنائے تھے ۔ تمام آدمیون کا میدان عرفات مین جمع ہونا جہان نہ حضرت ابراہیم کا حجر اسود ہے نہ حضرت یعقوب کا سنگ قربان اور نہ حضرت اسمعیل کا معبد بلکہ محض ایک وسیع میدان ہے اُن لوگون کا ایک ساتہ شامل ہو کر خدا کا نام لے لے کر پکارنا اور اپنے گناہون کی معافی چاہنا خاص خدا کی عبادت ہے جسکا نام مسلمانون نے حج رکہا ہے پس کون شبہہ کرسکتا ہے کہ حج اُس واجب الوجود لاشریک لہ کی خاص النخاص عبادت نہیں ؟

پس غور کرنا چاہیے کہ اس رسم کی اصلیت بُت پرستون سے پائی جاتی ہے یا خاص ابراہیم سے

منا کا مقام صرف قربانی کے لئے ہے وہان بجز قربانی کے اور کوئی رسم نہین ہوتی - توریت قربانی کی رسم سے بہری پڑی ہے - جہان بیت اللہ بنایا جاتا تہا - وہان قربانی ہوتی تہی اور اسی قربانی کے سبب سے بیت اللہ مذبح کے نام سے پکارا جاتا تہا - منا اور خانہ کعبہ نہایت قریب ہے اور اس لئے قربانی نذر کرنے کیلئے وہ مقام قرار دیا گیا تہا - ہان ابراہیمؑ اور یعقوبؑ و اسحاقؑ اور موسیٰؑ اور داؤدؑ اور سلیمانؑ کی قربانی اور مذہب اسلام کی قربانی مین یہہ فرق ہے کہ اس قربانی مین جانور کو مار کر اوسکی لاش کو آگ مین جلا دیتے تہے اس خیال سے کہ خدا کو اسکی خوشبو یعنی چرائند پسند آتی ہے مذہب اسلام مین وہ قربانی غریب و محتاج لوگون کو تقسیم کی جاتی ہے تاکہ وہ بہوک کی سختی سے محفوظ رہین - ہر ذی عقل اُس پہلی قربانی سے اس پچہلی قربانی کو نہایت عمدہ اور بہتر سمجہتا ہوگا اور اسیواسطے اللہ تعالی اپنے کلام پاک مین فرماتا ہے لَن یَنَالَ اللّٰہَ لُحُومُہَا وَلَا دِمَاؤُہَا وَلٰکِن یَنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ کَذٰلِکَ سَخَّرَہَا لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ہَدٰیکُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ (نہین پہنچتا خدا کو گوشت قربانیون کا اور نہ انکا خون ولیکن پہنچتی ہے اُسکو تمہاری پرہیزگاری - اسطرح مسخر کیا تمہارے واسطے قربانیون کو تاکہ بزرگی سے یاد کرو خدا کو اس شکریہ مین کہ خدا نے تمکو راہ دکہائی اور بشارت دی نیکوکارون کو +

کسی ملک کو مذہب اسلام نے مقدس نہین ٹہیرایا بلکہ مقدس جگہ کو جو خدا کی پرستش کیلئے مقدس ہاتہون سے بنائی گئی تہی مقدس ٹہیرایا ہے - یہہ بہی ابراہیم کا طریقہ تہا اور برابر اوسکی اولاد مین چلا آتا تہا جہان وہ خانہ خدا یا مذبح بنالیتے تہے اسکو مقدس ٹہیرالیتے تہے - موسیٰ کو خدا نے کہا کہ سینا پہاڑ کے لئے حد ٹہیرا اور اُسکو مقدس کر (کتاب خروج باب ۱۹ درس ۲۳) وہ کون تہا (یعنے خدا) جس نے کہا کہ مقام مقدس مرا احترام نمائید (سفر لویان باب ۲۶ ورس ۲) اسطرح بیت المقدس کو مقدس ٹہیرایا - خانہ کعبہ کے لئے بہی جب سے وہ بنا ایک حد ٹہرائی گئی جو حرم کہلاتی ہے اور اُسکو اُس مقدس نام کے ادب کے لئے جسکے نام پر وہ پاک جگہ بنائی گئی مقدس ٹہرایا تہا +

حجر اسود :- خود حضرت ابراہیم اور اُن کی تمام اولاد مین یہ رواج تہا کہ خدا کی عبادت کی جگہ پر بطور ایک نشان کے لنبا بن گہڑا پتہر کہڑا کر لیا کرتے تہے اور اسکو مذبح یعنی قربانی گاہ اور بیت اللہ قرار دیتے تھے - اور وہان خدا کی عبادت بجا لاتے تھے اور اسکے نام پر قربانی کرتے تہے بس کعبہ

مین حجراسود کا موجود ہونا اور رسم قربانی کا برابر جاری چلا آنا اسبات کو ثابت کرتا ہے کہ اس معبد کی اصل ابراہیمؑ سے ہے۔ پہلے حجراسود کہڑا کیا تہا۔ پہر جب وہان کعبہ بنایا تو اسکے کونے مین اسکو لگادیا اُس سے مقصود اسکی پرستش نہ تہی بلکہ صرف اسلیے لگایا گیا تہا کہ کعبہ کا طواف شروع ہونے اور ختم ہونیکی نشانی ہو۔ چنانچہ کتاب اخبار مکہ صفحہ ۲۹ مین اسی کے مطابق روائت درج ہے :

کعبہ پر غلاف چڑہانا :۔ زمانہ اسلام سے قبل کعبہ پر غلاف چڑہایا جاتا تہا لیکن زمانہ اسلام مین بہی کعبہ پر غلاف چڑہائے گئے اور چڑہائے جاتے ہین اب اسلام کی رُو سے جس قدر بحث اسپر ہوسکتی ہے وہ یہہ ہے کہ یہ غلاف چڑہانا کس ارادہ سے کیا جاتا ہے کعبہ کی پرستش کیلئے یا اوسکی خوبصورتی اور آرائش کیلئے اگر پہلی نیت سے کیا جاتا ہے تو تو اسلام کے رُو سے کفر ہے۔ اور اگر دوسرے ارادے سے کیا جاتا ہے تو کچہہ مضائقہ نہین ہے آرائش کعبہ کی ایسی ہی ہے جیسے کہ ہم اور تمام مسجدون کی آرائش کرتے ہین مگر چونکہ کعبہ ایک نہائت قدیم مسجد ہے اور ایسے بانی اسلام کے ہاتہہ سے بنی ہے جس نے سب سے اوّل یہ کہا :۔ لا احب الافلین۔ اِنّیِ وَجَّھتُ وَجھِیَ لِلَّذِی فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرضَ حَنِیفاً وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِینَ۔ اس لئے اسکی قدر بمقابلہ اور مسجدون کے زیادہ کرنی ضرور ہے کیونکہ سب سے پہلے خدا کی پرستش کی نشانی ہو

الٰہی سب ترے خانہ ہین اور مخدوم تو ہی ہے ÷ عبادتخانہ کعبہ مین بہی مقصود تو ہی ہے
لبوئے قبلہ سجدہ ہے مگر مسجود تو ہی ہے ÷ خداوندا ہمین اس قصد سے مقصود تو ہی ہے

طواف کعبہ کی حقیقت کی نسبت ہمکو توریت سے ہمکو معلوم نہین ہوسکتا کہ جہان جہان بیت اللہ بنایا جاتا تہا اُس مین خدا کی عبادت کا کیا طریقہ رائج تہا۔ کس طرح پر لوگ خدا کی عبادت کرتے تھے۔ لیکن رسم طواف کو کعبے کے متعلق ہم بہت قدیم پاتے ہین۔ جبکہ قرآن مجید کا نام بہی نہ تہا۔ بس قیاس ہے کہ یہی طریقہ ایسے مذہبون مین خدا کی عبادت کا حضرت ابراہیمؑ نے رائج کیا ہوگا۔ اور جب یہ طواف بطور عبادت الٰہی کے کیا جاتا ہے تو اُس مین کوئی قباحت بہی نہین ہے کیونکہ کعبہ مین کوئی بت یا مورت رکہی ہوئی نہین ہے کہ گمان ہوسکے کہ بت پرستون کی تقلید سے اُس بت یا مورت کا طواف کیا جاتا ہے ÷

ان سب باتوں کے علاوہ اگر عرفات میں مختلف اور دور دراز ملکوں کے باشندے محض خدا کی عبادت اور اسکے احکام سننے کی خاطر جمع ہوں اور کعبہ کی پرستش انکے نزدیک کفر اور شرک ہو۔

اور اُس مین مختلف ممالک کے اہل اسلام کا تبادلہ خیالات ہو اور ایک دوسرے کو خدائے وحدہ کی پرستش پر مجتمع دیکھکر اونکی طبیعتون مین فرحت وانبساط پیدا ہو تو کیا ایسا اجتماع خلاف قانون فطرت ہوسکتا ہے ہرگز نہین بلکہ ہرسال ایسے مجمع کا ہونا ترقی تہذیب تجارت اور تبادلۂ خیالات کا نہائت عمدہ ذریعہ ہے - اب یہ ثابت کرنا کہ اسلام کے احکام نے بنی نوع انسان کے حق مین کیا کیا اور کسقدر بھلائی کی ہے مشکل نہین ہے اُسکے آثار نمایان ہین- غور کرنا ضروری ہے اور زمانہ ماقبل اسلام اور اُسکے بعد کے حالات کا اگر مقابلہ کیا جاوے تو یہ امر بدیہیات سے ہوجاتا ہے کہ اسلام نے انسان کے جان ومال وناموس کی حفاظت مین کہان تک سعی اور کوشش کی ہے اسکے واسطے ہم مولوی سید چراغ علی صاحب مرحوم کے مضمون "اسلام کی دنیوی برکتین" کا حوالہ دیتے ہین جو تہذیب الاخلاق جلد پنجم نمبر ۲ و ۳ ابتدائی صفحہ ۱۴ الغائتہ ۶۵ مین چھپا تھا اور جسکو ہم علیحدہ چھاپ کر بطور ضمیمہ اس رسالہ کے شائع کرینگے ؛

نسبت پردہ اور اثت توریث کے بعض نوتعلیمیافتون کا خیال ہے کہ پردہ سے اور تقسیم در تقسیم کے قاعدہ سے جو اسلام مین مروج ہے مسلمانون کا ادبار ہوا ہے اوسکی تردید مین ذیل کا مضمون جو مینے وکیل نمبر ۹۹ جلد ۱ مین بماہ نومبر ۱۹۰۴ء لکھا تھا بحذف زوائد ذیل مین نقل کیا جاتا ہے جس سے اِن دونون مسئلون پر کافی روشنی پڑیگی - پردہ کے بارہ مین ہم گوزن کی معاشرت کی دیباچہ اور المرأة المسلمة کا حوالہ دیا جاتا ہے کیونکہ اُن مین اوس کے ہر پہلو پر نہائت دانشمندانہ بحث درج ہے - وَهُوَ هٰذَا

اسلام کے دو سیدھے سادھے اصول ہین - ایک لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اور دوسرا مُحمّد رسُول اللّٰہ - اول اصول سے یہ مراد ہے کہ ہم خالق کائنات کی ہستی کا یقین اور اقرار کرین اور اُسکی ذات وصفات وعبادت مین کسی دوسرے کو شریک نہ کرین - دوسرے اصول سے مراد ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منجانب اللہ سچا ہادی نبی برحق اور خاتم النبیین یقین کرین اور جو کچھ من حیث الدین اُس رسول پاک نے ہمکو تعلیم کیا ہے اسکو کامل اور ہر ایک نقص سے مبرا سمجھین اور اُسی کی تقلید کو دینی امور مین فرض اور واجب جانین نہ زید وعمر کی تقلید کو - ورنہ جس طرح یہ شرک فی الالوہیت اسلام سے خارج کر دیتا ہے اسی طرح شرک فی النبوت بھی اسلام سے کوسون دور ڈالدیتا ہے جو شخص ان دونون اصولوں کی دل سے تصدیق کرتا ہو وہ بلاشبہ مسلمان اور مومن ہے اسکو کوئی اور

اور فعل گو کیسا ہی قبیح ہو اسلام کے دائرہ سے نہین نکالتا یہ یقینیات مین سے ہے - کہ جو تعلیم آنحضرت کافۃ الناس کی ہدائت کیواسطے منجانب اللہ لئے ہین وہ بین الدفتین ہماری پاس موجود ہے وہ مکمل ہے ناقص نہین - نہ اُس مین ایک حرف زیادہ ہُوا اور نہ ایک حرف کم -
اِس چودہوین صدی مین بھی وہ ایسی ہی ہے جیسی کہ وہ ابتدا مین تھی اور اسی تعلیم کی نسبت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ فرمایا ہے اسکے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبانی تعلیم بھی دیتے تھے - جسکا مجموعہ عہد مبارک مین مدون نہین ہُوا تھا لیکن بزرگان دین نے اُسکو جا بجا سے فراہم کیا اور غلط سے صحیح کو اور کھوٹے سے کھرے کو تمیز کر کے ایک ایسا مجموعہ چھوڑا جسپر ہماری معاش اور معاد کا بہت کچھ دارومدار ہے لیکن یہ مجموعہ اُس رتبہ اور پایہ کا نہین ہے جسکا ذکر پہلے ہُوا اور جو زمانہ کی دستبرد سے ہر طرح محفوظ ہے - ہان بلاشبہ جب کسی تعلیم کی نسبت جو اس دوسرے مجموعہ مین ہے یہ ثابت ہو جاوے کہ یہ تعلیم رسُول کریم کی من حیث الدین ہے - اور یقین کے مرتبہ کو پہنچ جاوے تو اسکا انکار بلاشبہ کفر کے درجہ تک گیا بلکہ عین کفر ہے - لیکن یہ مجموعہ تعلیم جو بین الدفتین موجود ہے اسکو اگر غور اور تدبر سے پڑھا جاوے تو یہ دریافت ہوتا ہے کہ یہ اصلی اور صحیح مذہبی عقائد کا دل پر نقش کرنیوالا اور عام اخلاقی اصُول کا تعلیم دینے والا ہے جسکے ضمن مین دختر کشی انسانی قربانی بُت پرستی اوہام پرستی کثرت ازدواج حرمون اور کنیزون کو بطور مدخولہ رکھنا - بلا قید طلاق دینا - عورتون کو ذلیل و حقیر سمجھنا - اُن کو وراثت مین حصہ نہ دینا - شراب خواری جوا وغیرہ وغیرہ داخل ہین - قرآن شریف کوئی مجموعہ پولٹیکل سوشیل سول اور کرمنیل قوانین کا نہین ہے جو ہر ایک ملک کے باشندون کے لئے وضع کیا گیا ہو - بلاشبہ اُس مین ایسے اُمور کی صلاح کے قواعد درج ہین جو نہائت خراب ہو گئے تھے اور جنکی اصلاح فوراً ضروری تھی اور جو اگر قرآن شریف انکی فوراً اصلاح نہ کرتا تو اُن کی پھیل پڑنے والی بُرائیون کا کوئی چارہ نہ ہوتا مثلاً دختر کشی - انسانی قربانی - کثرت ازدواج - غلامی - حرمون اور لونڈیون کو مدخولہ بنانا - جوا شراب خواری وغیرہ وغیرہ +

قرآن کریم نے جو جو خرابیان تھین انکی اصلاح کی اور ایسے طور پر کی کہ کسی بڑے سے بڑے مقنن اور شاہنشاہ سے بھی اُن کا قلع قمع اس طرح پر نہین ہو سکا جسطرح پر قرآن کریم کے چھوٹے سے

چہوٹے جملے سے ہُوا اور ایسی قواعد اُس کلام پاک مین درج ہین کہ سوائے اسکے جو انسانی فطرت کا خالق ہے اور کسی انسان سے اسکے برابر نہین بن سکتے ۔ قرآن شریف کی چہہ ہزار آیتون مین آیات احکام تقریباً ۲۰۰ ہین ۔ جو سول ۔ کرمنیل ۔ پولیٹکل اور ڈیووشنل قانون کی بنا ہین لیکن ان قوانین کی جزئیات پر اور اُن امور سے جو اُن سے متعلق ہین صریح قواعد منضبط نہین ہین بلکہ یہ امور فقہا نے قیاس (اجتہاد) سے اور اس عہد کے رسم و رواج اور احادیث نبوی سے بکمال سعی و تلاش منضبط کئے ہین ۔ اگر قرآن کریم سے علاوہ عقائد مذہبی اور تکمیل اخلاقی اصول کے انسانون کیلئے مجموعہ سول ۔ کرمنل ۔ پولیٹیکل قوانین کا دیا جانا مقصود ہوتا تو ضرور ہر ایک امر کا مفصل قواعد اور ضابطہ ہر ایک امر کا درج ہوتا ۔ اہل اسلام کی فقہ کی جو ان کا سول ۔ کرمنل اور پولیٹکل قانون ہے تین ماخذ ہین ۔ اول یہی آیات احکام جو قریب دو سو کے ہین ۔ دوم احادیث نبوی ۔ سوم اجماع فقہا رحمۃ اللہ علیہم نے ہر زمانہ کی ضروریات کو مد نظر رکہکر فقہ کی ترتیب کی ۔ چنانچہ ممالک اسلام مین اب تک رائج ہے ۔ اسلام مین سب سے بڑے چار امام فقہ کے ہوئے ہین جنکے فقہی مسائل پر کوئی نہ کوئی گروہ امت کا عمل کرتا ہے ۔

امام ابو حنیفہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۵۰ھ مین فوت ہوئے اُن کے تابعین ہندوستان ۔ کابل ۔ بلخ ۔ بخارا ۔ ترکستان اور روم و شام مین ہین ۔ امام مالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۷۹ھ مین فوت ہوئے ان کے پیرو عرب مصر اور افریقہ مین ہین ۔ امام شافعی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۲۰۴ھ مین فوت ہوئے اور امام احمد حنبل صاحب ۲۴۱ھ مین فوت ہوئے ۔ ان کے سوا ان سے پہلے اور پیچھے بہت سے فقیہ گذرے ہین جنکی فقہ کی بنا یہی انہی تینون اصولون پر تہی ۔ لیکن اسکا رواج عام طور پر نہین ہُوا ۔ امام ابو حنیفہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف اٹھارہ صحیح حدیثین ہین جن سے اُنہون نے اپنی فقہ مین استفادہ کیا ۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ رواج مدینہ پر مبنی تھی ۔ اُنہون نے اپنی فقہ مین تین سو حدیثون سے استفادہ کیا ۔ امام شافعی صاحب علیہ الرحمۃ نے امام ابو حنیفہ صاحب اور امام مالک صاحب کی فقہ کی بنا پر اپنی فقہ تعمیر کی اور فقہ کے اصول پر ایک مبسوط کتاب جسکا نام اصول ہے تحریر فرمائی ۔ امام احمد حنبل صاحب علیہ الرحمۃ نے فقہ کی بنیاد اُن مشہور احادیث نبوی پر جو اُن کے زمانہ مین رائج تہین ڈالی ۔ غرضکہ فقہا رحمہم اللہ نے بڑی عرقریزی اور بکمال سعی سے

مسلمانوں کی روزافزوں تعداد اور وسعت سلطنت اور دیگر امور کو مدنظر رکھکر اور ہر زمانہ کی مصلحتوں کا خیال کرکے فقہ کی تدوین کی۔ لیکن یہ فقہ خواہ کسی امام سے منسوب ہو ایسی نہین ہے کہ مثل قرآن شریف کے سہو وخطا سے مُبرا ہو گو فقہا نے نہایت نیک نیتی سے اسکو لکھا ہے۔ لیکن پھر بھی انسانی ہے اور چونکہ وحی سے نہین لکھی گئی۔ اسلئے محفوظ عن الخطا نہین ہے +

...... نے اپنے لیکچر دیتے وقت شائد اس امر پر غور نہین فرمایا کہ مذہب اور علوم کی دو علیحدہ علیحدہ سلطنتین ہین اور اُن مین ایک ایسی حد فاصل ہے کہ نہ مذہب اُس حد سے پار ہو سکتا ہے اور نہ علم۔ یہ حد فاصل یہ ہے جہان تک حواس کی رسائی ہو سکتی ہے وہ حد علم کی سلطنت کی ہے۔ اُس مین علم جہان تک بلند پروازی کر سکتا ہے کرے۔ زمین کو متحرک قرار دے یا آفتاب کو ساکن۔ آسمان کو صرف حد نظر قرار دے یا اُن کا کوئی جسم۔ ریل ٹیلیگراف۔ فونوگراف۔ دخانی کلین جو چاہے ایجاد کرے۔ مذہب کا اُسمین کوئی دخل نہین ہے یہ اُسکی اپنے علم کی جورزڈکشن ہے۔ لیکن حواس سے بالاتر جو عالم ہے اُس مین مذہب کی حکومت ہے۔ وہان پر اگر علم دخل دیگا تو مذہب اسکو وہان سے فوراً نکالدیگا۔ پس ہمیشہ اس امر کا خیال رکھنا چاہیے کہ مذہب کی جورزڈکشن سے جتنے امور متعلق ہین اُن مین صرف مذہب کا فتوی درست ہوگا۔ اُسمین علم کا اختیار نہین کہ ذرا سا بھی تصرف کرے۔ اسی طرح علم کی جورزڈکشن مین مذہب سے فتوی پوچھنا ضروری نہین اور نہ مذہب اُس مین فتوی دیگا بلکہ اگر ایک دوسرے کے جورزڈکشن مین مداخلت کریگا تو علم اور مذہب کے درمیان جنگ ناگزیر ہے اسواسطے ہر ایک دُور اندیش شخص اس امر کا التزام رکھتا ہے۔ اور خواہ مخواہ مذہب اور علم کو جھگڑا نہین دیتا۔ پس اگر صاحب موصوف اس امر کو مدنظر رکھکر مذہب اسلام کی نسبت کچھ کہتے تو ہرگز قابل افسوس نہ تھا مگر انہون نے اسکا کچھ خیال نہ کرکے ایسی باتین کین جنکے سبب مذہب کے اختیارات مین خواہ مخواہ علم کو لا دھکیلا۔ بھائی صاحب! روزہ۔ نماز قربانی۔ تلاوت قرآن مجید یہ سب احکام مذہبی ہین۔ اُس نے اپنے اختیارات کی رو سے ان کو فرض کیا۔ ان کی نسبت عقل اور حواس سے جو علم کے آلہ ہین استفتاد کرنا غلط ہے اُن کے حُسن و قبح کا سوال صرف مذہب سے ہو سکتا ہے اُسی کیطرف رجوع کرنا تھا اُس مین آپ کی اور سب انسانون کی عقل دخل نہین دے سکتی۔ یہ مذہب کی جورزڈکشن مین ہے اگر مذہب کی طرف رجوع کرتے اور مذہب

اُن کو اُن کے چھوڑنے کی صلاح دیتا۔ تو بلاشبہ وہ ایسا کرنے کے مجاز ہوتے یہ امور علم اور عقل کے فتوے سے جائز اور ناجائز قرار نہین پاسکتے +

آپ کا یہ فرمانا کہ زمانہ کے لوگون کی اخلاقی حالت ترقی کر گئی ہے اسلیئے یہ امور جو مذہب نے فرض کئی تھے۔ کیون بے اثر نہ سمجھے جاوین محض غلط ہے آپنے اخلاق ترقی و تنزل کا کوئی معیار قرار نہین دیا جس سے قیاس کیا جاوے کہ واقعی اخلاقی حالت تنزل پر ہے یا ترقی پر۔ اگر اُن کے خیال مین لنڈن اور پیرس کی معاشرت اور اخلاقی حالت معیار ہے تو سرے سے مذہب کی سلطنت سے نکلجانا چاہیئے اور مذہب کو الوداع کہنا چاہیئے۔ ایسی حالت مین مذہب کی جزئیات پر بحث کرنا محض فضول ہے۔ آنریبل صاحب نے اسپر بھی شائد غور نہین کیا کہ مختلف اقوام مین ابتک کوئی ایک معیار اخلاق کا قائم نہین ہوسکا مُسلمان کے خیال مین اُسکی عورت کا نیم برہنہ باریک لباس مین ایک شخص کیساتھہ رات بھر بال مین ناچنا از حد بیغیرتی اور بیشرمی کی بات ہے اُسکے برخلاف ایک انگریز یا فرنچ جنٹلمین کے نزدیک اسمین کوئی قباحت نہین ہے۔ بلکہ ملنساری اور تواضع کا نہائت شائستہ طریقہ ہے۔

ببین تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

پردۂ نسوان قرآن مین ایک اخلاقی اور سوشیل حکم ہے اسپر بہت بحث ہوچکی ہے اگر مخالفین پردہ اسکو پسند نہین کرتے۔ اچھا جانے دین۔ مگر پہلے اپنے گہر سے بے پردگی شروع فرماوین اور خود تجربہ کرین اور لوگون کو دکھلاوین کہ اس مین کوئی قباحت نہین۔ پہر تقلیداً انکی دیکھا دیکھی اکثر اصحاب اپنی مستورات کو بے پردہ کرنا شروع کر دینگے اور اُنکی تقلید کرنے لگینگے علاوہ بران ہندوستان کے مسلمانون مین اب بہی ایسی قومین ہین جو پردہ کو لازمی نہین سمجھتین اُن کی عورات برسر بازار ترتر کاری بیچتی ہین۔ پس اگر آنریبل صاحب اس پردہ کو اچھا نہین سمجھتے تو چلو اُن کے ہمخیال اور مسلمان بہی ہین وہ اُنہی مین ترقی کی بنیاد ڈالین یہ پردہ دار قومین خود رشک کہاوینگی اور بتدریج جیون جیون تہذیب بڑھتی جائیگی وہ بے پردہ ہو کر آپ کیساتھہ شامل ہونے جاوینگی +

بعض اصحاب کا مسئلہ توریث پر اعتراض کرنا اور اسکو منجملہ اسباب تنزل و تنگدستی مسلمانان اور اُسکو انکی سلطنت کے انتزاع کا باعث سمجھنا نہائت ناقابل التفات ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوارون نے قرآن مجید کی آیات توریث پر غور نہین فرمایا۔ قرآن مجید کو اُنہا کر خود کبھی نہین پڑھا۔

ورنہ یہ اعتراض وہ خود ہی نہ کرتے۔ شاید سُننے سُنانے اُنہون نے ایسا لکھدیا ہے قرآن شریف مین آیات توریث (من بعد وصیۃ یوصی بہا او دین) کی قید سے مقید ہین۔ قرآن شریف کی رُو سے اگر کوئی شخص بلا وصیت مرجائے تو اسصورت مین بلاشُبہ جائداد تقسیم ہوگی۔ لیکن اُس طریقہ پر نہین جو کسی انسان نے بلا وقوف فطرت انسانی کے تجویز کیا ہو۔ بلکہ اُس طریقہ پر جسکو فطرت انسانی کے خالق نے تجویز فرمایا ہے اور جسکے برابر یا اُس سے بہتر اور کوئی طریقہ روئے زمین پر ابتک تجویز نہین ہوا۔ اوّل تو ہر شخص اسلام کی رُو سے اپنی ہر طرح جائداد مکسوبہ کا اور اُس کا جو وراثت کے طور پر اُس کو حاصل ہوئی ہو اخیر دم تک مالک ہے۔ اُس کو ہر طرح اختیار رہے کہ جس وقت جس طرح پر چاہے اُس مین تصرف کرے۔ اپنے فائدے اپنے عیال کے فائدے اپنے دوستون کے فائدے کے لئے اسمین کوئی امر مزاحم نہین ہے اگر وہ اپنی خوشی اور مصلحت اس مین دیکھتا ہے کہ اُس جائداد کو تقسیم در تقسیم سے محفوظ رکھے تو اسکو اپنے اہل و عیال پر وقف کرکے کسی کو متولی مقرر کرے اور جن جن اشخاص کے حق مین وقف کریگا وہ اُس سے اپنا معینہ مقدار لیتے رہینگے اور وہ جائداد ہمیشہ کیلئے بیع۔ ہبہ و دیگر قسم کے انتقالات سے محفوظ رہیگی اگر وہ چاہے تو بذریعہ ہبہ یا وصیت کے اپنی جائداد کو کسی ایک یا زیادہ وارثون یا اجنبیون کے حق مین ہبہ یا وصیت کرکے اپنے دل کو خوش کرے۔ ایسا نہین ہے کہ اس آیت توریث نے اسکو جکڑ بند کر دیا ہے کہ ہل ہلا نہین سکتا ہان اگر کوئی شخص آخری دم تک بھی ان حقوق سے متمتع ہونا نہین چاہتا اور جائداد کو بلا انتظام چھوڑ جاتا ہے تو پھر بلاشُبہ اسمین توریث جاری ہوگی اور وہ بھی ایسے طریقے پر جو انصافاً اور فطرتاً انسانون کے فائدہ پر مبنی ہے اور جو اُس مرنے والے کی رُوح کو بھی خوش کریگی۔ مجکو سوائے اسلام کے اور کسی مذہب کا اسکی برابر یا اُس سے بہتر اور کوئی قاعدہ معلوم نہین۔ اگر قاضی صاحب یا اُن کے ہمخیال اصحاب کوئی ایسا قاعدہ تجویز فرماوین جو انصافاً اور فطرتاً صاحب جائداد کے یا اُسکے ورثا کے حق مین زیادہ تر مفید ہو تو اُسکو شائع کردین تاکہ معرض بحث مین آکر اسکا حُسن و قبح معلوم ہوسکے۔

ہندوون مین دھرمشاستر کے بموجب اگر کوئی شخص صاحب جائداد لاولد ہو یا اولاد ذرینہ نہ رکھتا ہو لیکن اُسکی لڑکیان ہون تو باوجودیکہ اُسکا طبعی میلان ہے کہ اوسکی جائداد لڑکیون کو ملے یا ایسے اشخاص کو ملے جنکو اس کا دل چاہتا ہے مگر وہ دھرمشاستر اور رواج سے مجبور ہے ایسا نہین کر سکتا وہ اوسکی

وارثان بازگشت کو اُسکی وفات کے بعد ملیگی گو وہ سب کے سب اُسکے اور اُسکی عورت کی اُسکی زندگی مین جانی دشمن تھے اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی دیوانی عدالتون مین اس قسم کے مقدمات کا ہجوم رہتا ہے صاحب جائداد جسکے اولاد نرینہ نہو طرح طرح کے بہانہ کرکے چاہتا ہے کہ اُس جائداد کو کسی طرح اپنی لڑکی کو پہنچا دے۔ مگر لاچار ہے قانون اُسکو نہین کرنے دیتا۔ کبھی وہ جائداد غیر منقولہ کے اونے پونے کرکے نقد روپیہ حاصل کرکے اپنی لڑکی کو دیتا ہے مگر وارثان بازگشت جھٹ اُسکے اور خریدار جائداد کے برخلاف دعوی دائر کرتے ہین کہ بالع لاولد ہے اُسکو بلاضرورت قانونی جائداد کے بیع و رہن کا اختیار نہین ہے۔ کبھی وہ بیٹی کے لڑکے کو متبنّی بناتا ہے کہ اس حیلہ سے جائداد اپنی لڑکی کو پہنچا دے۔ مگر وارثان بازگشت جھٹ دیوانی دعوی کرکے اُس تبنیت کو اس بناء پر منسوخ کرا دیتے ہین کہ دہرم شاستر کے بموجب اُسکو دوسری گوت سے متبنّے کرنے کی اجازت نہین۔ لیکن اس پر بھی یہی قانون ایسا ہے کہ تیرہ سو برس زیادہ سے اسپر عملدرآمد ہو رہا ہے اور کبھی کوئی شکائت محسوس نہین ہوئی کہ اس مین یہ قباحت ہے۔ عیسائیون مین تقسیم وراثت کا اپنا کوئی قاعدہ نہین ہے موسوی شریعت کی رُو سے اونمین کچھہ نہ کچھہ قاعدہ ضرور بنجاتا۔ مگر انہون نے وصیت کے مسئلہ کو لیکر سب قصہ ہی پاک کر دیا۔ جو اپنی زندگی مین وصیت کی اور تقسیم جائداد سے فراغت پائی +

سب سے بڑے بیٹے کو کل جائداد کا مالک قرار دینا۔ نہ انصافاً درست ہے اور نہ فطرتاً۔ کیونکہ انسانی فطرت اگر ایک ہی نہج پر واقع ہوتی اور ہمیشہ سب کے سب نیک طینت اور رحیم مزاج ہوتے توشائد جائداد کی تقسیم کا کوئی قاعدہ ہی مقرر نہوتا۔ کیونکہ ہر ایک شخص رحمدل فطرتاً باقی ورثا کیساتھہ کبھی بھی بدسلوکی نہ کرتا اور نہ انکو مفلسی کی حالت مین دیکھہ سکتا لیکن چونکہ معاملہ برعکس ہے اسلئے اس امر کی کیا کفالت ہوسکتی ہے کہ جسکو مالک جائداد قرار دیا گیا ہے وہ اپنے دیگر بھائیون بہنون سے ہمیشہ سوائے نیک سلوک کے برابر برتاؤ نہین کریگا۔ اس سے وقف علی العیال کا مسئلہ جو اسلام مین ہے بدرجہا بہتر اور نہائت انسب ہے۔ اسمین صاحب جائداد اپنے ورثا مین سے کسی لائق ترین اشخاص کو ولی مقرر کرکے اسکی آمدنی کو ورثا مین تقسیم کرنے کا ضابطہ حسب پسند خود مقرر کرسکتا ہے اور اسطرح پر جائداد کو دوامی اور عارضی انتقال سے بچا سکتا ہے کسی ولی کی بے احتیاطی یا بدچلنی سے جائداد

موقوفہ ضائع نہین ہوسکتی۔ اور نہ اسکے باقی ورثا، آمدنی سے محروم رہ سکتے ہین لیکن اگر سب سے بڑا بیٹا کسی جائداد کا مالک قرار دیا جاوے تو اس امر کی کیا کفالت ہے کہ وہ اُسے بدچلنی مین ضائع نہ کر دیگا اور اسوقت بیچارے دیگر ورثا، اپنے گذارہ کا بار کفالت اُس جائداد پر ڈالنے مین مدتون عدالتون کے دروازون کی خاک چھانتے پھرینگے ؛

جن اصحاب کا یہ خیال ہے کہ اسلام فقط ایک بیوی کا پابند کرتا ہے یہ بالکل صحیح ہے لیکن اسکے ساتھہ ہی ایک مفہوم اجازت سخت قید کیساتھہ دوسری شادی کرنیکی بھی اشد ضرورت مین موجود ہے۔ اگر کوئی صاحب اُس اجازت سے استفادہ نہ کرنا چاہے تو کوئی مُسلمان اور نہ نفس اسلام اُن کو اس امر پر مجبور کرتا ہے کہ خواہ مخواہ وہ دوسری بیوی کرین اگر وہ اس عقیدہ پر قائم ہین اور اس اجازت سے استفادہ کرنا نہین چاہتے تو چشم ما روشن دل ماشاد! مبارک!! نہ کرین۔ لیکن اسلام نے کسی خاص شخص کی معاشرت کے لئے یہ قواعد نہین بنائے۔ بلکہ جیسا اسلام عام ہے ویسے ہی اُسکے قواعد معاشرت بھی عام ہین۔ مسٹر سجاد حیدر سے باادب دریافت کیا جاتا ہے کہ اگر ایک شخص کو ایسی بیوی پلّے پڑے جو بانجھہ ہے یا جسکو رحم کی ایسی بیماری ہے کہ وہ فرائض مناکحت کو پورا نہین کرسکتی۔ تو اسکا خاوند ایسی حالت مین کیا کرے کسطرح اپنی فطری خواہش حصول اولاد کو پورا کرے جس سے اُس پابندی (ایک بیوی) مین فرق نہ آوے کہان اسلام مین یہ اجازت ہے کہ جب چاہے مرد اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔ طلاق کے جو قواعد اسلام مین ہین وہ دُنیا کی دیگر شرائع سے زن و مرد دونون کے حق مین بدرجہا بہتر اور مفید ہین نہ اُن پر انصافاً گرفت ہوسکتی ہے اور نہ طبعاً بلکہ انکی عدم موجودگی مین زن و مرد کی زندگی تلخ ہو جاتی۔ اور جو غرض مناکحت کی تھی وہ تو درکنار زن و مرد کی زندگی ہمیشہ معرض خطر مین رہتی۔ یہ صرف اسلام اور اسلام کی خوبی ہے کہ ایسے منصفانہ قواعد بنی نوع انسان کے لئے تجویز فرمائے۔ جن پر عمل کرنے سے انسانی معاشرت اعلیٰ درجہ کی شائستگی پر پہنچگئی ہے کیا دنیا مین اور بالخصوص یورپ مین یہ روزانہ خودکشیان جو ہورہی ہین اور ہوتی رہینگی اُن کے اسباب سوائے اسکے کچھہ اور ہین؟ کہ عورت اور خاوند مین ناچاقی ہے اور کسی صورت مین علیحدگی کی سہل تدابیر جو دونون کے حق مین یکسان ہون موجود نہین ہین۔ اگر ہم اس عقیدہ پر راسخ ہین کہ عورت کو کسی حالت مین بھی طلاق دینا جائز نہین ہے تو ہم اسکے برخلاف

اصرار نہین کرتے لیکن استادریافت کرنا چاہتے ہین کہ اگر کسی شخص کو ایک نمائت بدزبان بدچلن بیوی ملنے سے اسکی زندگی تلخ ہورہی ہے اور کسی طرح پر بھی وہ اغراض مناکحت کو ایسی بیوی سے حاصل نہین کرسکتا تو ایسے شخص کیلئے کیا چارہ ہے؟ کیونکروہ عذاب الیم سے نجات حاصل کرے - کیا بذریعہ جوڈیشل علیحدگی کے اپنی کمائی کا نصف اسکو دیکر اسکو خودمختار کردے تاکہ جو اسکا جی چاہے کرتی پھرے - اور اسکی چھاتی پر مونگ دلا کرے - اگر یہی چارہ ہے تو بس خدا کو سپرد ۔

سید دلاور حسین صاحب یا اُن کے ہمخیال کوئی صاحب اگر فقہی مسائل کی نسبت جو قرآنی نص صریح پر مبنی نہین ہین بلکہ قیاس اور رائے اور اجتہاد علمار پر مبنی ہین یا ایسی احادیث احاد پر مبنی ہین - جنکی صحت کا مدار صرف سلسلہ روائت پر ہے اور درایۃً ان کی تنقیح نہین کی گئی - کسی قسم کی ترمیم یا تبدیلی کے مدعی ہوتے یا اُن پر کچھ اعتراض کرتے تو بلاشبہ وہ اسلام کے زمرہ سے خارج نہین ہوسکتے کیونکہ اُن کا اعتراض ایسی حالت مین نفس اسلام پر نہ ہوتا - بلکہ علمار و فقہائے اسلام کی رائے اور اجتہاد پر ہوتا اور اسمین اُن کو اختیار تہا کہ اپنے لئے جونسا طریقہ چاہتے پسند کرتے - لیکن باقی مسلمانون پر انکی تقلید لازمی نہین ہوسکتی - مگر یہان تو وہ مسائل اُن کے اعتراضون کی زد مین آئے ہین جنکے لئے قرآن شریف مین نصوص موجود ہین انکا یہ فرمانا کہ سرسید مرحوم اور سید امیر علی صاحب نے اسلام کے چہرہ سے بدنما دھبے دور کرنے کی غرض سے بہت پُرزور رسالے لکھے ہین مگر واقعات واقعات ہین - اُن کی اصلیت چھپانے سے چھپ نہین سکتی افسوس ہے کہ صاحب موصوف "چہ دلاورست دُزدے کہ بکف چراغ دارد" کے مصداق ہین سرسید مرحوم یا سید امیر علی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے یہ لکھا ہے کہ اسلام کے خوشنما چہرے پر کوئی داغ دھبہ نہین ہے یہ صرف زید و عمرو کی بینائی کا فتور ہے - کہ انکو اسلام پر داغ یا دھبے نظر آتے ہین اور خود اُن کے اپنے دھبون کا عکس ہے جو انکو دکھائی دیتا ہے - ہم بھی اسی جملہ کو دوہراتے ہین کہ واقعات واقعات ہین آپکے کہنے سے وہ غلط نہین ہوسکتے - مسلمانون کے تنزل مفلسی اور قلاشی یا اُن کی سلطنت کے زائل ہوجانے کے اسباب مین یہ مسائل ہرگز دخیل نہین ہین کیونکہ تعدد ازواج - اختیار طلاق قانون وراثت آج کا نہین ہے جب سے اسلام ہے تب ہی سے یہ قوانین بھی ہین اور تب ہی سے اُن پر عملدرآمد ہوتا چلا آیا ہے اگر ان مسائل کی موجودگی سے تنزل ہوتا تو مسلمان نہ کبھی زمانۂ جاہلیت

کی لیستی سے نکلکر اور حضیض ادبار مین گرجاتے - جہان سے تاقیامت بہی انکو مخلصی نصیب نہ ہوتی - برخلاف اس کے اسی قرآن مجید کو اور انہی مسائل کی تلقین کو ہاتہ مین لے کر عرب سے نکلے اور اسوقت کے رُبع مسکون پر قابض و متصرف ہوگئے اور ایسی باعظمت وجلال سلطنت کے قائم کرنے پر قادر ہوئے جو نہ اُن سے پہلے اور نہ اُن کے بعد کسی نے قائم کی - اُن کے کھنڈرات پر اس چودہوین صدی مین بہی بڑے بڑے شہنشاہون کی حیرتناک نگاہین پڑتی ہین اور حسد کے مارے جلی بُھنی جاتی ہین - ہان یہ کہنا بلاشبہ صحیح ہے کہ جب سے مسلمانون نے قرآن کریم سے چشم پوشی کی ہے اور اپنے ہر کام مین اُسکو راہنما بنانا ترک کردیا ہے تب سے دولت و اقبال نے اُن سے منہہ موڑ لیا ہے اور حضیض ادبار مین گرگئے ہین جہان سے اُن کے نکلنے کی صرف اُسی صورت مین توقع ہوسکتی ہے جب وہ پہر قرآن کریم کی ہدایات پر عمل کرین اور اُسی کو ہر کام مین اپنا راہنما ٹھہراوین اور اُسی کو اپنی تہذیب کا کوڑ سمجہین + وَالسَّلَام عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی +

اکثر انگریز مصنفون اور پادریون کا یہ خیال ہے کہ اسلام بذاتہ ایسا سخت اور ناقابل التبدیل ہے کہ اسکے سیاسی اور معاشرتی قوانین اس قسم کے احکام پر مبنی ہین جنمین نہ کچہہ زیادتی ہوسکتی ہے نہ کمی - نہ انمین کسی قسم کی ترمیم ہوسکتی ہے نہ تبدیل اور اسلئے وہ ایسا مذہب ہو جو اس ترقی یافتہ زمانہ کے حالات کے بالکل مطابق نہین ہے - غرضکہ ان کے نزدیک اسلام کا سیاسی اور معاشرتی نظم ونسق براہ راست خدائی احکام کے ماتحت ہے اور اسلئے اسلامی قانون قابل ترمیم وتبدیل نہین ہے اور اسی لئے اس ترقی یافتہ زمانہ کے حالات کے مطابق نہین ہو یہ اعتراض سچا نے خود غلط ہے کیونکہ اس اعتراض کی بنا اسبات پر ہے کہ فقہ کے چارون امامون کے بعد کوئی مجتہد نہین ہُوا جو ایسا اجتہاد کرتا جیسا کہ پہلے فقہا نے کیا تہا اگر حالات ایسے پیدا ہوجائین جو مقتضی اس امر کے ہون کہ کسی جدید پیدا شدہ امر پر فیصلہ کیا جاوے تو وہ فیصلہ بالکل اُس مذہب کے مطابق ہونا چاہئیے جس مذہب کا وہ مفتی پابند ہو یعنی اجتہاد ختم ہوچکا ہے اور اب کوئی مجتہد پیدا نہین ہوسکتا +

بلاشبہ ایسا یقین رکھنا کہ اب اجتہاد ختم ہوچکا ہے اور نئی پیدا شدہ حالات پر مبنی اور نہین

چارون امامون کی فقہ کے مطابق خواہ اُن مین اس نئے پیدا شدہ امر کا کچھہ حوالہ یا لحاظ نہو- فیصلہ ہونا چاہئے - قرار واقعی ہر قسم کی تبدیلی کے لئے سد راہ ہے لیکن ایسا غلط یقین رکھنے کی کوئی سند نہین ہے اور نہ ایسا یقین رکھنے کیلئے عام مسلمان پابند ہین اول تو بانیان مذاہب اربعہ نے اپنے فتاوی اور فیصلون کی نسبت ایسا دعوی نہین کیا کہ وہ قطعی ہین اور نہ وہ ایسا کرنیکی جرأت کر سکتے تھے - وہ ایسی باتون سے بہت دُور تھے کہ اپنے اجتہادات اور اقتباسات یا اپنے فیصلون کو اپنی ہم عصرون یا آئندہ آنیوالی نسلون پر قابل تقلید خیال کرتے - پہر ایسے حالات مین جبکہ اسلامی سلطنت دُور دُور پھیل رہی تھی اور نئے نئے اور جدید حالات پیش آرہی تھی وہ کیونکر ایسا خیال کرتے کہ وہ فقہ جو صرف معلومہ حالات پر قیاس کرکے اونہون نے تدوین کی تھی - اس قابل ہوسکیگی کہ آئندہ آنے والی نسلون پر یا اون دور دراز ملکون مین جہان کی آب وہوا طرز معاشرت اور رسم و رواج اونکی اپنے ملکون سے جداگانہ تھی انکی فقہ جو صرف مقامی تھی قابل تقلید ہوگی ٭

ثانیاً کوئی مجتہد یا محدث فقہ کے چارون امامون مین سے کسی کو ایسا بلند درجہ نہین دیتا- جسکے رُوسے اُسکے قیاسی اور اجتہادی مسائل کا یہ رتبہ ہو کہ وہ ہر زمانے مین اور ہر ملک مین خواہ حالات اور حیثیات کیسی ہی تبدیل ہو جاوین ہر طرح پر قابل تقلید ہون ٭

مقلدین کا صرف یہ اعتقاد ہے کہ چارون امامون کے بعد کوئی ایسا مجتہد نہین ہوا جو ایسا مذہب جاری کرتا جو ہر زمانے اور ہر ملک اور حیثیات کے مطابق انہین اصولون اور قیاسون پر جو چارون امامون نے کیا تہا ہوتا اس لئے وہ ان چارون امامون کی تقلید پر مجبور ہین اور کسی اور شخص کی تقلید سوائے ان امامون کے جائز نہین جانتے لیکن یہ اونکی غلطی اور ضد ہے ٭

مولوی عبد العلی صاحب بحر العلوم اپنی شرح مسلم الثبوت مین جسکا نام فواتح الرحمت ہے مسلمانون کی فقہ کے اصول پر حسب ذیل تحریر فرماتے ہین ٭

"بعض شخص خیال کرتے ہین کہ اجتہاد فی المذاہب علامہ نسفی کے مرنیکے بعد بند ہوگیا ہے اور اجتہاد مطلق چارون امامون کی وفات کے بعد منقطع ہوچکا ہے یہ اشخاص یہانتک پہنچ گئے ہین کہ اونہون نے تقلید کسی امام کی ان چارون مین سے مسلمانون پر واجب کردی ہے یہ اُن کے بہت سے بیہودہ

اور احمقانہ خیالات مین سے ایک ہے - جسکی کوئی سند نہین ہے ہمکو اُن کے اس کہنے پر مطلق توجہ اور لحاظ کرنا نہ چاہیئے یہ لوگ اُن اشخاص مین سے ہین جنکے حق مین پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث صادق آتی ہے کہ جو لوگ بغیر علم کے فتوی دیتے ہین وہ خود بہی گمراہ ہوتے ہین اور اورون کو بھی گمراہ کرتے ہین ۰

ان اشخاص نے یہ نہین سمجہا کہ اونکا ایسا کرنا غیب دانی کا ادعا ہے جسکو سوائے خدا کے اور کوئی نہین جانتا جیسا کہ اللہ تعالی نے سورہ ۴۳ کی آیت مین فرمایا ہے کہ ما تدری نفس ماذا تکسب غداً کہ کوئی شخص نہین جانتا کہ کل کیا ہوگا ۰

چارون فقہی مذاہب کے شخصیات سے جواب جاری ہین معلوم ہوتا ہے کہ اُن سے کبہی یہ مقصود نہین تہا کہ انکو قطعی اور الٰہی یقین کیا جاوے ۰

امام ابو حنیفہ صاحب علیہ الرحمۃ نے فقہی مسائل کے استنباط مین تقریباً احادیث نبوی سے استفادہ نہین کیا اُنہون نے صرف اٹھارہ حدیثون کو اپنی فقہ مین قابل اسناد مانا ہے آپکی فقہ کی بنا کلیتاً رائے اور قیاس پر ہے ان دونون اصولون کو مدنظر رکہکر اونہون نے اور اونکے شاگردون نے فقہ کی تکمیل کی ہے اونکی اپنی تعلیم صرف زبانی تھی اونہون نے کوئی کتاب تصنیف نہین فرمائی ۰

امام صاحب کے شاگردون اور اُن کے شاگردون کے شاگردون نے تمام قیاسات منطقی استخراجات اور استدلالات پر جنکا امام صاحب کو کبہی خواب مین بہی خیال نہ آیا تہا اپنی فقہ کی کتابین تصنیف کی ہین وہ سب کی سب امام صاحب کی سند اور نام پر مشہور ہین امام ابو یوسف صاحب کا اسطرف زیادہ میلان تہا کہ وہ روایات سے قطع نظر کرکے عقلی استخراجات سے قانونی امور کا فیصلہ اپنے فتاوے مین کرین اور اسطرح پر روایات کو بہانہ اطاعت کے متروک کردیا ۰

امام مالک صاحب علیہ الرحمۃ کے فقہ کی بنیاد خاصتاً مدینہ کے رواج پر مبنی ہے البتہ اسکو عام قانون کہہ سکتے ہین اُس مین اُن لوگون کا رسم و رواج جن مین وہ بود و باش رکھتے تھے اور جن کی لئے انہون نے ایک ایسا قانون تحریر کیا جو اتبک ضبط تحریر مین نہ آیا تہا شامل ہین - امام صاحب نے اپنی کتاب موطا مین تین سو حدیثین درج کی ہین علاوہ برآن یہ عام قانون عربون کی سادہ زندگی سے بہ نسبت امام ابو حنیفہ صاحب کے دقیق اور پیچیدہ فقہ کے زیادہ مناسب تہا اور چونکہ امام مالک صاحب کی فقہ

کی بنیاد مدینہ کی روایات پر تھی اسلئے وہ خالص مقامی مذہب تہا اور عرب کے ابتدائی شہر کے لئے کافی تہا بیرونی مقامات کی وسیع جماعتوں کی ضروریات کے لئے ہرگز مکتفی خیال نہین کیا گیا تہا۔ لیکن کسی نہ کسی اتفاق سے امام صاحب کا مذہب خاصکر ہسپانیہ اور شمالی افریقہ مین پھیل گیا۔

امام شافعی صاحب علیہ الرحمۃ انتخاب کنندہ شخص تھے۔ اونہون نے اپنے مذہب کو امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے مصالح سے تیار کیا۔ یہ پہلے شخص تھے جنہون نے اصول فقہ اور تفسیر پر ایک کتاب تصنیف فرمائی جسکا نام اصول ہے۔

امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ نے اصول استخراج اور قیاس کو متروک کر کے اپنی مسند میں تیس ہزار احادیث کو درج کیا۔ آپ کا مذہب الٰہیات اور معاملات مین اُس زمانے کے مذہبی ڈھیلاپن کے دور کرنے کے لئے بمنزلہ ایک قوت کے تہا۔

خلیفہ مامون کے عہد مین حنفی مذہب کے مفتیون کو قرآن مجید کے اخلاقی مسائل کو خود مختار سلطنت کے نہایت بیہودہ زیادتیون کے ماتحت کرنے مین کچھہ دقت نہ تھی کیونکہ حنفی فقہ مین بسبب اصول قیاس کے نہایت درجہ کے لچک موجود تھے۔ بعض مفتیون نے کمینہ پن سے قرآنی اخلاق کو خلیفہ اور امیرون کے شہوانی جذبات کے مطابق بنا دیا اس برائی کو روکنے کے لئے امام احمد بن حنبل صاحب نے نبوی احادیث کی طرف جو اُس وقت عام مین مروج تھین گو اکثر اُن مین سے غیر صحیح اور موضوع تہین لیکن اُن مین اصول جمہوریت کے موجود تھے رجوع کیا اور اس لئے جابر خلفاء کی بدعملی اور بدکرداری کیواسطے اُن کا مذہب بمنزلہ سد اور رکاوٹ کے ہو گیا۔

ایک اور فقہی مذہب کا بھی جسکی بنا ابو سلیمان داؤد الظہری ساکن اصفہان نے ڈالی تھی اور جو بنام الظہری کے مشہور ہے ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ الظہری اسکو اسلئے کہتے ہین کہ اُس نے اپنے مذہب کی بنا قرآن وحدیث نبوی کے ظاہری یا لفظی معنون پر رکھی تہی اُس نے اپنے مذہب مین قیاس اور اجماع کی سند ہونے سے انکار کیا ہے جو تیسرا اور چوتھا منبع اسلامی فقہ کا ہی اُس کی پیدائش ۲۰۰ھ یا ۲۰۲ھ ہجری مین ہوئی اور ۲۷۰ھ ہجری مین اُن کی وفات ہوئی۔

حنبلی مذہب مین بھی اجماع اور قیاس سے انکار کیا گیا ہے ابن حزم۔ ابن عربی ہسپانیہ کے

مصنفین سے ہین اور نظام جو ۲۳۱ھ ہجری مین فوت ہُوا۔ اور ابن حبان جو ۳۵۴ھ ہجری مین فوت ہوئے۔ یہ سب علما اجماع کا سند ہونا سوائے اجماع صحابہ کے نہین مانتے تھے ؎

متذکرہ صدر بیان سے ظاہر ہے کہ کوئی فقہی مذہب بطور قطعی یا آلہی کے لوگون پر واجب التقلید نہ تہا اور نہ اُن مذاہب کے بانیان کا یہ منشا تہا کہ اونکا مذہب سب کا قانون پر بطور قطعی یا آلہی مذہب کے واجب التقلید ہو اور نہ اُن مین سے کسیکا یہ منشا تہا کہ اُنکا مذہب اورون پر قابل الترجیح مانا جاوے ؎

ہر ایک مذہب ترقی پذیر' نامکمل قابل التبدیل تہا اُس مین بحالت ملکی و زمانہ کی تبدیلی اور ترقی کی کافی گنجائش تہی ابتدائی زمانہ کے منطقی استخراجات اور مشابہ استدلالات بعدین بالکل جاتے رہے لوگون کی ضروریات اور نئی سلطنت کے سیاسی اور معاشرتی حالات کے مناسب فقہی قانون بدون ہوتا رہا۔ ہر ایک نئے فقہی مذہب کے مسائل اور احکام تجربتی اور قیاسی تھے ؎

اِن چارون امامون مین سے آخری امام احمد بن حنبل صاحب نے چوتھے اصول فقہ کو یعنے قیاس کو بالکل اُڑا دیا اور ایک صدی کے بعد امام ظہری نے تیسرے اصول فقہ یعنی اجماع سے ہاتھہ اٹھالیا کیونکہ گذشتہ زمانہ کے چند مسائل جو سابقہ اجماع پر مبنی تھے وہ زمانہ مابعد کے تبدیل شدہ حالات کے مطابق نہ تھے ؎

ان حالات پر فقہ یا شرع محمدی کو غیر متغیر نہین کہہ سکتے بلکہ اسکے برخلاف یہ ہر طرح سے قابل التبدیل اور ترقی پذیر ہے ؎

اسلامی فقہ یا شریعت ان تین عنصرون سے مرکب ہے اوّل قرآن مجید دوم احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم و اقوال و افعال صحابہ رضی اللہ عنہم سوم اجماع یعنے علماء اسلام کا کسی فوجداری یا دیوانی مسئلہ پر اتفاق جو پہلے دونون ماخذون مین موجود نہو۔ اور سب سے آخر ماخذ قیاس ہے یعنے استدلال کا وہ طریقہ جس سے کوئی قاعدہ فقہ مندرجہ صدر تینون ماخذون سے اخذ کرکے مقرر کیا جاتا ہے قرآن مجید کا یہ دعویٰ نہین ہے کہ وہ معاشرتی یا سیاسی قانون کا تعلیم دینے والا ہے یا وہ بمنزلہ کوڈ معاشرتی یا سیاسی قانون کے ہے بلکہ اوسکے تمام احکام و نصائح

کا یہ منشا و مقصود ہے کہ انسانون کی حالت مکمل طور پر درست کردے اوسکا ہرگز یہ منشا نہین ہے۔ کہ خاص اور مفصل ہدائتین قانون دیوانی یا فوجداری کے اُس مین تعلیم کی جاوین۔ نہ اوسکا یہ مقصود تہا کہ فقہ کے عام اصول اُس مین مقرر کئے جاوین ؛

بلاشبہ قرآن مجید مین دیوانی اور فوجداری اور سیاسی قوانین کے چند امور پر جو نہایت ابتر اور خراب حالت مین ہوگئے تھے۔ اونکی اصلاح پر توجہ کی گئی ہے مثلاً تعدد ازدواج۔ طلاق۔ کنیزون اور غلامون کی اصلاح۔ نیز چند اور امور پر جو بداخلاقی کیطرف منجر تھے قرآنمجید نے اونکی اصلاح فرمائی اور اُنکو مسدود کیا مثلاً خودکشی۔ قتل اولاد۔ زنا۔ جوا۔ شرابخوری وغیرہ وغیرہ یہ ایسے امور تھے کہ جبتک یہ کسی قوم مین باقی ہون اُس قوم کی اخلاقی حالت کبھی درست نہین ہوسکتی تہی اسلئے قرآن مجید نے اونکی اصلاح ایسے طور پر کی کہ جہان جہان قرآن مجید کی تعلیم کی اشاعت ہوئی وہان سے یہ برائیان دفعتہً دور ہوگئین اور اُن کے ماننے والون مین اُن بداخلاقیون کا اثر تک باقی نہین رہا۔ دوم احادیث نبوی جو مذہب اور دین کی حیثیت سے ہین وہ بلاشبہ محمد الرسول اللہ کی تعلیم دینی کا ایک جزو ہین اگر بعد تحقیق ثابت ہوجاے کہ وہ فرمودہ رسول ہین تو اُس سے انکار نہین ہوسکتا لیکن یہ تحقیق کامل اور مکمل ہونی چاہئے اور پہر اُسکو اُس تعلیم سے مقابلہ کرنا چاہئے جو بین الدفتین ہمارے پاس موجود ہے یعنے قرآن مجید۔ کوئی حدیث خواہ اوسکے راوی کیسے ہی ثقہ اور دیانتدار ہون اگر قرآن مجید کے مقررہ اصولون سے برخلاف ہو تو وہ ہرگز قابل قبول نہین ہے اس تنقید اور تحقیق کے واسطے ہمیشہ اون اصولون کی پیروی کرنی چاہئے جو صحیح اور سچے ہین صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال وافعال وہین تک قابل العمل ہوسکتے ہین جہان تک کہ وہ پہلے دو ماخذون یعنے قرآن اور صحیح احادیث کے مطابق اور موافق ہون۔ رہا اجماع اور قیاس یہ دونون ماخذ ایسے ہین کہ کسی مسلمان کیواسطے خواہ مخواہ انکی تقلید کرنی واجب نہین ہے اسلئے فقہ یا شریعت اسلامی غیر متغیر اور ناقابل ترمیم نہین ہے اسمین کافی لچک اس امر کی موجود ہے کہ جیون جیون زمانہ ترقی کرتا جاوے وہ اسکے مطابق وموافق ہوسکتی ہے۔

یہ چند باتین مینے مولوی سید چراغ علی صاحب مرحوم کی کتاب "پروپوزڈ ریفارم انڈر مسلم رول"

کے دیباچہ سے اقتباس و انتخاب کر کے یہان پر درج کردی ہین جو شخص اسکی مفصل بحث دیکھنا چاہین وہ اُس کتاب کی طرف جو انگریزی مین چھپ چکی ہے رجُوع کرے ✣

آب ہم ایک اور طرح پر اسلام کی صداقت اور محمد الرسُول اللہ کی رسالت ثابت کرتے ہین اور کہتے ہین آفتاب آمد دلیل آفتاب ✣

یعنی قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے پر خود قرآن مجید کو پیش کرتے ہین اور نبوت اور رسالت کے ثبوت مین خود جناب سرور کائنات کے حالات کو۔ ہم اپنے رسول کی رسالت ثابت کرنے کے لئے نہ کسی معجزہ کو پیش کرتے ہین نہ کسی کرشمہ اور کرامت کو بلکہ اُسی کتاب یا پیغام کو پیش کرتے ہین جسکو وہ کہتا ہے کہ خدا کا کلام یا پیغام ہے ✣

عصا کے سانپ ہوجانے اور مُردہ زندہ کرنیکا ایک فلسفی انکار کرسکتا ہے یہ کہکر کہ ہزارون برس کی تصدیق مشکل اور فطرت الٰہی کے خلاف۔ لاٹھی کا اژدہا ہوجانا مردے کا جینا ناممکن۔ مگر قرآن ایسا معجزہ ہے جو ہر وقت آنکھون کے سامنے ہے اور جسکا طاقت بشری سے مافوق ہونا ہر شخص کو تسلیم کرنا پڑتا ہے ✣

دوم آنحضرت کے حالات ایسے ہین جنکے معلوم ہونے کے بعد کوئی آدمی عالم ہو یا حکیم آپ کے مؤید من اللہ اور سچے رسُول اور ہادی ہونے سے انکار کرہی نہین سکتا ✣

اسموقع پر ہم اسٹب مڈلٹن کے بیان کو جو ایک عالم اور فاضل آدمی تھا نظر انداز نہین کرسکتے وہ بیان کرتا ہے :-

"کہ یونانی توریت اور انجیل سے بالکل جہالت اور وحشیانہ پن ظاہر ہوتا ہے اور جملہ عیوب سے جن کا کسی زبان مین پایا جانا ممکن ہے بھری ہوئی ہین مگر ہم کو از روئے فطرت خود بخود یہ توقع ہوتی ہے کہ الہامی زبان کا سلیس اور لطیف عمدہ پُر اثر ہونا چاہیے اور اُسکا عام کلام کے قوت اور اثر سے بہی مستثنیٰ اور زیادہ ہونا ضرور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کوئی چیز ایسی نہین ہوسکتی جس مین کسی قسم کا نقص ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمکو افلاطون کی سی لطافت اور سسرو کی سی بلاغت کا متوقع ہونا چاہیئے"

آب چونکہ قرآن مجید اپنی طرز مین کامل ہے جیسا کہ ابھی ہم ثابت کرینگے اسواسطے اُسکا الہامی اور الٰہی

ہونا لازم آتا ہے اور اسی طرح اُسکا الہامی الاصل ہونا اُس کے کامل النوع ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ انسان سے جو خود ضعیف البنیان اور مرکب من الخطاء والنسیان ہے کوئی کامل اور بے عیب شے پیدا نہین ہو سکتی اس امر کی نسبت قرآن مجید مین یہ دعوی بتکرار موجود ہے خدا تعالی فرماتا ہے :-

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ (سورہ بقر آیات ۲۱ و ۲۲)

اور اگر تم شک مین ہو اُس چیز سے جو ہمنے اپنے بندہ پر اُتارا پس لے آؤ ایک سورت اُس جیسی اور بلاؤ اپنے مددگارون کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔ پس اگر تم نکرسکو اور ہرگز نہ کرسکو گے پس ڈرو اُس آگ سے جسکی ایندھن آدمی اور پتھر مین تیار کر رکھی ہے منکرون کیلئے

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ (سورہ اسرائیل آئت ۹۰)

کہہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر جن اور انسان اکٹھے ہو جاوین اس بات پر کہ اس قرآن کی مثل لاوین اُسکی مثل نہ لاوینگے اور اگر بعض بعض کی مددگار ہی ہو جائیں

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (سورہ قصص آئت ۴۹)

کہہ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہ تم لے آؤ کتاب خدا کے پاس سے جو ان دونون سے بہتر ہو ہدایت مین۔ مین اسکی پیروی کرونگا اگر تم سچے ہو ؛

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ سورۂ یونس آئت ۳۹۔

کیا وہ کہتے ہین کہ وہ بنایا ہوا ہی کہدو (اے پیغمبر) تو لاؤ کوئی سورہ اسکی مانند اور بلاؤ جسکو تم بلا سکو۔ اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔

ان سب آیتون پر غور کرنے کے بعد اس بات کو سمجھنا چاہیے کہ قرآن کی مانند سے کیا مراد ہے ہمارے تمام علما و مفسرین نے یہ خیال کیا ہے کہ قرآن نہایت اعلی درجہ فصاحت و بلاغت پر واقع ہوا ہے اور اُس زمانے مین اہل عرب کو فصاحت و بلاغت مین بڑا ہی دعوی تھا پس خدا نے قرآن کے من اللہ ثابت کرنیکو یہ معجزہ قرآن مین رکھا کہ ویسا فصیح کلام کوئی بشر نہین کہہ سکتا اور نہیں کہہ سکا۔ پس اُنہوں نے قرآن کی مانند سے فصاحت و بلاغت میں مانند ہونا مراد لیا ہے

اس مین کچھہ شک نہین ہے کہ قرآن مجید نہایت اعلے سے اعلے درجہ فصاحت و بلاغت
پر واقع ہُوا ہے اور جو کہ وہ الہی وحی ہے جو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب نبوت پر نہ بطور معنی
و مضمون کے بلکہ بلفظہ ڈالی گئی تہی جسکے سبب سے ہم اُسکو وحی متلو یا قرآن یا خدا کا کلام کہتے ہین
اسلیئے ضرور تہا کہ وہ ایسی اعلی درجہ فصاحت پر ہو جو بےمثل و بے نظیر ہو مگر یہ بات کہ اُسکی مثل کوئی
نہین کہہ سکا یا کہہ سکتا اُسکی من اللہ ہونیکی دلیل نہین ہو سکتی کسی کلام کی نظیر نہونا اسبات کی تو بلاشبہ
دلیل ہے کہ اوسکی مانند کوئی دوسرا کلام موجود نہین مگر اسکی دلیل نہین ہے کہ وہ خدا کیطرف سے ہی
بہت سے کلام انسانوں کے دنیا مین ایسے موجود ہیں کہ انکی مثل فصاحت و بلاغت میں آجتک
دوسرا کلام نہین ہُوا۔ مگر وہ من اللہ تسلیم نہین ہوتے نہ اُن آیتوں میں کوئی ایسا اشارہ ہے
جس سے فصاحت و بلاغت میں معارضہ چاہا گیا ہو۔ بلکہ صاف پایا جاتا ہے کہ جو ہدایت قرآن
سے ہوتی ہے اُس میں معارضہ چاہا گیا ہے اگر قرآن کے خدا سے ہونے مین شبہ ہو تو کوئی ایک
سُورۃ یا دس سُورتین یا کوئی کتاب مثل قرآن کے بنا لاؤ جو ایسی ہادی ہو۔ سُورۃ قصص مین آنحضرت
کو صاف حکم دیا گیا ہے کہ تو کافرون سے کہدے کہ کوئی کتاب جو توریت و قرآن سے زیادہ ہدایت
کرنیوالی ہو اُسے لاؤ۔ توریت کی عبارت فصیح نہین ہے بلکہ عام طور پر کی عبارت ہے اسلیئے کہ علاوہ
قومی دستورات و تاریخانہ مضامین کے جو اُسکے جامع نے اُس مین شامل کیئے ہین جسقدر مضامین
وحی کے اُس مین ہین انکا القا ہی بلفظہ شاید بجز احکام عشرہ توریت کے جنکو حضرت موسیٰ نے
پہاڑ مین بیٹھ کر تختیون پر لکہہ لیا تہا پایا نہین جاتا پس ظاہر ہے کہ قرآن گو کیسا ہی فصیح ہو مگر
جو معارضہ ہے وہ صرف اسکی فصاحت و بلاغت یا اُسکی عبارت کے بےنظیر ہونے پر نہین ہے
بلکہ اُس کے بےمثل ہادی ہونے مین ہے جو بالتصریح سورہ قصص کی آیت مین بیان ہُوا
ہے ہاں اسکی فصاحت و بلاغت اُسکے بےنظیر ہادی ہونیکو زیادہ تر روشن و مستحکم کرتی ہے
ان آیتوں کے مخاطب اہل عرب تھے پس جب قرآن نازل ہُوا تو اُسوقت جو عرب کا حال تہا
اُسکو ذرا اسطرح پر خیال مین لانا چاہیے کہ اُسکا نقشہ آنکھوں کے سامنے جم جاوے وہ تمام
ایک لٹیری۔ چور و قزاق۔ خانہ بدوش قوم تھے جو مثل کنجروں کے اپنا ڈیرہ گدہوں و خچروں
پر لادے پھرتے تھے۔ غیر قوموں نے "سارسین" جو لفظ سارقین کا محرف ہی خطاب دیا تھا

تھا بغض و عداوت و کینہ جو بدترین خصائص انسانی سے ہیں اُن کے رگ و ریشہ میں پڑا ہُوا تھا۔ یہاں تک کہ وہاں کے جانور بھی کینہ میں ضرب المثل تھے (شتر کینہ) خونریزی۔ بیرحمی۔ قتل اولاد اُن میں ایسے درجے پر تھی جسکی نظیر کسی قوم کی تاریخ مین پائی نہیں جاتی۔ کنواری اور بیاہی عورتیں زنا کو اپنا فخر سمجھتی تھیں جسطرح مرد کسی نامی عورت یا مشہور خاندان کی عورت سے زنا کرنا فخریہ اپنی قوم میں بیان کرتا تھا۔ اسی طرح عورتیں کسی نامی یا مشہور خاندانی مرد سے زنا کرنا فخریہ بیان کرتی تھیں قوم کی قوم جاہل و اُمّی تھی۔ بجز شراب خواری و بت پرستی کے کچھ کام نہ تھا۔ اور قوموں سے ایسے کونے میں پڑے ہوئے تھے۔ کہ کچھ روشنی تعلیم و تربیت کی ان تک نہیں پہونچی تھی۔ اُسی قوم میں سے ایک شخص جس نے چالیس برس اپنی عمر کے انہیں کے ساتھ صرف کئے تھے ربانی روشنی سے جو خدا نے بمقتضائے فطرت اُس میں رکھی تھی۔ منور ہُوا اور روحانی تربیت کے حقائق و دقائق ایسے الفاظ میں جو عالم اور حکیم اور فلسفی اور نیچرلسٹ و دہریہ سے لیکر عام جاہلوں۔ بدوؤں۔ صحرا نشینوں کی ہدایت کیلئے بھی یکساں مفید تھے علانیہ بیان کئے جو ممکن نہ تھا کہ بغیر اسکے کہ وہ خدا کی طرف سے ہوں بیان کئے جا سکتے ❖

فطرت کے قاعدہ کے مطابق ممکن نہ تھا کہ بجز اُس فطرت نبوت کے جو خدا اپنے انبیاء میں ودیعت کرتا ہے ایسی قوم کے کسی شخص کے اسطرح کے خیالات و اقوال و نصائح ہوں جیسے کہ قرآن میں ہیں یا ایسی تاریک و خراب حالت کی قوم کا کوئی شخص بغیر اُس نور کے جو خدا نے اُسکو دیا ایسی ہدائتیں بتا دے جیسی قرآن میں ہیں یہ بجز خدا سے ہونے کے اور کسی طرح ہو ہی نہیں سکتیں۔ اسی امر کی نسبت خدا نے فرمایا کہ تمکو اُسکے خدا سے ہونے میں شک ہے تو "فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ"

بلاشبہ ہم قرآن کی فصاحت و بلاغت کو اُسکی بےمثل ہونے کے دعوی سے جدا نہیں کر سکتے اور اسی واسطے اُن دونوں میں بحیثیت مجموعی معارضہ چاہا گیا ہے ❖

جسوقت ہم قرآن کو کسی ملحد سے ملحد کے سامنے پیش کریں اور کہیں کہ اسے دیکھو اور بتاؤ کہ کوئی کتاب کسی دانشمند یا کسی حکیم یا کسی فلسفی کی جو بلحاظ عبارت اور بنظر مضامین کے اسکے برابر ہو تم نے دیکھی ہے اور تم اُسکو اسکے مقابلہ میں لا سکتے ہو۔ آخر دنیا میں بہت بڑے

ادیب اور منشی گذرے ہیں جنکی فصاحت و بلاغت کا غلغلہ آسمان تک پہونچا مگر بتاؤ تو بجز
کہ سوا خیالی باتوں کے یا بجز رزم و بزم و مدح و ذم۔ حسن و جمال اور خط و خال کے کسی نے
انسان کے دل کے پاک کرنیوالی باتیں اس خوبی سے بیان کی ہیں اور اگر کوئی ایسی کتاب
روز آفرینش سے ابتک کسی ملک کسی قوم کسی مذہب میں ہو تو پیش کرو۔ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن
تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۔ اور یہ بتاؤ کہ خیالی
باتوں کے عمدہ الفاظ میں ادا کرنے والوں اور ہجر و وصال کے مضامین اچھی عبارت میں
لکھنے والوں میں سے کوئی ایسا ہوا ہے جو اپنی کلام کے بیمثل ہونیکا مدعی ہوا ہو اور کسی نے
اُس کا معارضہ نکیا ہو۔ برخلاف اسکے قرآن نے بآواز بلند اسکا دعوی کیا جیساکہ آیات
مندرجہ صدر سے عیاں ہے مگر کوئی شخص ابتک سوا تیرہ سو سال میں قادر ہوا کہ تھوڑا سا
کلام بھی ایسا لاسکے جو نظم و تالیف شیرینی بیان فصاحت زبان۔ بلاغت معانی اور پاکیزگی
مضامین اور ہدایت کرنے میں اُس سے مشابہت اور مناسبت رکھتا ہو۔ باوجودیکہ اُس وقت
ایسے فصیح اور بلیغ شاعر موجود تھے جو فصاحت میں کوس لمن الملکی بجاتے اور اپنی نظم کو خانہ
کعبہ پر آویزاں کرکے ہل من فصیح و ہل من شاعر پکارتے تھے جنکی منتہا سعی یہ تھی کہ کسیطرح
سے اس دعوی قرآن کو غلط ٹھہرائیں اور اپنے خاندان اپنے ملک اور اپنے مذہب کو اس
نئے دین سے بچائیں اور اُس کے بعد ابتک دنیا میں ہزاروں لاکھوں ادیب اور خطیب
ایسے گذرے ہیں جنکی فصاحت و بلاغت مشہور ہے اور جنکی نظم و نثر ابتک موجود ہے اور
جنمیں بہت سے ایسے ہوئے جنکی یہی تمنا اور یہی آرزو تھی کہ قرآن کی ایک چھوٹی سی سورۃ
کے برابر بھی کچھ لکھہ سکیں مگر نہ لکھہ سکے اور اپنی تمنا اپنے ساتھ قبر میں لے گئے اور
وہ دعوی اور تحدی اور طلب معارضہ ابتک بحال خود موجود ہے اور منکرین سے خطاب ہے کہ
وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ
اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۔ پھر یہ کتاب جو خدا کی طرف سے پیش کی گئی ہے اُس کا پیش کرنیوالا
ایک اُمّی تھا جو نہ ایک لمحہ کے لئے مکتب میں بیٹھا۔ نہ ایک لمحہ کے لئے استاد کی شکل دیکھی
نہ عالموں کی صحبت پائی نہ حکیموں سے ملا نہ شاعروں سے شعر سیکھا نہ ادیبوں سے ادب

چالیس برس تک اپنی قوم میں جسکا مختصر حال اوپر درج ہوا ہے رہا۔ دیکھا تو انہیں وحشیوں کو سنا تو انہیں جاہلوں سے۔ پھر اُس نے ایسا کلام پیش کیا جسکی عبارت پر ہزاروں دُرِ شاہوار کی لڑیاں نثار اور جس کے مضامین پر دنیا کے حکیموں اور دانشمندوں کی ساری حکمت اور عقل قربان۔ جسکا کلام عشقیہ مضامین اور خیالی باتوں سے خالی اور تزکیہ قلب و تصفیہ نفس کی تدبیروں سے بھرا ہوا جسکی زبان کی لطافت دیکھ کر عرب کے سارے فصحا و بلغا پکار اوٹھے "اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ" اور جسکے مضامین کی پاکیزگی دیکھکر دُنیا کہنے لگی کہ "اِنَّهٗ لَذِكْرٰى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ"

پس ایسی کلام کو سُنکر ملحد سے ملحد اور کافر سے کافر کو بھی کیا چارہ ہوگا سوا اسکے کہ اقرار کرے اس بات کا کہ یہ کلام ضرور بشری طاقت سے خارج اور انسان کی قوت سے باہر ہے اگر کسی چیز پر اعجاز یا کرامت کا اطلاق ہوسکتا ہے تو اِسی پر اور اگر کسی شے کو معجز کہہ سکتے ہیں تو اسی کو۔ اگر کوئی کلام دُنیا میں خدا کا کلام مانا جاسکتا ہے تو یہی اور اگر کوئی کسی کتاب کو خدا کی کتاب سمجھہ سکتا ہے۔ تو اسی کو +

ثبوتِ رسالت

جس طرح ہمنے قرآن کو قرآن سے ثابت کیا ہے اسیطرح ہم آنحضرت کی نبوت کو آنحضرت کے حالات سے ثابت کرتے ہیں اور آپکی رسالت کے دعوے پر آپ کی ذات ہی کو حجت لاتے ہیں آپکی زندگی کے حالات اور آپ کے کاموں پر اور اُن کے نتیجوں سے جو دُنیا کو حاصل ہوئے جب کوئی غور کرے اور اس بات کو پیش نظر رکھے۔ کہ آپ ایک ایسے ملک میں پیدا ہوئے جہاں قدرت نے کوئی ایسا سامان مہیا نکیا تھا۔ کہ وہاں کے باشندوں کے خیالات کو مدد ملتی اور نہ وہاں انسان کے ہنر اور صنعت نے ایسی چیزیں جمع کی تہیں جنکا اثر وہاں کے رہنے والوں کے دل و دماغ پر ہوتا بلکہ جیسا ملک تھا ویسے ہی باشندے جیسی زمین اور آب و ہوا تھی ویسے ہی رہنے والے۔ دل اُنکے سخت جیسے پتھر۔ مزاج اُن کے گرم جیسے سموم۔ تندخوئی میں باد صرصر سے زیادہ۔ جنگ جوئی میں جنگل کے درندوں سے بڑھکر دل محبت و اتفاق سے خالی۔ دماغ غرور اور جہالت سے بھرے ہوئے۔ بیرحمی اور بداعمالی رگ رگ میں سمائی ہوئی کفر اور شرک سب پر چھایا ہوا۔ اوہام اور ضلالت میں

ڈوبے ہوئے - خونریزی اور غارتگری میں مشاق - حرامکاری اُنکا شیوہ - زناکاری اُنکا پیشہ بے حیائی پر نازاں - بے غیرتی پر قربان - خُدا سے بالکل بیخبر - مبدا و معاد سے سراسر جاہل بتوں کے پوجنے والے - بعث و نشر کے منکر - بھوت پریت کے معتقد - رسموں کے بندے جہالت کے پتلے - ظالم سنگدل - سفاک بے رحم - زشت خو - بداعمال - بدکردار - ستم پیشہ - ضدی - ہٹیلے - جھگڑالو - ایسے ملک اور ایسی قوم میں خدا کا ایک بندہ پیدا ہُوا جسنے نہ باپ کی شفقت کا مزہ چکھا تھا نہ ماں کی محبت دیکھی تھی نہ کسی قسم کی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا موقع پایا تھا - ایک مدت دراز تک جاہل - بت پرست اور بد اخلاق لوگوں میں زندگی بسر کرنے کے بعد وہ قوم کے سامنے آیا اور خلاف ملک کی آب وہوا کے - خلاف ملک کے حالات کے - خلاف قوم کے خیالات کے بلکہ خلاف اُن تمام واقعات کے جو ایسی حالت میں ہوسکتے ہیں - روحانی نیکیوں کے پھیلانے اور ایک نئی زندگی بخشنے اور نہ صرف اپنے ملک اور اپنی قوم کو بلکہ ساری دنیا کو غفلت اور جہالت اور کفر کی بیماریوں سے نکالنے کے کام پر خدا کی طرف سے مامور ہونیکا دعوٰی کیا - قوم کو ذلیل بت پرستی میں ڈوبا ہُوا دیکھکر اپنے دادا ابراہیم کی طرح کہنے لگا " مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ " اور ملک کو تراشے ہوئے بتوں کی پرستش میں مبتلا پاکر پکارنے لگا - اَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ؕ اس آواز نے تمام قوم کو غفلت کی نیند سے جگادیا اور ایک نئی رُوح اُن میں پھونک دی اور ایک انقلاب عظیم پیدا کردیا - جس سے اُنکی تمام اندرونی اور بیرونی چیزیں ایسی بدل گئیں گویا قلب ماہیت ہوگیا نہ اُن کے وہ دل رہے جنمیں شرک اور بت پرستی کے خیالات تھے نہ اُن کے وہ خیالات رہے - جن کے اوہام میں ڈوبے ہوئے تھے - نہ اونمیں وہ اوہام رہے جن سے طرح طرح کے گناہوں اور بداعمالیوں کے مرتکب ہوتے تھے - نہ اُنکی وہ طبیعتیں رہیں جن میں جاہلیت کا جوش تھا - نہ اُنکا وہ جوش رہا جس سے وہ تعصب و غرور - کینہ و حسد اور انتقام کی مہلک بیماریوں میں مبتلا تھے نہ اُن میں وہ بیماریاں رہیں جنسے روحانی زندگی نام کو بھی باقی نہ رہی تھی ؛

اُس خدائی آواز نے جو اس پاک بندہ کے منہہ سے نکلی کہ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ

حَصَبُ جَہَنَّمَ (ترجمہ۔ تم اور جنکو تم پوجتے ہو سوائے خدا کی دوزخ کے ایندھن ہیں) انکے دلوں کو شرک اور بُت پرستی کے خیالات سے ایسا صاف کر دیا جیسے تند ہوا کا جھوکا زمین کو خس وخاشاک سے اور اُسکے بیان حشر ونشر نے جس نے گویا زمین وآسمان شق کر کے بہشت ودوزخ کی صورت اُنہیں دکہا دی انکی طبیعتوں کے سارے جاہلانہ جوش ایسے ٹھنڈے کر دئے جیسے کہ زور کی بارش بھڑکتی ہوئی آگ کو۔ پس یہ انقلاب تہا یا جادو جسنے قوم کی حالت میں ایسی حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دی اور وہ وعظ تہا یا اسرافیل کا صُور جس نے سینکڑوں برس کے مردوں کو جلا دیا۔ وہ بشر کا کلام تہا یا رُوح القدس کی آواز جس سے عرب اور عجم میں زلزلہ پڑ گیا اور وہ عبداللہ کے یتیم فرزند کا کام تہا یا خدا کی قدرت جسنے ساری سرکشوں کا غرور توڑ دیا اور اُن کے غرور بھرے ہوئے سر ایک خدائے ذوالجلال کے سجدے کے لئے جہکا دئے۔ وہ کیا چیز تہی اُس خدا کے منادی کرنے والے میں جسکی دعوت نے برسوں کے بھکے ہوؤں کو خدا کی راہ دکہائی اور وہ کس کی دی ہوئی قوت تہی اسکے کلام میں جسنے ایسی حیرت انگیز اور غیر منقطع دائم الاثر تاثیر لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دی جس سے مشرک موحد ہو گئے کافر ایمان لے آئے۔ بُت پرست بُت شکن ہو گئے۔ گمراہ راہ دکہانے لگے خدا ناشناس حقیقت اور معرفت کی باتیں کرنے لگے۔ وحشیوں میں تہذیب پہیل گئی۔ جاہل عالم اور نادان حکیم ہو گئے۔ زہد وپرہیزگاری۔ نیکی اور پاکدامنی قومی خصلت ہو گئی جاہلیت کی تمام رسمیں موقوف ہو گئیں۔ قتل۔ زنا۔ چوری۔ جہوٹ۔ فریب۔ دغا۔ جوئے شراب خواری کی ساری بدعادتیں جاتی رہیں۔ جاہلانہ حمیت اور عصبیت کا نشان نہ رہا۔ خاندانی جہگڑے اور پشتینی عداوتیں مٹ گئیں۔ خودسری اور سرکشی کے [illegible] خیالات باقی نہ رہے روحانی اور اخلاقی بُرائیاں طبیعتوں سے ایسی نکل گئیں جیسے کفر [illegible] کی رسمیں عرب سے۔ دماغ غرور ونخوت سے۔ سینے عداوت اور کینہ سے ایسے صاف ہو گئے جیسے بتوں سے کعبہ دشمن ایسے دوست ہو گئے جیسے ماں جائے بہائی۔ غیر ایسے یگانے ہو گئے گویا عزیز اور رشتہ دار۔ اختلاف اور پہوٹ کا نام نہ رہا۔ عداوتیں الفت سے بدل گئیں۔ بکہرے ہوئے قبیلے ایک ہو گئے ؎

وہ کیا تصرّف تہا جسنے عرب سی کینہ ور اور ضدی قوم کو ایک اسلامی رشتے مین منسلک کر کے ایسی برادری بنا دیا جسکے اتحاد و اتفاق کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی اور وہ کیا تسخیر تھی جسنے عرب کے وحشیوں اور بدوُون سے جنگلیوں کو ایسا رام کر دیا کہ گویا وحشت اور نفرت پہوٹ اور تفرقہ۔ خودسری اور سرکشی کا نام نجانتے تہے۔ پس ایسا حیرت انگیز تصرف انسان کے دلوں پر اور ایسی عجیب تسخیر لوگوں کے قلوب کی۔ اور ایسی تبدیلی قوم کے حالات کی اور ایسا انقلاب ملک اور اخلاق اور تمدن کا جو نہ کسی دُنیا کے بڑے سے بڑے شاہنشاہ سے ہوسکا نہ کسی بڑے سے بڑے حکیم اور مقنّن سے بلکہ جسکی نظیر کسی بڑے الوالعزم پیغمبر کے زمانے میں بھی پائی نہیں جاتی۔ کیا نتیجہ تہا۔ صرف ایسے ایک انسان کی کوششوں کا جو مؤیّد من اللہ نہ تہا یا ہوسکتا تہا صرف ایسے ایک آدمی سے جسکو خدا نے اپنی طرف سے اس کام پر مامور نہ کیا تہا اور کیا اُسکی تصدیق کے لئے کسی معجزے یا خرق عادت کی ضرورت باقی رہتی ہے اور کیا اُسکی سیرت و تعلیم اور ہدائت عصا کے سانپ بنا دینے یا مُردے کے جلانے یا چاند کے دو ٹکڑے کرنے سے کم سمجھی جاتی ہے ٭

اگر موسے علیہ السلام کا عصا ساحروں کے بنے ہُوئے سانپوں کو کھا گیا تو محمدی عصا اس تیرہ سو سے زیادہ برسوں میں لاکھوں کروڑوں بلکہ بے گنتی اژدہے عقاید فاسد اور رذیلہ کے جو انسان کے دلوں کو چمٹے ہوئے تھے اور اُن کی روحوں کو ڈس رہے تھے نگل گیا۔ اور اگر عیسی علیہ السلام نے دو ایک مردے بفرض محال زندہ کر دیئے تو محمدی معجزہ نے اَن گنت اور بیشمار دل کے بیماروں کو چنگا کر دیا اور لاکھوں آدمیوں میں جو باعتبار روحانی زندگی کے مرگئے تہے جان ڈالدی۔ پہر موسے و عیسی کے معجزوں کا اثر اُن کیساتہ گیا مگر محمدی معجزہ ابتک زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہیگا۔ اُسکا فیض جیسا جاری تہا۔ آخر دن تک جاری رہیگا۔ نہ آپ کے انتقال جسمانی سے اُس میں خلل آیا اور نہ آئیگا اور نہ آپ کے نقل مکانی سے اُس میں کچھہ ہرج ہُوا نہ ہوگا ٭

اگر کوئی ہوشیار حکیم اور دانشمند فلسفی ایسے پاک بندے کی سیرت اور تعلیم اور ہدائت پر غور کرے جسنے نہ صرف عرب کی حالت بدل دی اور نہ فقط حجاز سے بت پرستی ہمیشہ کیلئے

مٹا دی۔ بلکہ جس نے مردہ دل یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی جن میں روحانی زندگی کا کوئی نشان باقی نہ رہا تھا۔ نئے سرے سے جلا دیا۔ اور جس نے موسیٰ و عیسیٰ کی تعلیم کو جسے لوگ بھول گئے تھے اور اپنی فاسد رایوں اور باطل خیالات ملانے سے خراب کر دیا تھا پھر تازہ کر دیا۔ اور جس نے نہ صرف لات و منات کے پوجنے والوں اور ہبل اور عزّےٰ کے آگے سر جھکانے والوں کو خدا کی راہ دکھا دی۔ اور شرک اور کفر کی تاریکی سے نکال کر اُن کے دلوں کو نور ایمان سے روشن کر دیا بلکہ مغرور اور خودسر جبت و طاغوت کے ماننے والے کو باطن یہودیوں کو وہ روشنی دکھا دی۔ جو طور پر موسیٰؑ کلیم اللہ نے دیکھی تھی اور آپس میں لڑنے والے اور تین خدا کے ماننے والے مُردہ دل عیسائیوں کے دلوں میں وُہ رُوح پھونک دی جو مسیح پر اتری تھی تو ایسے شخص کی نسبت وہ کیا رائے قائم کرے گا اور اُسے کیا سمجھیگا اگر ہم اُس سے پوچھیں کہ ایسے شخص کو اگر معاذ اللہ تم نبی نہیں مانتے تو بلاشبہ یہ ضرور مانوگے کہ وہ ایک ایسا بشر تھا جسکی مانند دوسرا اس دنیا میں نہیں ہُوا اور جیسے دانشمند اور مقنّن اور حکیم کے ناموں اور درجوں سے بڑھکر دوسرا کوئی نام اور دوسرا کوئی درجہ دینا ضروری ہو اور پھر وہ نام کیا ہے سوا رسُول اور نبی کے اور وہ درجہ کونسا ہے سوائے پیغمبری اور رسالت کے ۔ فَقُوْلُوْا نَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ نَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

اِن باتوں کو سُنکر اور اِن حالات کو سوچکر کوئی آدمی نہو گا سوائے اسکے جسکی دل کی آنکھ کو خدا نے تعصّب سے اندھا کر دیا ہو جو اوسکی رسالت میں شک کرے اور اُسے مؤیّد من اللہ اور خدا کا داعی نہ سمجھے اور بے اختیار "اِنَّهٗ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ" نہ پکار اٹھے ۔

یہ ہیں دلائل اور ثبوت جس سے ہم نبوت اور رسالت کو ثابت کرتے ہیں جن میں نہ کوئی بات خلاف عادت اللہ ہے اور نہ خلاف فطرت اللہ۔ پس جب ہم نے محمد الرسول اللہ کو سچا نبی اور سچا رسُول اور داعی الی اللہ ایسے بیّن دلائل سے ثابت کر لیا پس جو کچھ آپ نے من حیث الدین تعلیم فرمایا وہ سب صحیح اور دُرست ہے اسی واسطے ہم اعتقاد کرتے ہیں۔ کہ خدا نے انسانوں میں سے انسانوں کی ہدایت کیواسطے پیغمبر اور رسُول پیدا کئے وہ سب سچے تھے اور جو تعلیم انہوں نے دی تھی وہ سب صحیح اور قابل العمل تھی۔

﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴾

سورہ بقرآت ۲۸۵ (ترجمہ) ایمان لایا پیغمبر اُس پر جو اُتاری گئی ہے اُس پر اُس کے پروردگار سے اور مومنین بھی ہر ایک ایمان لایا اللہ پر اور اُس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں پر۔ نہیں فرق کرتے ہم درمیان کسی ایک کے اسکے رسولوں میں سے اور انہوں نے کہا ہمنے سُنا اور ہمنے اطاعت کی۔ اے پروردگار ہمارے۔ تیری بخشش چاہتے ہیں اور تیرے پاس پھر جانا ہے ؛

عقیدہ ششم

وَمُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ

یعنے کہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں

"مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ"

جناب رسولخدا کو خاتم النبیین بوجہ ختم نبوت و رسالت کے جاننا ہمارا اعتقاد ہے اور ایسے خاتم کو تاخرِ زمانی اور افضلیت دونوں لازم ہیں۔ اسکی ایسی مثال ہے کہ ایک بادشاہ نے بہت سی نعمتیں اپنی جنگلی اور وحشی رعیت کے تقسیم کرنے کو رکھی ہوں اور یہ ٹھہرالیا ہو کہ جوں جوں ان وحشیوں کو عقل و تمیز آتی جاوے گی ووں ووں عمدہ نعمتیں اُن میں تقسیم ہوتی جاوینگی۔ پس ضرور ہوگا کہ جو نعمتیں انکو اول میں دی جاویں گو کہ فی نفسہ وہ اچھی اور عمدہ ہوں مگر اسکے بعد کی نعمتیں یقینی پہلے سے اچھی ہونگی یہانتک کہ سب سے اخیر جو نعمت دی جاویگی وہ سب سے اچھی ہوگی ؛

اب فرض کرو کہ اس بادشاہ نے اُن نعمتوں کے تقسیم کرنیکے لیے بترتیب مقرر کیے ہر ایک اپنی باری میں مطابق عقل و تمیز ان وحشیوں کے نعمتیں دینی شروع کیں اور اسی طرح درجہ بدرجہ

نعمتیں تقسیم ہوتی رہیں یہانتک کہ اخیر نعمت رہگئی اور سب سے اخیر بانٹنے والا جو تہا اُسکی باری آئی۔ اُسوقت وہ لوگ بہی اُسکے لینے کے قابل ہو گئے تھے وہ اخیر بانٹنے والا آیا اور اخیر نعمت بانٹ گیا۔ پس وہ خاتم القاسمین ہے نہ اس وجہ سے کہ وہ اخیر زمانہ میں آیا اور نہ اس وجہ سے کہ اُسکے بعد کوئی بانٹنے والا نہیں آویگا۔ کیونکہ یہ دونوں باتیں تو خاتمیت کے لوازم سی ہیں بلکہ دراصل اسوجہ سے کہ وہ خاتم نعمت ہے۔ وھو خاتم لانہ قد ختمت النعمۃ بہ تقسیمہ اور جب کہ وہ نعمت اخیر سب سے عمدہ اور افضل تھی۔ تو اس خاتم کا بہی سب سے افضل ہونا لازم ہے اور جوکہ تدریج زمانی بہی اُسکو لازم تہی اسلئے اُس خاتم کو تاخر زمانی بہی لازم ہو بعینہ یہی مثال نبوت کی ہے دین اللہ کا نعمت ہے۔ اور بندوں میں تقسیم کرنیوالے انبیاء علیہم السلام ہیں۔ انبیاء سابقین مناسب حال امم سابقہ کے وہ نعمت تقسیم کرتے آئے۔ یہانتک کہ جسکی اخیر دفعہ باری تہی اور اخیر نعمت باقی رہگئی تہی اور اسکی تقسیم کا زمانہ بہی آگیا تہا وہ آیا اور وہ نعمت دیگیا۔ وہ نعمت ختم ہو گئی۔ رسالت اور نبوت بہی ختم ہو گئی اور خود اس نعمت کے مالک نے پکار کر کہدیا کہ "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا"

پس تعدد خاتم کسی معنی پر ہو ممتنع بالذات ہے اور شرکت من حیث الذات اور من حیث العرض دونوں ممتنع ہیں۔ جبکہ رسالت رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم کی عام تہی تو خاتمیت بہی بمعنے مذکور عام تہی۔ ہاں فیض الٰہی کبہی ختم نہیں ہونے کا۔ مگر جسکو اس فیض سے بہرہ ہوگا۔ اُسی خاتم نبوت کے قدم بقدم چلے گا اور اُسی کا راگ گائے گا جیسے کہ انبیاء بنی اسرائل میں سے بہت سے ایسے گذرے ہیں۔ جو اپنے پہلے نبی کے دین کو قائم کرتے رہے۔ پس ہماری خاتم النبیین کی امت میں بھی بہت سے ایسے گذرے اور گذریں گے جو دین محمدی کی حقیقت کو قائم کیا کریں گے اور مجدد کہلائیں گے ؛

عقیدہ نہم

وَلَہٗ کُتُبٌ اَنْزَلَ عَلٰی رُسُلِہٖ

یعنے خدا نے کتابیں اپنے پیغمبروں پر نازل فرمائیں

حقیقت وحی و الہام اور اسی میں نبوت کی حقیقت کا بیان بھی شامل ہے

وحی تو وہی ہوتی ہے جو خدا سے پیغمبر کو دیجاتی ہو۔ مگر وہ کیونکر دیجاتی ہے اُسکا بیان علمائے نے ٹھیک طور پر نہیں کیا۔ اُنہوں نے خدا اور رسول کو دُنیا کے بادشاہ اور وزیر کی مانند اور وحی کو بادشاہ کے کلام یا حکم یا پیغام کی مانند سمجھا ہے اور جبرئیل کو ایک مجسم فرشتہ بادشاہ اور وزیر میں ایلچی پیغام لیجانیوالا قرار دیا ہے؛

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں ارقام فرماتے ہیں کہ آسمان پر جبرئیل خدا کا پیغام سُنکر آنحضرت پر اُترتے تھے۔ پھر اس تقریر پر امام صاحب کو یہ مشکل پیش آئی کہ خدا کے کلام میں تو حرف اور آواز نہیں ہے۔ پھر جبرئیل نے وہ کیونکر سُنا ہوگا۔ پھر اُسکا یہ جواب دیا ہی کہ ممکن ہے کہ خدا تعالے نے جبرئیل میں ایسی سماعت پیدا کی ہو جو خدا کا کلام سُن لیتا ہو۔ پھر اُس میں یہ قدرت رکھی ہو کہ وہ عبارت میں اسکی تعبیر کرسکے اور یہ بھی ہوسکتا ہو کہ خدا نے لوح محفوظ میں اسی ترتیب سے قرآن پیدا کردیا ہو اور جبرئیل نے اُسکو پڑھکر یاد کرلیا ہو۔ یا یہہ ہوا ہو کہ اللہ تعالی نے کسی جسم دار میں سے خاص طرح کی آوازیں ٹھہر ٹھہر کر نکالی ہوں اور جبرئیل نے بھی اسکے ساتھہ آواز ملالی ہو۔ پھر اللہ تعالی نے جبرئیل کو بتا دیا ہو کہ یہی وہ عبارت ہے جو ہماری کلام قدیم کو پورا کردیتی ہے؛

یہ تقریر ہمارے علماء قدیم کی اُسی قسم کی تقریریں ہیں جن پر آج لوگ ہنستے ہیں اور قرآن مجید اور مذہب اسلام کو لغو سمجھتے ہیں؛

امام صاحب نے اسپر غور نہیں فرمایا ہے کہ خدا تعالی نے آنحضرت ہی میں ایسی سماعت یا لوح محفوظ میں سے پڑہنے کی قدرت یا جس جسم سے وہ اونچی نیچی آوازیں نکلتی تہیں اُن سے کلام سمجہہ لینے کی طاقت کیوں نہیں پیدا کی جو خدا کا کلام سُن لیتے اور سمجہہ لیتے تاکہ اس تکلیف کی جبرئیل سنیں پہر اُسکی عبارت بنائیں پہر آنحضرت کو آکر سُنائیں حاجت نہ رہتی ـ اسکی بہی تشریح امام صاحب نے نہیں فرمائی کہ اُن اونچی نیچی آوازوں سے آواز ملا لینے کے بعد جبرئیل کو خدا نے کیونکر بتایا کہ یہی وہ عبارت ہے ـ آیا اُنہیں اونچی نیچی آوازوں سے ؟ ـ اُن سے تو جاننا محال تہا کیونکہ دور لازم آتا ہے پہر اور کسی طرح بتایا ہوگا مگر پہلے ہی اسی طرح بتا دیا ہوتا ؛

ـ "ولا شك ان هذه هفوات ليس لها فى الاسلام نصيب"

نبوت کو بہی علماء متقدمین نے ایک عہدہ سمجہا ہے کہ خدا جسکو چاہتا ہے یا جسکو منتخب کرتا ہے دیدیتا ہے جیسے بادشاہ اپنے بندوں میں سے کسی کو وزیر کسی کو دیوان کسی کو بخشی کر دیتا ہے اور وہ کسی منصب کو لیکر کام شروع کر دیتا ہے اور مبعوث ہونیکے یہی ٹہیک معنے اُنہوں نے سمجہے ہیں مگر میری سمجہہ میں یہ نہیں ہے ـ میں نبوت کو ایک فطری چیز سمجہتا ہوں ـ نبی کو ماں کے پیٹ میں ہی کیوں نہ ہو نبی ہوتا ہے "النبی نبیٌ و لو کان فی بطن اُمہ" جب پیدا ہوتا ہے تو نبی ہی پیدا ہوتا ہے جب مرتا ہے تو نبی ہی مرتا ہے ✦

نبی کا لفظ یہودیوں میں زیادہ تر مستعمل تہا وہ اس لفظ کو نبا سے مشتق کرتے تہے جسکے معنی خبر دینے کے ہیں وہ اسبات کے قائل تھے کہ انبیا مثل نجومیوں کے دنیا کی باتوں میں سے غیب کی بات یا آئندہ ہونے والی بات بتا دیتے تہے ـ شاید اتنا فرق سمجہتے ہوں کہ نجومی ستاروں کے حساب یا شیطان کے اسرار سے بتلاتے تہے اور انبیا ربانی کرشمہ سے ـ پس جو شخص پیشین گوئی نہیں کرتا تہا اُسکو نبی یا پیغمبر نہیں کہتے تہے مگر اسلام میں اور مسلمانوں میں یہ خیال نہیں ہے ـ وہ اُن سب کو جن پر خدا نے وحی نازل کی ہے نبی جانتے ہیں اور پیغمبر مانتے ہیں گو کہ اُس نے کوئی بہی پیشین گوئی نہ کی ہو ـ بلکہ مذہب اسلام تو یہ بتاتا ہے ـ کہ "لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا هُوَ" یہی سبب ہے کہ قرآن مجید میں ہر ایک صاحب وحی کو نبی یا پیغمبر کہا گیا ہے ـ جن میں سے اکثر کو جیسے داؤدؑ و سلیمانؑ کو یہودی نبی نہیں کہتے ـ بہر حال اس لفظی

بحث کو جانے دو نبوت درحقیقت ایک فطری چیز ہے جو انبیا میں بمقتضاء انکی فطرت کی مثل دیگر قوائی انسانی کے ہوتی ہے جس انسان میں وہ قوت ہوتی ہے وہ نبی ہوتا ہے اور جو نبی ہوتا ہے اُس میں وہ قوت ہوتی ہے جس طرح کہ تمام ملکات انسانی اوسکی ترکیب اعضا، دل و دماغ و خلقت کے مناسبت سے علاقہ رکھتی ہیں اسی طرح ملکہ نبوت بھی اُس سے علاقہ رکھتا ہے *

یہ بات کچھ نبوت ہی پر موقوف نہیں ہے۔ ہزاروں قسم کے جو ملکات انسانی ہیں بعض دفعہ کوئی خاص ملکہ کسی خاص انسان میں از روئے خلقت و فطرت کے ایسا قوی ہوتا ہے کہ وہ اسکا الم یا پیغمبر کہلاتا ہے لوہار بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے شاعر بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے مگر جو شخص روحانی امراض کا طبیب ہوتا ہے اور جسمیں اخلاق انسانی کی تعلیم و تربیت کا ملکہ بمقتضاء اُسکی فطرت کے خدا سے عنایت ہوتا ہے وہ پیغمبر کہلاتا ہے اور جسطرح کہ اور قوائے انسانی بمناسبت اُسکے اعضا کے قوی ہوتے جاتے ہیں اسی طرح یہ ملکہ بھی قوی ہوتا جاتا ہے اور جب اپنی پوری قوت پر پہونچ جاتا ہے تو اُس سے وہ ظہور میں آتا ہے۔ جو اُسکا مقتضا ہوتا ہے جسکو عرف عام میں بعثت سے تعبیر کرتے ہیں *

خدا اور پیغمبر میں بجز اُس ملکہ نبوت کے جسکو ناموس اکبر اور زبان شرع میں جبرئیل کہتے ہیں۔ اور کوئی ایلچی پیغام پہونچانے والا نہیں ہوتا۔ اُسکا دل ہی وہ آئینہ ہوتا ہے جس میں تجلیات ربانی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے اُسکا دل ہی وہ ایلچی ہوتا ہے جو خدا پاس پیغام لے جاتا ہے اور خدا کا پیغام لیکر آتا ہے وہ خود ہی وہ مجسم چیز ہوتا ہے جس میں خدا کے کلام کی آوازیں نکلتی ہیں وہ خود ہی کان ہوتا ہے جو خدا کے بے حرف و بے صوت کلام کو سنتا ہے خود اُسی کے دل سے فوارہ کی مانند وحی اُٹھتی ہے اور خود اُسی پر نازل ہوتی ہے اُسکا عکس اُسکی دل پر پڑتا ہے جسکو وہ خود الہام کہتا ہے اُسکو کوئی نہیں بلواتا بلکہ وہ خود بولتا ہے اور خود ہی کہتا ہے " وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ "

جو حالات و واردات ایسے دل پر گذرتے ہیں وہ بھی بمقتضائے فطرت انسانی اور سب کے سب قانون قدرت کے پابند ہوتے ہیں وہ خود اپنا کلام نفسی ان ظاہری کانوں سے اسی طرح سنتا ہے جیسے کوئی دوسرا شخص اس سے کہ رہا ہے وہ خود اپنے آپ کو ان ظاہری آنکھوں سے

اسی طرح پر دیکھتا ہے جیسے دوسرا شخص اسکے سامنے کھڑا ہوا ہے ؂

ہم بطور تمثیل کے گو وہ کیسی ہی کم رتبہ ہو اسکا ثبوت دیتے ہیں ہزاروں شخص ہیں جنہوں نے مجنونوں کیحالت دیکھی ہوگی وہ بغیر بولنے کے اپنے کانوں سے آوازیں سُنتے ہیں۔ تنہا ہوتے ہیں مگر اپنی آنکھوں سے اپنے پاس کسی کو کھڑا ہوا باتیں کرتا دیکھتے ہیں وہ سب اُسی کے خیالات ہیں جو سب طرف سے بیخبر ہو کر ایک طرف مصروف اور اسمیں مستغرق ہیں اور باتیں سُنتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں۔ پس ایسے دل کو جو فطرت کی رُو سے تمام چیزوں سے بے تعلق ہو اور روحانی تربیت پر مصروف اور اُس میں مستغرق ہو ایسے واردات کا پیش آنا کچھ بھی خلاف فطرت انسانی نہیں ہے۔ ہاں اُن دونوں میں اتنا فرق ہے کہ پہلا مجنون ہے اور پچھلا پیغمبر۔ گو کافر پچھلے کو بھی مجنوں بتاتے تھے ؂

پس وحی وہی چیز ہے جسکو قلب نبوت پر بسبب اُسی فطرت کے مبداء فیاض نے نقش کیا ہے وہی انتقاش قلبی کبھی مثل ایک بولنے والی آواز کے انہیں ظاہری کانوں سے سُنائی دیتا ہے اور کبھی وہی نقش قلبی دوسرے بولنے والے کی صورت میں دکھائی دیتا ہے مگر بجز اپنے آپکے نہ وہاں کوئی آواز ہے نہ بولنے والا ؂

خدا نے بہت سی جگہ قرآن مجید میں جبرئیل کا نام لیا ہے مگر سورہ بقر میں اسکی ماہیت بتا دی ہے جہاں فرمایا ہے کہ جبرئیل نے تیرے دل میں قرآن کو خدا کے حکم سے ڈالا ہے دل پر اتارنے یا دل پر ڈالنے والی وہی چیز ہولی ہے جو خود انسان کی فطرت میں ہو نہ کوئی دوسری چیز جو فطرت سے خارج اور خود اسکی خلقت سے جسکے دل پر ڈالی گئی ہے جداگانہ ہو۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اُسی ملکہ نبوت کا جو خدا نے انبیاء میں پیدا کیا ہے جبرئیل نام ہے۔ یہی مطلب قرآن کی بہت سی آیتوں سے پایا جاتا ہے جیسے کہ سورہ قیامت میں فرمایا ہے کہ "اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ" یعنے ہمارا ذمہ ہے وحی کو تیرے دل میں اکٹھا کر دینا اور اس کو پڑھ دینے کا "فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ" پھر جب ہم اُسکو پڑھ چکیں تو اُس پڑھنے کی پیروی کر "ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ" پھر ہمارا ذمہ ہے اُسکا مطلب بتانا۔ ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اور پیغمبروں کوئی واسطہ نہیں ہے خود خدا ہی انبیاء کے دل میں وحی جمع کرتا

ہے وہی پڑہتا ہے وہی مطلب بتاتا ہے اور یہ سب کام اُسی فطری قوت نبوت کے ہیں جو خدا تعالیٰ نے مثل دیگر قوائی انسانی کے انبیاء میں بمقتضائے ان کی فطرت کے پیدا کئے ہیں اور وہی قوت ناموس اکبر ہے اور وہی قوت جبرئیل پیغمبر +

اسی طرح خدا تعالیٰ سورۃ النجم میں فرماتا ہے " وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى " یعنے (حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم) اپنی خواہش نفس سے نہیں کہتا مگر یہ تو وہ بات ہے جو اسکے دل میں ڈالی گئی ہے " عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْ مِرَّةٍ " اُس کو سکہایا ہے بڑے قوت والے صاحب دانش نے " فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى " پہر ٹھہرا۔ اور وہ بہت بلند کنارے پر تہا " ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى " پھر پاس ہوا اور ادہر کہڑا ہوا ۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۔ پہر دو کمانوں یا اُس سے بہی کم فاصلہ رہگیا ۔ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى ۔ پہر اپنے بندے کے دل میں ڈالی وہ بات جو ڈالی ۔ یہ تمام مشاہدہ اگر انہیں ظاہری آنکہوں سے تہا تو وہ عکس خود اپنے دل کے تجلیات ربانی کا تہا جو بمقتضائے فطرت انسانی و فطرت نبوت دکہائی دیتا تہا اور دراصل بجز ملکہ نبوت کے جسکو جبرئیل کہو یا اور کچہہ ۔ کچہہ نہ تہا +

علماء اسلام نے انبیاء اور عام انسانوں میں بجز اسکے کہ اُن کو ایک عہدہ مل گیا ہے جو ممکن تہا کہ اُن میں سے بہی کسی کو ملجاتا اور کچہہ فرق نہیں سمجہا اور اسلئے اشاعرہ و ماتریدیہ نے نبی اور اُمت کی مثال سلطان اور رعیت کی سمجہی ہے مگر میری سمجہہ میں یہ مثال ٹہیک نہیں ہے ۔ نبی اور اُمت کی مثال راعی وغنم کی سی ہے گو وہ اور امت انسانیت میں شریک ہیں جیسے کہ راعی وغنم حیوانیت میں مگر نبی اور اُمت میں فطرت نبوت کی ایسی فصل ہے جیسے کہ راعی اور غنم میں ناطقیت کی +

قرآن مجید کا نجماً نجماً نازل ہونا بہی بڑی دلیل اسبات کی ہے کہ بمقتضائے اُسی فطرت کے نازل ہوا ہے +

ہم بمقتضائے فطرت انسانی یہ بات دیکہتے ہیں کہ تمام ملکات انسانی کسی محرک یعنی کسی امر کے پیش آنے پر اپنا کام کرتے ہیں ۔ اسی طرح ملکہ نبوت بہی جبہی اپنا کام کرتا ہے جبکہ

کوئی امر پیش آتا ہے۔ ہمارے دل میں سینکڑوں مضمون ہوتے ہیں۔ سینکڑوں نصیحتیں ہوتی ہیں۔ اشعار یاد ہوتے ہیں۔ دوستوں کی صورتیں اور مکان کی باغوں کی اور جنگلوں کی تصویریں دماغ میں موجود ہوتی ہیں مگر جب تک اُنپر متوجہ ہونیکا کوئی سبب نہ ہو وہ سب بے معلوم رہتی ہیں۔ یہی حال ملکہ نبوت کا ہے نبی مع اپنے ملکہ نبوت کے موجود ہوتا ہے کھاتا ہے۔ پیتا ہے۔ سوتا ہے۔ جاگتا ہے۔ دنیوی باتیں جنکو نبوت سے کچھ تعلق نہین ہے اسی طرح پر کرتا ہے جسطرح کہ اور تمام انسان کرتے ہیں مگر جب کوئی ایسا امر پیش ہوتا ہے۔ جو اس ملکہ نبوت کی تحریک کا باعث ہو۔ اُسوقت وہ ملکہ نبوت اپنا کام کرتا ہے اسی باریک دقیقہ کی طرف خدا نے اشارہ کرنے کو اپنے نبی کی زبان سے یہ کہوایا " قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ " اور خود آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ " انما انا بشر اذا امرتکم لشئی من امر دینکم فخذوبہ و اذا امرتکم لشئی من رائی فانما انا بشر رواہ مسلم " یعنی میں بھی تو انسان ہی ہوں۔ جب تمکو تمہارے دین کی کسی بات کا حکم دُوں تو اُسکو مان لو اور جب میں کوئی بات اپنی راے سے کہوں تو بیشک میں بھی انسان ہوں۔ مسلم نے اسکو روایت کیا ہے

یہ ہے وحی والہام ونبوت کی حقیقت جو ہم نے بیان کردی۔ اب ہم قرآن کی آئت ذیل سے استدلال کرکے کہتے ہیں کہ ہم یقین کرتے ہیں کہ خدا نے اپنے پیغمبروں پر کتابیں نازل فرمائیں اور اُن سب پر ہم ایمان رکھتے ہیں سورۃ آل عمران آئت ۷۸۔ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ (ترجمہ) کہدے (اے پیغمبر) کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اُسپر جو ابراہیمؑ اور اسمعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اسکے پوتوں پر اُتارا گیا اور اسپر جو موسیؑ اور عیسیؑ اور تمام نبیوں کو اُن کے پروردگار کے پاس سے دیا گیا۔ ہم فرق نہیں کرتے کسی میں ان میں سے اور ہم اُسی کے فرمان بردار ہین

قرآن مجید کی آئتوں سے ہمکو معلوم ہوا ہے کہ توریت۔ زبور۔ انجیل اور قرآن مجید اور دیگر صحف انبیاء خدا کی بھیجی ہوئی کتابیں ہیں جو انبیا علیہم السلام پر خدا نے انسانوں کی ہدائت کے واسطے نازل فرمائیں وہ سب کی سب سچی اور برحق ہیں لیکن اُنکی تعداد کا حصر مذکور نہیں اور نہ وہ

سب کی سب اسوقت موجود ہیں بلکہ بہت سی اُن میں سے زمانہ کی دستبرد سے ضائع ہو چکی ہین اور جسقدر بھی موجود ہیں۔ اُنکی نسبت ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ اُنمیں ایسی کتابیں بھی شامل ہیں جو یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے ہاتھ سے لکھیں اور مشہور کیا کہ یہ بھی خدا کی دی ہوئی ہیں۔ اسواسطے بدون کامل اور مکمل تحقیقات کےاور اصلی سچی کتابوں کو جھوٹی کتابوں سے تمیز کر لینے کے ہم ہر ایک کتاب کی نسبت اس امر کی تصدیق نہیں کر سکتے۔ کہ یہ کتاب مُنزل من اللہ ہے۔ اور نہ کسی کتاب کی نسبت ہم جھوٹی ہونیکا اعتقاد کر سکتے ہیں جبتک کہ اُس کی جھوٹی ہونے کا ثبوت ہو۔ کتابوں کی معتبری اور غیر معتبری دریافت کرنے کا اصلی مدار اسکے مصنف کی معتبری اور غیر معتبری پر ہے۔ پس جس کتاب کی معتبری اور غیر معتبری دریافت کرنی ہو تو اوّل یہ بات دیکھنی چاہیئے کہ اسکا لکھنے والا معتبر شخص ہے یا نہیں؟ اگر معتبر ہے تو وہ کتاب بھی معتبر ہے اور اگر معتبر نہیں ہے تو وہ کتاب بھی معتبر نہیں ہے۔ پھر اگر وہ کتاب معتبر شخص کیطرف منسوب ہوتی ہے تو اِس بات کی سند درکار ہوتی ہے کہ درحقیقت یہ کتاب اُسی شخص کی لکھی ہوئی ہے جسکی طرف وہ منسوب ہے۔ اور یہ بات ثابت نہیں ہوتی جبتک ہمارے زمانہ سے اس کتاب کے لکھنے والے تک سند متصل ہمارے پاس نہو اور سند متصل ہم اسکو کہتے ہیں کہ کسی معتبر شخص نے اُس کتاب کو اصل لکھنے والے سے پڑھا ہو۔ پھر اُس سے دوسرے نے پھر اُس سے تیسرے نے یہاں تک کہ ہمارے زمانہ تک اسیطرح اسکی گواہی پہنچی ہو۔ جیسا کہ قرآن مجید کی سند متصل ہزاروں اور لاکھوں بلکہ کروڑوں تک اشخاص کے پاس ہر زمانہ میں موجود چلی آئی ہو۔

مگر افسوس کہ ایسی سند متصل ان کتابوں کی موجود نہیں ہے اور اسی واسطے ہم نہ ان کی تصدیق کرتے ہیں نہ تکذیب۔ جب تک کہ ہم ان کی نسبت کامل تحقیقات کر کے اُن کو سچا یا جھوٹا قرار نہ دے لیں۔ اِسی واسطے ہم نے آیت سورۂ آل عمران پر جس میں ان کتابوں پر جو خدا کی طرف سے نبیوں پر اُتاری گئیں مجملاً ایمان لانے کا اشارہ ہے استدلال کیا ہے +

عقیدہ دہم

وَالْقُرْاٰنُ مَحْفُوْظٌ عَنِ الزِّیَادَۃِ وَالنُّقْصَانِ وَھُوَ مَوْجُوْدٌ فِی الدَّفَّتَیْنِ وَھُوَ جَامِعٌ وَّمَانِعٌ

یعنی قرآن مجید جو بین الدفتین ہماری ہاتھوں میں موجود ہے۔ زیادتی اور کمی سے محفوظ ہے اور جامع و مانع ہے

قرآن مجید بلا شبہ لفظ بلفظ منزل من اللہ ہے اور کل کا کل محفوظ ہے نہ اس میں سے کچھ رہگیا ہے اور نہ اُس میں کچھ زیادہ ہُوا ہے

بعض علما نے قرآن مجید کی حالت کی نسبت ایسی ایسی غلطیاں کی ہیں کہ اگر وہ قول غلط نہ مانے جاویں تو معاذ اللہ قرآن کا غلط اور غیر منزل من اللہ بلکہ محرف ماننا پڑیگا ؀

علامہ سیوطی نے ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے کہ قال (ابن عمر) "لا یقولن احدکم قد اخذت القران کلہ وما یدریہ ما کلہ قد ذھب منہ کثیر" اور حضرت عائشہ کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے کہ قالت "کانت سورۃ الاحزاب بقرائی زمان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ماتی ایۃ فلما کتب عثمان المصاحف لم تقدر منھا الا الی ما ھو الان" اور ابی بن کعب سے نقل کی گئی ہے "اذا زناء الشیخ والشیخۃ فارجموا ھما البتہ نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم" اور ابو موسی اشعری کی طرف یہ روائت نقل کی گئی ہے کہ ہم ایک سورۃ پڑھا کرتے تھے۔ کہ اب اُس میں سے یہ آئت یاد رہگئی ہے کہ "یا ایھا الذین اٰمنوا لم تقولون مالا تفعلون فتکتب شھادۃ فی اعناقکم" علاوہ ان کے اور بہت سی لغو روائتیں ہیں جن سے قرآن کا جامع نہونا پایا جاتا ہے قرآن کے مانع نہ ہونے کی روائتیں بھی موجود ہیں۔ عبد اللہ ابن مسعود کی طرف سے روائت کی گئی ہے کہ وہ سورہ فاتحہ اور

معوذتین کو قرآن نہ سمجھتے تھے۔ کما قال الامام فخرالدین الرازی "ان ابن مسعود کان ینکر کون سورة الفاتحة والمعوذتین من القرآن" اور وہ اپنے قرآن میں ان سورتوں کو لکھتے بھی نہ تھے "اخرج احمد وابن حبان عنہ ای عن ابن مسعود انہ کان لا یکتب المعوذتین فی مصحفہ" بلکہ جس قرآن میں وہ ان سورتوں کو لکھا پاتے مٹا دیتے تھے "عن ابن یزید الخفی کان عبداللہ بن مسعود یحک المعوذتین من المصحف وکان عبداللہ لا یقرأ بھما"

ایسی روائتیں بلاشبہ جھوٹی ہیں اور یہ ایسے لوگوں کا افترا معلوم ہوتا ہے جو بلاشبہ مومنین کے پردہ میں منافق اور دشمن اسلام تھے ؀

یا مثلاً ایسی روائتیں جن میں یہ درج ہے کہ قرآن مجید میں معاذاللہ فلاں آیت میں فلانے اصحاب سے توارد ہوا ہے اور فلانے فلانے اصحاب کے منہ سے نکلی تھی اور پھر ویسی کی ویسی ہی نازل ہو گئی معاذاللہ من ھفواتھم۔ پس ایسی روایات بالکل پایہ اعتبار سے ساقط ہیں خواہ کیسے ہی ثقہ اُن کے راوی ہوں کیونکہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے کہ "نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ"

عقیدہ یازدہم

وَلَيْسَ فِي الْقُرْآنِ النَّاسِخُ وَالْمَنْسُوْخُ

یعنے قرآن میں ناسخ و منسوخ نہیں ہے

ہم یقین کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ نہیں ہے یعنے کسی ایک آیت سے دوسری آیت منسوخ نہیں ہوئی ؀

نسخ کے معنے لغت میں کسی شئے کے دور کرنے اور باطل کر دینے کے ہیں خواہ اُسکی جگہ کوئی دوسری چیز قائم ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو مگر جب اس لفظ کو کسی خاص علم میں استعمال کیا

جاویگا۔ مثلاً شرع مین تو نسخ کے معنے یہ ہونگے کہ ایک شرعی حکم کا کسی دوسری شرعی حکم سے زائل یا متغیر یا باطل ہونا۔" پہلا حکم منسوخ کہلائیگا اور دوسرا حکم ناسخ۔

ناسخ کے معنے علمائے اسلام نے یہ قرار دئے ہین کہ "ناسخ سے مراد ایک ایسے شرعی قاعدہ سے ہے۔ جو اسبات پر دلالت کرے کہ اُس سے پہلے جو حکم بقاعدہ ثابت ہوچکا تہا اسکے بعد نہین رہا۔ ایسی حالت مین کہ اگر پہلا حکم نہ ہوتا تو وہ پہلا حکم ثابت اور قائم رہتا" اس تعریف مین جو قیدین علماء نے لگائی ہین۔ اسکے یہ فائدے بتاتے ہین کہ قاعدہ شرعی کی جو قید لگائی ہے وہ اسلئے لگائی ہے کہ اُس مین خدا اور رسول کے قول و فعل شامل ہوجاوین اور اجماع اُمت علی احدالقولین خارج ہوجائے کیونکہ جو طریق شرعی کی تفسیر بیان ہوئی ہے اُسمین اجماع داخل نہین ہوتا۔ اور اُس سے یہ بھی لازم نہین آتا کہ حکم کسی مدت یا شرط یا استثنا پر مقید ہو۔ کیونکہ ایسی حالت کی جو شرط لگائی ہے اُس سے یہ سب خارج ہوجاتے ہین اور اُس سے یہ بہی لازم نہین آتا کہ اگر خدا نے ہمکو کسی ایک کام کرنیکا ایک دفعہ حکم دیا اور پھر اُس کام کی مانند دوسرا کام کرنے کو منع کیا تو یہ حکم اُسکا ناسخ ہوگا کیونکہ اگر یہ منع نہوتا تب بہی وہ حکم ثابت تہا؛

یہ تعریف ناسخ کی جو گویا ناسخ و منسوخ دونون کی تعریف ہے ظاہر ہے کہ منصوص نہین ہے یعنے ظاہر ہے کہ یہ تعریف ناسخ و منسوخ کی نہ خدا نے بتائی ہے نہ رسول نے بتائی ہے بلکہ علماء نے خود اپنے قیاس اور خیال اور استنباط سے قائم کی ہے اور کسی مسلمان پر واجب نہین ہے کہ خواہ نخواہ اس تعریف کو تسلیم کرے؛

جسوقت نسخ کو شرع سے متعلق کیا جائیگا۔ تو اُسوقت حیثیت کو اُسکا جزو قرار دینا واجب و لازم ہوگا۔ کیونکہ جسقدر احکام شرعی ہین وہ سب کسی نہ کسی حیثیت پر مبنی ہین پس اگر باوجود بقا اُس حیثیت کے جسپر وہ حکم صادر ہوا تہا دوسرا حکم برخلاف پہلے حکم کے صادر کیا جاوے تو کہا جاویگا کہ دوسرا حکم ناسخ ہے اور پہلا حکم منسوخ اور اگر وہ حیثیت جسکی بنا پر پہلا حکم صادر ہوا تہا موجود نہ رہے تو دوسرا حکم پہلے کا حقیقتاً ناسخ نہین ہے گو مجازاً ایک کا دوسرے کو ناسخ کہین؛

ذات باری کے تنزہ اور اسکے تقدس مین اور اسکے علم و دانش مین نقصان اُسی وقت لازم آتا ہے جب کہ ایک حیثیت کے لحاظ سے کوئی حکم دیا ہو اور پھر باوجود ہونے اُسی حالت و حیثیت کے دوسرا حکم اسکے مخالف دیا ہو۔ لیکن اگر حالت اور حیثیت مختلف ہو گئی ہو، تو دوسرا حکم دینا اُسکے تقدس کو کچھہ نقصان نہین پہونچاتا بلکہ نہ دینا اسکے تقدس اور علم و دانش کو نقصان پہنچاتا ہے بلاشبہ ایسے احکام بھی موجود ہین جو شرائع سابقہ مین مامور بہ تھے اور شرائع مابعد مین مامور بہ نہین رہے یا بالفرض ہم تسلیم کرلین کہ خود مذہب اسلام ہی مین اول کوئی حکم مامور بہ تھا اور پھر بعد کو مامور بہ نہین رہا اور یہ بھی ثابت ہو کہ حیثیت اور حالت متحد نہین رہی تھی تو ایک دوسرے کا ناسخ قرار نہین پاسکتا کیونکہ پہلا حکم اُس حالت اور حیثیت کے مطابق تھا جو دوسرے حکم تک موجود رہی اور دوسرا حکم اُس حیثیت اور حالت کے مطابق ہے جو اب پیدا ہوئی ہے ❊

تمام قرآن مین کوئی ایسا حکم نہین پایا جاتا جسکو ناسخ یا منسوخ کہہ سکین قول و فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی حکم قرآنی کا ناسخ نہین ہوسکتا جب کہ قرآن سے قرآن کا حقیقتاً منسوخ ہونا درست نہین ہے تو حدیث سے اُسکا حقیقتاً منسوخ ہونا کیونکر درست ہوسکتا ہے خواہ وہ حدیث خبر احاد کا درجہ رکھتی ہو یا حدیث مشہور کا یا لوگون نے معناً یا لفظاً اسکو متواتر کے درجے تک سمجھا ہو ❊

غرض کہ جبتک حیثیت اور حالت متحد ہے دو متضاد حکم منجانب اللہ صادر نہین ہوسکتے لیکن جب حیثیت بدل جاوے تو پھر اُسکی بجائے کسی دوسرے حکم کا مناسب حیثیت اُسوقت کے آنا ضروری ہے اور ایسا حکم ناسخ پہلے حکم کا نہین ہوسکتا ❊

مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝	نہین دوست رکھتے اہل کتاب مین سے وہ لوگ جنھون نے انکار کیا اور نہ مشرک کہ اُتاری جاوے تم پر کچھہ بھلائی تمھارے پروردگار سے اور اللہ مخصوص کرتا ہے اپنی رحمت جس کو چاہے

اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے ❊

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ	ہم آئت مین سے منسوخ کرتے ہین یا ہم اُسکو بھلا دیتے ہین تو اُس سے بہتر یا اُسکی مانند لاتے ہین۔ کیا تو نہین جانتا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ؀

آئت کے معنے لغت مین علامت یا نشانی کے ہین اور علامت ہمیشہ اُس پر جسکی وہ نشانی ہے دلالت کرتی ہے پس آئت کے معنے دلالت کرنیوالے کے ہوئی جیسا کہ امام فخرالدین رازی نے بھی اپنی تفسیر مین لکھا ہے "ان الایۃ ھی الدالۃ" اور چونکہ قرآن مجید کے فقرے بھی خدا کی وحدانیت اور انبیاء کی نبوت اور احکام و شریعت پر دلالت کرتے ہین۔ اسلئے اسکے ہر فقرہ کو بھی آئت کہتے ہین جیسا کہ تفسیر معالم التنزیل مین "وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ" کی تفسیر مین لکھا ہے۔ واضحات مفصلات بالحلال والحرام والاحکام" جو علماء کہ قرآن مین نسخ کے قائل ہین وہ اس آئت "مَا نَنْسَخْ" پر استدلال کرتے ہین لیکن اس آئت کو آئت ماسبق سے ملا کر پڑھنے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہی کہ اسمقام پر آئت کے لفظ سے قرآن کی آئت مراد نہین ہے بلکہ موسوی شریعت کے احکام جو شرع محمدی مین تبدیل ہوگئے یا جن احکام شریعت موسوی کو یہودیون نے بھلا دیا تھا وہ مراد ہین پہلی آئت مین خدا تعالی نے فرمایا ہے کہ اہل کتاب اس بات کو دوست نہین رکھتے کہ خدا کی طرف سے تم پر کچھہ بھلائی اُترے اور بھلائی سے علانیہ مراد قرآن اور احکام شریعت ہین اہل کتاب جو اس بات کو دوست نہین رکھتے تھے اسکی صاف صاف دو وجہین تہین اول یہ کہ تمام انبیاء بنی اسرائیل مین گذرے تھے اور اُن کو پسند نہین تہا کہ بنی اسمٰعیل مین جنکو وہ بالطبع حقیر بھی سمجھتے تھے۔ کوئی نبی پیدا ہوا ہو اور جسکی نسبت خدا نے فرمایا کہ اللہ مخصوص کرتا ہے اپنی رحمت سے جسکو چاہتا ہے دوسری وجہ یہ تہی کہ احکام شریعت محمدی کے موسوی شریعت کے احکام سے کسیقدر مختلف تھے اور یہودی اپنی شریعت کی نسبت سمجھتے تھے کہ وہ دائمی ہے اور کبھی کوئی حکم اُسکا تبدیل نہین ہونے کا۔ اسکی نسبت خدا تعالی نے فرمایا کہ جو آئت کہ ہم منسوخ کرتے ہین یا بھلا دیتے ہین تو اسکی جگہ اُسی کی مانند یا اُس سے بہتر آئت دیتے ہین اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسمقام مین آئت کے لفظ سے قرآن کی

آئت مراد نہین ہے بلکہ موسوی شریعت کے احکام جو شرع محمدی مین تبدیل ہو گئے یا جن احکام شریعت موسوی کو یہودیون نے بہلا دیا تہا وہ مراد ہین *

اکثر مفسرین نے اس آئت مین جو لفظ آئت ہے اُسکو قرآن مجید کی آئتوں پر محمول کیا ہے۔ اور یہ سمجہا ہے کہ قرآن مجید کی ایک آئت سے دوسری آئت منسوخ ہوجاتی ہے اور اسپر بس نہین کیا بلکہ " ننسہا " کے لفظ سے یہ قرار دیا کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم بعض آئتون کو بھول بھی گئے تھے اور اس بناپر بہت سی روائتین اپنی تفسیرون مین درج کردین مگر وہ روائتین بالکل صحیح نہین ہین انہین روائتون کی بناپر انہون نے قرآن کی آئتون کو چار قسم پر تقسیم کیا ہے *

اول وہ آئتین جنکی تلاوت اور احکام دونون بحال ہین وہ سب آئتین قرآن مین موجود ہین

دوم وہ آئتین جنکی تلاوت بحال ہے اور احکام منسوخ ہوگئے ہین ان آئتون کی نسبت بہی کہتے ہین کہ قرآن مین موجود ہین *

سوم وہ آئتین جنکی تلاوت منسوخ ہوگئی ہے مگر احکام بحال ہیں *

چہارم وہ آئتین جنکی تلاوت اور احکام دونون منسوخ ہوگئے ہین *

تیسری اور چوتہی قسم کی آئتون کی نسبت لکھتے ہین کہ قرآن مین موجود نہین ہین مگر ان جہوٹی روائتون مین اُنکا موجود ہونا بیان کرتے ہین۔

لیکن برخلاف اسکے ہمارا یقین ہے کہ جو کچھ خدا کی طرف سے اُترا وہ بے کم و کاست موجودہ قرآن میں جو درحقیقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں تحریر ہوچکا تہا موجود ہی اور کوئی حرف بھی اُس سے خارج نہیں ہے اور نہ قرآن مجید کی کوئی آئت منسوخ ہے نہ ناسخ بلکہ احکام ادیان سابقہ کی نسبت بہی لفظ نسخ کا مجازی معنے مین استعمال ہُوا ہی۔

ابو مسلم کا بہی یہی عقیدہ ہے کہ قرآن میں نسخ واقع نہیں ہُوا اور اسکا قول ہی کہ آیات منسوخہ سے مراد وہ شریعتیں ہیں جو کتب متقدمہ یعنی توریت اور انجیل میں تہیں جیسے کہ سبت کا ماننا اور مشرق اور مغرب کیطرف نماز کا پڑھنا اور اسی قسم کے حکموں کی مانند جو اللہ نے ہم سے دور کردئے ہیں اور ہم بغیر اسکے عبادت کرلیتے ہیں اور یہود و نصاری کہتے تھے کہ بجز

اُسکے جو ہمارے دین کا تابع ہو اور کسی پر ایمان نہ لاؤ پس اللہ نے اس آئت سے اُسکو باطل کردیا۔

بعض آدمیوں نے اسکا یہ جواب دیا ہے کہ آئت کا لفظ جبکہ اطلاق کیا جاتا ہے تو اُس سے قرآن ہی کی آئتیں مراد ہوتی ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہی آئتیں مقرر ہیں لیکن کوئی شخص اسکا جواب دے سکتا ہے کہ ہم یہ بات نہیں مانتے کہ آئت کا لفظ قرآن کی آئتوں سے مخصوص ہے بلکہ وہ عام ہے اور ہر دلیل پر بولا جاتا ہے ماخوذ از تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ ۴۶۰۔ امام فخرالدین رازی نے تسلیم کرلیا ہے کہ قرآن مجید میں منسوخ آئتیں ہونے پر اس آئت سے استدلال کرنا ٹھیک نہیں ہے اور اسلئے اُنہوں نے اور آئتوں سے استدلال کیا ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں وہ کہتے ہیں کہ ہمنے کتاب محصول میں جو اصول فقہ میں ہے تمام بحثیں جو عدم نسخ پر دلالت کرتی ہیں بیان کرکے ہمنے وقوع نسخ پر اسی آئت ما ننسخ پر استدلال کیا ہے مگر اس آئت پر استدلال کرنا ٹھیک نہیں ہے اسلئے کہ ما کا لفظ اسجگہ بطور شرط اور جزا کے ہے جیسے کہ تم کسی کو کہو کہ جو شخص تیرے پاس آوے تو اسکی تعظیم کر تو یہ کہنا کسی شخص کے آنے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ صرف اتنا نکلتا ہے کہ جب کوئی آوے تو اوسکی تعظیم کرنی واجب ہے اسی طرح یہ آئت بھی حصول نسخ پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اُس سے یہ نکلتا ہے کہ جب کوئی آئت منسوخ ہو تو اُسکو بدلے دوسری آئت جو اُس سے اچھی ہو لانی واجب ہے پس ٹھیک بات یہ ہے کہ نسخ کے ثبوت میں ہم اور آئتوں کو اختیار کریں یعنے اس آئت کو وَاِذَا بَدَّلْنَا اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ۔ اور اس آئت کو يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتٰبِ (ماخوذ از تفسیر کبیر صفحہ ۲۶۰)

پس امام صاحب نے اس امر کا تو اقبال کرلیا ہے کہ اس آئت سے نسخ پر استدلال نہیں ہوسکتا۔ لیکن بحوالہ صدر آئتوں سے بھی نسخ پر استدلال نہیں ہوسکتا۔

سورۃ رعد کی تمام آئت اسطرح پر ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ يَمْحُوا اللّٰهُ

مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتَابِ ۔ (ترجمہ) بے شک ہمنے تجہہ سے پہلے رسول بھیجے ہیں اور اُن کو بیبیاں اور اولاد دی ہے اور کوئی رسول نہیں کرسکتا کہ بغیر حکم خدا کے کوئی حکم لے آوے اور ہر ایک چیز کا ایک وقت لکھا ہوا یعنے مقرر ہے خدا جو چاہے مٹائے اور جو چاہے قائم رکھے اور اسکے پاس اصل کتاب ہے اس آئت سے صاف ظاہر ہے کہ جو کچھہ اس آئت میں بیان ہوا ہے وہ انبیاء سابق کی شریعت سے متعلق ہے نہ قرآن مجید کی آئتوں سے نتیجہ اس تمام آئت کا یہ ہے کہ انبیاء سابق کی شریعت میں سے جن احکام کو خدا چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور جن احکام کو چاہتا ہے اُٹھا دیتا ہے اس آئت سے کسی طرح یہ بات نہیں نکلتی کہ قرآن مجید کی ایک آئت دوسری آئت سے منسوخ ہوجاتی ہے پس یہہ آئت قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ ہونے پر کسی طرح دلالت نہیں کرتی مگر یہہ بحث باقی رہتی ہے کہ "اُمُّ الْکِتَابُ" کیا چیز ہے اگر اُمّ الکتاب سے لوح محفوظ مراد لی جاوے تو پھر لوح محفوظ کیا چیز ہے ۔ قلم سے کیا مراد ہے ؟ لوح سے کاٹھہ کی تختی اور قلم سے نرسل کا قلم ۔ علمائے اسلام نے نہیں مانا بلکہ اُن کے نزدیک بھی قلم معلومات کی صورتوں کو لوح پر نقش کرنے والی چیز ہے اور لوح وہ چیز ہے جسپر اُن معلومات کی صورتیں نقش ہوتی ہیں اسلئے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کا قلم اور اللہ کی لوح اُسکے انگلیوں اور اسکے ہاتھہ کے لائق ہوں اور یہ سب چیزیں ایسی ہوں جو اُسکی ذات کے لائق ہوں اور جسمیت سے پاک ہوں ۔ لیکن وہ کیا چیز ہے اسکو سمجھا نہیں سکتے ؛

لیکن ہم کہتے ہیں کہ قلم سے وہ چیز تعبیر کیگئی ہے جس سے وہ نتیجہ حاصل ہو جو قلم سے حاصل ہوتا ہے اور لوح سے وہ چیز تعبیر کی گئی ہے جس میں صور معلومات جسکو قلم نے ظاہر کیا ہے قائم اور موجود رہیں پس منجملہ صفات باری تعالیٰ جل شانہ کے ارادہ اور علم دو صفتیں ہیں جنکو لوح و قلم سے تعبیر کیا ہے ارادہ کو قلم سے اور علم کو لوح محفوظ سے کیونکہ اُسکے ارادہ نے تمام صور موجودات کو پیدا کیا ہے اور اُسکے علم میں تمام ماکان و مایکون یعنی جو کچھہ ہوا اور ہوتا ہے اور ہوگا سب موجود ہے ؛

علم کو لوح محفوظ سے تعبیر کرنیسے یہ راز بھی کھل جاتا ہے کہ خدا کا علم ماضی و حال و استقبال کا

بالکلیہ حالیہ ہے یعنے ماضی اور استقبال کو اُس میں گنجائش نہیں ہے ماضی و مستقبال بھی مثل حال کے اسی وقت علم الٰہی میں حاضر ہے جیسے کہ لوح میں صور معلومات کا جسکو قلم نے ظاہر کیا ہے قائم اور موجود رہنا*

جب لوح اور قلم اور اُم الکتاب کی یہ حقیقت ہے تو بلا شبہ اُسکے علم میں موجود ہے کہ فلاں شریعت کا فلانا حکم فلاں وقت تک قائم ہے اور اسکے بعد وہ اُٹھا دیا جاویگا اور اسی طرح اسکے علم میں ہے کہ اُس شریعت کے فلاں احکام رہینگے اور جو احکام اُٹھائے گئے ہیں انکی علت بہی اسکے علم میں ہے اُم الکتاب سے کسی نے یہ مراد نہیں لی کہ سچ مچ کی کوئی کتاب ایسی ہے جسکے مطابق قرآن مجید کی آیتوں میں تبدیل و تنسیخ ہولی رہتی ہے یہ دوسری آیت سورہ نحل کی ہے " وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰیَۃً مَّکَانَ اٰیَۃٍ وَّاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ فرماتاہے کہ جب ہم ایک حکم کی جگہہ دوسرا حکم بدلتے ہیں اور خدا جو حکم نازل کرتا ہے اُسکو خوب جانتا ہے تو کہتے ہیں کہ تو تو افترا ہی کرنے والا ہے حالانکہ اُن میں کے بہت سے نہیں جانتے اس آیت کی نسبت سوال یہ ہی " قَالُوْٓا " سے کون لوگ مراد ہیں ۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ " قالوا " کی ضمیر سے کفار مکہ مراد ہیں مگر یہ صحیح نہیں ہوسکتا اسواسطے کہ کفار مکہ نہ اُس پہلی آیت کو جو بدل گئی مُنزل من اللہ جانتے تھے اور نہ دوسری آیت کو جسنے پہلی آیت کو بدلا مُنزل من اللہ سمجھتے تھے بلکہ صرف یہود و نصاریٰ جو ان احکام قرآن مجید کو جو برخلاف احکام سابق توریت و انجیل کے تھے پیغمبر کا افترا سمجھتے تھے پس " قالوا " کی ضمیر انہیں یہود و نصاریٰ کی طرف پھرتی ہے نہ عام کفار کیطرف جو عموماً بُت پرست تھے اور وہ نہ احکام سابق کو مانتے تھے نہ احکام لاحق کو ۔ پس صاف ظاہر ہے کہ " بَدَّلْنَآ اٰیَۃً مَّکَانَ اٰیَۃٍ " سے تبدیل شرائع انبیاء سابق مراد ہے نہ تبدیل آیت قرآنی کی دوسری آیت سے ۔ تفسیر کبیر میں بہی ابو مسلم اصفہانی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس آیت میں شرائع سابق انبیاء کا تبدیل ہونا مراد ہے ۔ نہ قرآن مجید کے احکام میں ایک سے دوسرے کا منسوخ ہونا اور امام صاحب نے لکھا ہے کہ ابو مسلم اصفہانی برخلاف دیگر مفسرین کے مذہب اسلام میں ناسخ منسوخ کا بالکل قائل نہیں ہے*

عقیدہ دوازدہم

وَلِلّٰہِ مَلٰٓئِکَۃٌ

اور خدا کی مخلوقات فرشتے ہیں

پیشتر کہ ہم وجود ملائکہ پر بحث کریں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ کسی وجود کی تصدیق کی نسبت جو کچھ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ "التفرقہ بین الاسلام والزندقہ" میں تحریر فرمایا ہے درج کردیں تاکہ واضح ہوجائے کہ اس رسالے میں جسطرح پر تصدیق کسی وجود کی کسی عقیدہ کے ذیل میں درج ہوئی ہے وہ کسی طرح پر محققوں کے نزدیک اسکے مصدق کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتی گو عوام اُس کو کچھ ہی کہا کریں امام صاحب فرماتے ہیں کہ کسی خبر کی تصدیق صرف اُس خبر تک ہی نہیں ٹھہرتی بلکہ مخبر تک پہنچتی ہے اور اسکی حقیقت اُس چیز کے وجود کو تسلیم کرنا ہے جسکے وجود کی خبر رسول نے دی ہے لیکن وجود کے پانچ درجے ہیں اوّل وجود ذاتی۔ دوم وجود حسّی۔ سوم وجود خیالی چہارم وجود عقلی پنجم وجود شبہی شین اور بے کی فتحہ یعنی زبر سے ۔

پس جس چیز کے وجود کی رسول نے خبر دی ہے اور جس نے اُنکے وجود کو ان پانچ قسموں میں سے کسی قسم کے وجود کو تسلیم کیا ہے تو وہ اُسکی تصدیق کرتا ہے نہ تکذیب۔ اور اُسکی تشریح امام صاحب نے مثالوں سے بتائی ہے:۔

(۱) وجود ذاتی حقیقی وجود ہوتا ہے جو خارج میں موجود ہو اور حس اور عقل اُس سے اسکو سمجھے۔ جیسے کہ آسمان اور زمین اور جانور اور نباتات کا وجود ہے جو حقیقتاً موجود ہے اور سب جانتے ہیں بلکہ اکثر اُن سے بجز اُن کے وجود کے اور کوئی معنے ہی نہیں سمجھتے۔

(۲) وجود حسّی۔ ایسا وجود ہوتا ہے جو آنکھ میں محسوس ہوتا ہے مگر خارج میں اسکا وجود نہیں ہوتا اسکا وجود صرف حس ہی میں ہوتا ہے اور حس کرنیوالا ہی اسکو دیکھتا ہے اور کوئی

دوسرا شخص اُسکو نہیں دیکھتا جیسے کہ مریض جاگنے میں بعض دفعہ طرح طرح کی صورتیں اسطرح دیکھتا ہے جیسے کہ وہ اور تمام موجودات خارجی کو جو وجود حقیقی رکھتے ہیں دیکھتا ہے حالانکہ انکا وجود خارج میں کچھ نہیں ہوتا - بلکہ کبھی انبیاء اور اولیاء اللہ کو صحت کی حالت میں اور جاگنے میں ایک خوبصورت شکل جو فرشتہ کی خیال کیجاتی ہے دکھائی دیتی ہے اور اُس کے ذریعے سے اُن تک وحی والہام پہونچتا ہے جیسے کہ حضرت مریم کو ایک آدمی کی صورت دکھائی دی تھی جسکی نسبت خدا نے فرمایا ہے "فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا" اور جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کو بہت طرح کی صورتوں میں دیکھا ہے اور اصلی صورت میں دو دفعہ ہی دیکھا ہے اور جبکہ مختلف صورتوں میں دیکھا تھا تو صرف مثالی صورت تھی اور جیسے کہ کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھتا ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے مجھکو خواب میں دیکھا تو اُس نے مجھی کو دیکھا کیونکہ شیطان میری شبیہ نہیں بنتا اور آنحضرت کے دیکھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپکا جسم مطہر روضۂ مبارک سے نکلکر خواب دیکھنے والے کے پاس آجاتا ہے اور اُسکو دکھائی دیتا ہے بلکہ وہ دیکھنا اُس صورت کا ہے جو خواب دیکھنے والے کی حس میں ہے باقی تحقیق اس حدیث کی اور کتابوں میں لکھی گئی ہے ؛

اور اگر تجھکو ان باتوں پر یقین نہ ہو تو خود اپنی آنکھ پر تجربہ کر کے یقین کر لے - آگ کی ایک چنگاری ایک نقطہ کے برابر لے اور زور سے ہلا وہ تجھکو ایک آتشین لمبا خط دکھائی دیگی اُسکو چکر دے تو وہ ایک گول آتشین دائرہ معلوم ہوگی - حالانکہ نہ خط موجود فی الخارج ہے نہ دائرہ - بلکہ صرف تیری حس میں ہے اور موجود فی الخارج تو صرف وہ نقطہ ہے ؛

(۳) وجود خیالی :- اُن محسوس چیزوں کی صورت ہے جو ہمکو دکھائی دیتی ہیں جبکہ وہ ہمارے سامنے موجود نہ ہوں - تم آنکھیں بند کئے ہی ہاتھی اور گھوڑے کی صورت پیدا کر سکتے ہو - گویا تم اُسکو دیکھ رہے ہو - اور وہ ہو بہو پوری صورت و شکل کا تمہارے سامنے موجود ہے - مگر موجود فی الخارج کچھ بھی نہیں ؛

(۴) وجود عقلی :- ہر ایک چیز کی ایک حقیقت اور اُسکے لئے کوئی معنے یعنے غائت ہی - بس

جبکہ عقل اُس شئے کی غائت و مقصد کی طرف بلالحاظ اسکی صُورت ذاتی یا خیالی یا حسی کے منتقل ہوتی ہے تو اُس شئے کا وجود وجود عقلی ہوتا ہے مثلاً ہاتھ اُسکی ایک تو صُورت موجود فے الخارج ہے جو اُسکا وجود ذاتی ہے اور ایک اُسکا وجود حسی ہے اور ایک وجود خیالی ہے جسکی تفصیل اوپر بیان ہوئی مگر اُسکے سوا ہاتھ کے لیے ایک معنی بھی ہیں جو در اصل اُس کی حقیقت ہے - اور وہ کیا ہے پکڑنے کی قدرت - اور یہی عقلی ہاتھ ہے اور مثلاً قلم - اوسکی ایک صُورت ہے مگر اُسکے لئے ایک معنی بھی ہیں اور وہ کیا ہیں - علوم نقش کر دینا اور اس امر کو بغیر اسکے کہ قلم کو لکڑی یا نیزہ یا پر یا اسٹیل کی صُورت پر خیال کیا جاوے عقل تسلیم کر لیتی ہے اور یہی اُس کا وجود عقلی ہے ✦

(۵) وجود شبہی (بفتح شین و بلے موحدہ) وہ ہے کہ نفس شئے موجود نہ ہو نہ حقیقت میں اور نہ فے الخارج اور نہ فی الحس اور نہ فی الخیال اور نہ فے العقل بلکہ ایک ایسی چیز موجود ہو جو اُسکی کسی خاصیت یا صفت میں مشابہ ہو - اسکی مثال امام صاحب نے خُدا کی طرف غصہ اور شوق اور خوشی اور صبر اور اسیطرح کی باتوں کی نسبت کرنے کی دی ہے اور فرماتے ہیں کہ مثلاً غضب اُسکی حقیقت دِل میں خون کا جوش مارنا ہے اس مقصد سے کہ غصہ کرکے تسکین حاصل ہو اور یہ بات نقصان اور رنج سے خالی نہیں ہے پھر جس شخص کے نزدیک خدا کی طرف ذاتی یا خیالی یا حسی یا عقلی طور پر غضب کو منسوب کرنا دلیل سے محال ثابت ہوا ہے تو وہ اس سے ایک اور صفت کو مراد لیتا ہے جو غضب پر مبنی ہوتی ہے جیسے ارادہ عقاب اور ارادہ عقاب اور چیز ہے اور غضب اور چیز ہے - لیکن اُسکے صفات میں سے ایک صفت کے قریب قریب ہے اور ایک اثر ہے جو غضب سے صادر ہوتا ہے اور وہ خدا کی شان کے نامناسب نہیں ہے ✦

پھر امام صاحب ان پانچوں اقسام وجود کی مثالیں بیان فرماتے ہیں وجود ذاتی تو کچھ تاویل کا محتاج نہیں ہے - وجود حسی کی دو مثالیں دی ہیں پہلی مثال رسُول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا موت کی نسبت یہ فرمانا کہ قیامت کے دن ابلق مینڈھے کی صُورت میں موت لائی جاوے گی اور دوزخ و بہشت کے بیچ میں ذبح کر ڈالی جاوے گی - اسپر امام صاحب فرماتے ہیں کہ جو یہ دلیل لاتا ہے کہ موت عرض ہے یعنی یا تو خود علیحدہ موجود نہیں ہے بلکہ مُردہ میں پائی جاتی ہے یا زندہ میں

حیات موجود ہوتی ہے اسکے نہ ہونے کا نام موت ہے پس جبکہ وہ کوئی علیحدہ چیز نہیں ہے تو اُس کا مینڈھے کی صورت میں لایا جانا محال ہے تو وہ شخص اس حدیث کا یہ مطلب قرار دیتا ہے کہ قیامت میں ایسا ہوتا ہُوا دیکھیں گے اور اس مینڈھے کی صورت کو جو وہ دیکھیں گے موت سمجھینگے اور یہ صرف انکی حس میں موجود ہوگا نہ موجود فی الخارج اور جو شخص اس دلیل کو تسلیم نہیں کرتا وہ سمجھتا ہے کہ درحقیقت موت ہی مینڈھے کی صورت بنجاویگی اور وہی ذبح کی جاوے گی ؞

دوسری مثال وجود حسی کی رسُول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا جنّت کی نسبت یہ فرمانا ہے کہ مجھکو اس چار دیواری کے چوڑان کے اندر جنّت دکھلائی گئی - پس جو شخص یہ دلیل لاتا ہے کہ تداخل اجسام محال ہے اور چھوٹی چیز کے اندر بڑی چیز نہیں سما سکتی وہ اسکے معنے یہ کہتا ہے کہ خود جنت اُس چار دیواری میں نہیں چلی آئی تھی - لیکن اُس میں جنت کی صورت بنگئی تھی گویا کہ وہ دکھائی دیتی ہے اور بڑی چیز کا چھوٹی چیز میں دکھائی دینا غیر ممکن نہیں ہے جس طرح آسمان چھوٹے سے آئینہ میں دکھائی دیتا ہے اور اس طرح کا دکھلانا صرف خیال میں آنے سے بالکل جُدا چیز ہے اور یہ تفرقہ اُس وقت سمجھ میں آجاتا ہے جبکہ آسمان کو آئینہ میں دیکھو اور جبکہ آنکھ بند کرکے اُس کا خیال کرو تو آئینہ میں آسمان کی صُورت تخیل کی صُورت سے دوسری طرح پاؤ گے ؞

وجود خیالی کی مثال امام صاحب نے رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے دی ہے - کہ حضرت نے فرمایا ہے کہ گویا میں یونس ابن متی کو دیکھتا ہوں - اُسپر دو قطوانی عبائیں ہیں وہ لبیک کہتا ہے اور پہاڑ اُسکو جواب دیتے ہیں اور خدا کہتا ہے - لبیک اے یونس! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا فرمانا اسی پر مبنی ہے کہ حضرت کے خیال میں یہ صُورت بندھ گئی تھی اسلیئے کہ اسحالت کا وجود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود سے پہلے تہا اور وہ معدوم ہوگیا تہا اور وہ اسوقت موجود نہ تھا - اور یہ بھی ہوسکتا ہے - کہ حضرت کے حس میں یہ حالت اسطرح پر آئی تھی کہ اُسکو دیکھتے تھے جیساکہ خواب دیکھنے والا صورتیں دیکھتا ہے - لیکن یہ فرمانا کہ گویا میں دیکھتا ہوں اسبات کا اشارہ ہے کہ حقیقت میں دیکھنا

نہ تہا۔ اوراس غرض سے صرف مثال سے مطلب کا سمجہانا ہے نہ خاص اُس صورت کا ہونا۔

بہرحال جو چیز خیال میں بندھ جاتی ہے وہ دیکھتے ہی کی جگہ ہو جاتی ہے اور اسلئے وہ دیکہنا ہی ہوجاتا ہے ؛

وجود عقلی کی مثال رسُولخدا صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ چالیس دن تک خدا نے اپنے ہاتھ سے آدم کی مٹی کو گوندا ہے جس سے خدا کا ہاتھ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ پس جس شخص کے نزدیک دلیل سے ثابت ہُوا ہے کہ خدا کا ہاتہہ ہونا محال ہے جو ایک عضو محسُوسہ اور متخیلہ ہے تو وہ شخص اللہ کے لئے نقلی ہاتھ ثابت کرتا ہے یعنے جو حقیقت اور غائت ہاتھ کی ہے وہ خُدا میں ثابت کرتا ہے نہ ہاتھ کی صورت۔ ہاتھ کی حقیقت کیا ہے۔ پکڑنا۔ اُس سے کام کرنا۔ دینا۔ چھین لینا جو بواسطہ ملائکہ ہوتے ہیں ؛

رسُولخدا صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ خدا نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا اور کہا تیرے واسطے سے دُونگا اور نہ دُونگا۔ اور اس سے عقل کا عرض ہونا یعنے ذی عقل میں قائم ہونا نہیں پایا جاتا جیسا کہ متکلمین نے خیال کیا ہے کیونکہ ممکن نہیں ہے کہ عرض یعنے وہ چیز جو ایک دوسری چیز میں قائم ہو۔ سب سے اوّل مخلوق ہو بلکہ اُس سے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ مراد ہو سکتا ہے جسکا نام عقل ہے اس حیثیت سے کہ وہ انبیاء اور اولیاء اللہ اور تمام ملائکہ کے لوح دل پر حقائق علوم کو وحی اور الہام سے نقش کر دیتا ہے ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ سب سے پہلے خدا نے قلم کو پیدا کیا پس اگر عقل و قلم کو ایک نہ مانا جائے تو دونوں حدیثوں میں تناقض پیدا ہوتا ہے ایک شئے کے مختلف حیثیتوں سے متعدد نام ہو سکتے ہیں۔ عقل کا نام عقل باعتبار اُسکی ذات کے۔ اور ملک بلحاظ اُس نسبت کے جو اُسکو خدا کے ساتھ ہے اور خدا اور خلق میں واسطہ ہے اور قلم اس لحاظ سے کہ اسکے سبب الہام اور وحی سے علوم کا دلوں پر نقش ہوتا ہے نام رکھا جا سکتا ہے۔ جو شخص اس طرح پر قائل ہے اُسنے قلم اور ہاتھ کا عقلی وجود ثابت کیا ہے نہ حسی و خیالی۔ اسی طرح پر جو شخص اسبات کا قائل ہے کہ ہاتہہ سے مراد صفات باری کی صفتوں میں سے ایک صفت ہے خواہ اُس سے اُس نے صفت قدرت مراد لی ہو یا کوئی اور وہ بھی عقلی ہاتھ

کا مثبت ہے وجود شبہی کی مثال سابق میں گذر چکی ہے ؛

اِن پانچوں قسم کے وجود بیان کرنے کے بعد امام صاحب فرماتے ہیں کہ جس شخص نے شارع کے اقوال کو اِن قسموں میں سے کسی قسم پر تسلیم کیا تو وہ شارع کے قول کا تصدیق کرنے والا ہے نہ تکذیب کرنیوالا۔ تکذیب جبھی ہوگی جب وہ ان سب قسم کے معانی و مراد سے انکار کرے اور یہ گمان رکھے کہ جو کہا ہے اسکے کچھہ معنے نہیں ہیں اور وہ کذب محض ہے اور قائل کی غرض دھوکا دینا یا دنیاوی مصلحت ہے اور یہ محض کفر اور زندقہ ہے

اب ہم ملائکہ کے وجود پر بحث کرتے ہیں۔ ملک کے معنے ایلچی یا پیغامچی کے ہیں عبرانی ۔یونانی اور فارسی میں جو لفظ ملک کے لئے ہیں اُن سب کے معنے بھی ایلچی کے ہیں جو خدا کا پیغام نبیوں کو پہنچاتا ہے توریت میں بعض جگہہ عام ایلچی کے لئے بہی بولا گیا ہے اور بعض جگہ مذہبی پیشواؤں اور ابر اور ہوا اور وبا کے لئے ۔ مگر فرشتوں کے وجود کی نسبت لوگوں کے عجیب عجیب خیالات ہیں :-

انسان کی یہ ایک طبعی بات ہے کہ جب کسی ایسے مخلوق کا ذکر ہو جسکو وہ نہیں جانتا تو خواہ نخواہ اسکے دل میں اُس مخلوق کے ایک جسمانی جسم متحیز کا جس کے رہنے کی کوئی جگہ بھی ہو خیال جاتا ہے پھر اسکے اوصاف پر خیال کرتے کرتے اُسکی ایک صورت جو اُن اوصاف کی مقتضی ہوتی ہے اسکے خیال میں قرار پا جاتی ہے اور پھر وہ اس بات کو تو بھول جاتا ہے کہ میں اُس مخلوق کو نہیں جانتا نہ مینے اسکو کبھی دیکھا ہے اور یوں جاننے لگتا ہے کہ وہ مخلوق وہی ہے جو میرے خیال میں ہے اور جب وہ خیال لوگوں میں نسل در نسل چلا جاتا ہے تو ایسا مستحکم ہو جاتا ہے کہ گویا اُس میں شک و شبہ مطلق ہے ہی نہیں۔ یہی حال فرشتوں کی نسبت ہوا ہے ۔ اُنکو نوری سمجہکر گورا گورا سفید برف کا رنگ ۔ نوری شمع کی مانند باہیں۔ بلور کی سی پنڈلیاں ۔ ہیرے کے سے پاؤں۔ ایک خوبصورت انسان کی شکل مگر نہ مرد نہ عورت تصور کیا ہے (جیساکہ فرضی فرشتوں کی تصاویر اکثر اسی حلیہ کی دستی اور چھاپہ کے بازاروں میں فروخت ہوتی ہیں) آسمان اُن کے رہنے کی جگہ قرار دی ہے ۔ پھر آسمان سے زمین پر آنے اور زمین سے آسمان پر جانے کے لئے

اُن کے پر لگائے ہیں۔ کسی کو شاندار اور کسی کو غصہ ور و غضبناک۔ کسی کو کم شان کسی کو صور پھونکتا۔ کسی کو آتشیں کوڑے سے مینہہ برساتا خیال کیا ہے۔ بعض اقوام نے جو زیادہ غور اور فکر کی ہے تو اُن کے لئے نہ جسم مانا ہے اور نہ اُنکا متحیز ہونا تسلیم کیا ہے اور اس لئے فرشتوں کی نسبت انسانوں کے دو فرقے ہوگئے ہیں ایک وہ جو فرشتوں کے وجود اور اُنکے متحیز ہونے دونوں باتوں کے قائل ہیں اور ایک وہ جو فرشتوں کے متحیز ہونیکے قائل نہیں۔ بعض بت پرست سمجھتے تھے کہ فرشتے سعد اور نحس کواکب کی روحیں ہیں۔ مجوسی اور بعض بت پرستوں کا یہ خیال تہا کہ عالم کی ترکیب نور و ظلمت سے ہے اور نور و ظلمت دونوں موجود حقیقتیں ہیں مگر آپس میں مختلف اور ایک دوسرے کی ضد۔ نور کے بھی بال بچے پیدا ہوتے ہیں اور ظلمت کے بھی بال بچے پیدا ہوتے ہیں مگر نہ اس طرح جیسے کہ انسان اور حیوان جنتے جناتے ہیں بلکہ اس طرح جیسے حکیم سے حکمت اور روشن چیز سے روشنی اور احمق سے حماقت۔ نور کی اولاد تو فرشتے ہیں اور ظلمت کی اولاد شیاطین ؞

حکما، عقول ہی پر جنکو اُنہوں نے تسلیم کیا ہے فرشتہ کا اطلاق کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ فرشتے حقیقت موجودہ غیر متحیزہ ہیں اور اُنکی حقیقت نفوس انسانی کی حقیقت سے زیادہ تر قوی ہے اور انسان کی بہ نسبت اُنکو علم بھی زیادہ ہے۔ اُن میں سے کچھہ تو آسمان سے اس قسم کا علاقہ رکھتے ہیں جیسے کہ ہمارے بدن سے ہمارے ارواح۔ اور کچھہ بجز استغراق کے ذات باری میں کسی چیز سے علاقہ نہیں رکھتے اور وہی ملائکہ مقربین ہیں اور بعض فلاسفہ کہتے ہیں۔ کہ ان کے سوا دو قسمیں اور ہیں اور وہ زمین کے فرشتے ہیں اور دُنیا کے امورات کو درست کرتے ہیں جو نیک کام کرنیوالے ہیں وہ تو فرشتے ہیں اور جو بد کام کرنے والے ہیں۔ وہ شیاطین ہیں ؞

یہودی فرشتوں کو آدمی کی صُورت پر مجسم مانتے تھے اور اُن کے اجسام حقیقی سمجھتے تھے البتہ انکے جسم کے مادہ کو مثل انسان کے جسم کے مادہ کے نہیں مانتے تھے بلکہ یہ کہتے تھے کہ اُن کا جسم مادہ غلیظ سے مرکب نہیں ہے۔ وہ اپنے تئیں انسانوں کو دکھلا بھی دیتے ہیں اُن سے بات چیت بھی کرتے ہیں اُن کے ساتھ کھانا بھی کھاتے ہیں اور غائب بھی ہو جاتے ہیں پھر کوئی اُن کو

دیکھ نہیں سکتا۔ اُن کے کھانا کھانے کے باب میں کہتے ہیں کہ ظاہر میں کھاتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں مگر انسانوں کی خوراک نہیں کھاتے بلکہ اُن کا کھانا اور ہی کچھ ہے۔ یہودیوں میں جو ایک صدوقی فرقہ تھا وہ فرشتوں کا قائل نہ تھا ✦

عیسائیوں کا بھی یہی خیال تھا کہ فرشتے جسم رکھتے ہیں اور مقدس ہیں۔ انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کو فرشتوں سے برتر کہا گیا ہے اور بہشتیوں کی نسبت کہا ہے کہ وہ فرشتوں کی مانند ہونگے ✦

عرب کے بُت پرست فرشتوں کو ایک متحیز اور مجسم چیز سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ وہ کھاتے پیتے نہیں اور نہ کچھ بشری ضرورت انکو ہے وہ آسمانوں پر رہتے ہیں اور زمین پر آتے جاتے ہیں وہ یہ سمجھتے تھے کہ انسان بھی فرشتوں کو زمین پر رہتے چلتے دیکھ سکتا ہے اسی خیال سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہا کرتے تھے کہ اگر وہ پیغمبر ہیں تو اُن کے ساتھ فرشتے کیوں نہیں ہیں۔ عام مُسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے جو عرب کے بُت پرستوں کا تھا۔ وہ فرشتوں کو ہوا کی مانند لطیف الاجسام سمجھتے ہیں اور مختلف شکلوں میں بنجانے کی اُن میں قدرت جانتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وہ آسمانوں پر رہتے ہیں اور پر دار ہیں کہ اُڑکر زمین پر اُتر آتے ہیں اور زمین پر سے اڑکر آسمان پر چلے جاتے ہیں اور چیلوں کی طرح آسمان اور زمین کے بیچ میں منڈلاتے ہیں۔ غرضیکہ تمام اقوام میں فرشتوں کی نسبت انسانی نقائص سے پاک ہونیکا اور ایک اعلیٰ تقدس کا خیال تھا اسی خیال کی وجہ سے نیک اور اچھے آدمی کو بھی مجازاً فرشتہ کہتے تھے کہ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو زلیخا کی سہیلیوں نے کہا تھا۔ "مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ"

شاید فرشتوں کا خیال پہلے پہل اس طرح پر انسانوں میں پیدا ہُوا ہو کہ جیسے ایک عظیم الشان بادشاہ کے بڑے بڑے مرتبے والے امرا اور وزرا ہوتے ہیں اور اسی طرح بعض امرا کو مختلف خدمات سپرد ہوتی ہیں جنکو وہ بادشاہ کے نام سے رعایا کے واسطے کرتے ہیں۔ لوگوں نے یہ خیال کیا ہو کہ خدا تعالیٰ کے دربار کے لائق بھی اسی طرح امراء اور عمائد ہونے چاہئیں جن کا کام صرف درباروالی ہو اور وہ سب معزز ہونے چاہئیں

اور باقی امرا کاروباری ہونے چاہئیں۔ بعض اُن میں ایلچی گری کے کام پر متعین ہونگے بعض مینہہ برسانے پر بعض کسی کام پر بعض کسی کام پر غرضکہ جسطرح ایک عظیم الشان بادشاہ دُنیا کا دربار ہر طرح پر اُمرآء اور وزرار سے سجا ہوا ہوتا ہے اور اُس کی سلطنت کے کاروبار امرا کی معرفت سرانجام پاتے ہیں۔ اسی طرح اُنہوں نے خدائی سلطنت کو بھی اپنے خیال میں مرتب کرلیا ہو اور چونکہ خدائی سلطنت کے لئے ایسی مخلوق ہونی چاہئے جو نوع انسانی سے جُداگانہ ہو اور تقدس اور ہر طرح کی خوبی میں اُس سے اعلیٰ ہو۔ اسلئے اُن کے خیال نے ایک ایسی لطیف اجسام والی مخلوق قرار دے لی ہو اور اُن کے رتبے کے موافق اُن کے اختیارات بھی تجویز کر لئے ہوں اور یہ خیال نسلاً بعد نسل راسخ ہوتے ہوتے اس حد کو پہنچگیا ہو کہ اُس پر یقین کرنا لوگوں کے عقائد میں داخل ہو گیا ہو ۞

خیر کچھ ہی فرشتوں کے وجود کی ابتدا ہو لیکن جس طرح پر ہم انسان سے فروتر مخلوق کا ایک سلسلہ دیکھتے ہیں۔ اُسی طرح انسان سے برتر مخلوق ہونے سے انکار کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے شائد کہ ہو گو وہ کیسی ہی عجیب اور ناقابل یقین ہو مگر ایسی خلقت کے درحقیقت موجود ہونیکی بھی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ اسبات کا ثبوت کہ ایسی خلقت ہے نہیں ہے ۞

قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہی ثابت نہیں ہوتا بلکہ برخلاف اسکے پایا جاتا ہے خدا فرماتا ہے "وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ" یعنے کافروں نے کہا کہ کیوں نہیں بھیجا پیغمبر کے ساتھ فرشتہ اور اگر ہم فرشتہ بھیجتے تو بات پوری ہو جاتی اور ڈھیل میں نہ ڈالے جاتے اور اگر ہم فرشتہ ہی پیغمبر کرتے تو اُسکو آدمی ہی بناتے اور بلاشبہ اُنکو ایسے ہی شبہ میں ڈالتے جیسے کہ اب شبہ میں پڑتے ہیں ۞

اِس آیت سے پایا جاتا ہے کہ فرشتے نہ کوئی جسم رکھتے ہیں اور نہ دکھائی دے سکتے ہیں

ان کا ظہور بلا شمول مخلوق کے موجود نہیں ہو سکتا کیونکہ لجعلناہ رجلاً قید احترازی نہیں ہے اس جگہ انسان بحث میں تھا۔ اسلئے لجعلناہ رجلاً فرمایا ورنہ اُس سے مراد عام موجود مخلوق ہے ٭

اِن باریک باتوں پر غور کرنے سے اور اسبات کے سمجھنے سے کہ خدا تعالیٰ جو اپنے جاہ و جلال اور اپنی قدرت اور اپنے افعال کو فرشتوں سے نسبت کرتا ہے تو جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے اونکا کوئی اصلی وجود نہیں ہو سکتا بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور ان قویٰ کو جو خدا تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کی پیدا کی ہیں ملک یا ملائکہ کہا ہے جن میں سے جبرئیل میکائیل وغیرہ ہیں ٭

پہاڑوں کی صلابت، پانی کی رقت، درختوں کی قوت نمو، برق کی قوت جذب و دفع غرضکہ تمام قویٰ جن سے مخلوقات موجود ہوئی ہے اور جو مخلوقات میں موجود ہیں وہی ملائک و ملائکہ ہیں جنکا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے ٭

انسان ایک مجموعہ قویٰ ملکوتی اور قوائے بہیمی کا ہے ان دونوں قوتوں کے بے انتہا ذریات ہیں جو ہر قسم کی نیکی اور بدی میں ظاہر ہوتی ہیں اور وہی انسان کے فرشتے اور اُنکی ذریات اور وہی انسان کے شیطان اور اُسکی ذریات ہیں ٭

امام محی الدین ابن عربی نے فصوص الحکم میں یہی مسلک اختیار کیا ہے شیخ عارف باللہ موید الدین ابن محمود المعروف بالجندی نے جو مریدان خاص شیخ صدر الدین قونوی مرید امام محی الدین ابن عربی سے ہیں شرح فصوص الحکم میں فرشتوں کی نسبت بہت بڑی بحث لکھی ہے شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنی اصطلاح میں تمام عالم کو مجموع من حیث المجموع انسان کبیر کہتے ہیں۔ اور انسان کو انسان صغیر۔ مقصود اُن کا اس اصطلاح سے یہ ہے کہ انسان عالم کی ایک فرد ہے اور جسقدر قوائے انسان میں ہیں وہ جزئیات ہیں اور جو اُسکی کلیات ہیں وہ انسان کبیر ہے اور فرماتے ہیں کہ اس عالم یعنے انسان کبیر کے جو قویٰ ہیں انہیں میں بعض کا نام ملائک ہے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ قویٰ جنکو ملائک کہتے ہیں انسان کبیر یعنے عالم کے لئے ایسے ہیں جیسے انسان کے لئے قوی ہیں

شارح کہتے ہیں کہ دیکھنا اور سننا اور سونگھنا اور چکھنا اور چھونا جو انسان میں ہے وہ سب انہیں قوائے ملکوتیہ حسیہ کے ماتحت ہیں اور قوت متخیلہ اور متفکرہ اور حافظہ اور ذاکرہ اور عاقلہ اور ناطقہ انہیں قوائے ملکوتیہ روحانیہ کے تابع ہیں اور جاذبہ اور ماسکہ اور ہاضمہ اور غاذیہ اور منمیہ اور مربیہ اور مصورہ انہیں قوائے ملکوتیہ طبعیہ میں داخل ہیں اور حلم اور علم اور وقار اور سمجھ اور شجاعت اور عدالت اور سیاست اور ریاست انہیں قوائے ملکوتیہ حیوانیہ میں شامل ہیں اور یہ تمام قوائے آسمان اور زمین اور ان کے فضا میں پھیلے ہوئے ہیں +

پس شیخ اور ان کے متبع بھی ملائکہ کا اطلاق صرف قوائے عالم پر کرتے ہیں +

ہمارے استنباط اور شیخ علیہ الرحمۃ کے استنباط میں صرف اتنا فرق ہے کہ شیخ کے نزدیک تمام قوائے تو اجسام مرئیہ وغیر مرئیہ اور اشیاء محسوسہ وغیر محسوسہ میں ہیں وہ جزئیات ہیں اور جو ان کے کلیات ہیں وہ ملائک ہیں اور یہ جزئیات انکی ذریات بمطلب ایک ہی ہے صرف لفظوں کا ہیر پھیر ہے اصل عبارت ذیل میں درج ہے :-

قال الشيخ رضي الله عنه في فصوص الحكم - وكانت الملئكة من بعض القوى تلك الصورة التي هي صورة العالم المعبر عنه في اصطلاح القوم بالانسان الكبير - قال الشيخ مويد الدين ابن محمود الجندي الذي اخذ الطريق من الشيخ صدر الدين قونوي وهو عن الشيخ محي الدين ابن العربي صاحب الفصوص - اعلم ان الملئكة هي ارواح القوى القائمة بالصور الحسية والارواح النفسية والعقلية القدسية وتسميتها ملئكة لكونها روابط وموصلات الاحكام الربانية والامداد الالهية الى العوالم الجسمانية فان الملك في اللغة هو القوة والشدة فلما قويت هذه الارواح بالانوار الربانية وتايدت واشتدت بها وقويت النسب الربانية والاسماء الالهية ايضا على القاء احكامها وآثارها وايصال انوارها واظهارها سميت ملئكة وهم ينقسمون الى علوي روحاني وسفلي طبيعي وعنصري ومثالي ونوراني فمنهم المهيمون ومنهم المسخرون ومنهم المرادة من الاعمال بالاحوال والانفاس والصافون والحافون والعالون الى آخر ما قال.

قال الشیخ رضی فکانت الملئکۃ کالقوی الروحانیۃ والحسیۃ التی فی نشات الانسان وکل قوۃ منہا محجوبۃ بنفسہا لاتری افضل من ذاتہا۔ قال الشارح القوی الحسیۃ التی فی نشات الانسان ھی التی متعلقاتہا المحسوسات کالابصار والسماع والشم والذوق واللمس وما تحت ھذہ الکلیات من الانواع والشخصیات واما القوی الروحانیہ فکالمتخیلۃ والمتفکرۃ والحافظۃ والذاکرۃ والعاقلۃ والناطقۃ وھذہ القوی الکلیات وشخصیاتہا فی حیطۃ الروح النفسانی ومنشاءھا ومجاری تصرفاتہا واحکامہا و اثارھا الدماغ وکالقوی الطبیعۃ مثل الجاذبۃ والماسکۃ والھاضمۃ والغاذیۃ والمنمیۃ والمربیۃ والمصورۃ وشخصیاتہا راجعۃ الی الروح الطبعی وکالحلم والعلم والوقار والغناۃ والشجاعۃ والعدالۃ والسیاسۃ والغیرۃ والریاسۃ وغیرھا ما تحتہا من الشخصیات والانواع بالمماثلۃ والمشاکلۃ والمباینۃ والمنافرۃ عائدۃ الی الروح الحیوانی والنسانی وکما ان ھذہ القوی منبثۃ فی اقطار نشاۃ الانسان ولکان لکل جنس وصف ولنوع من ھذہ القوی محلا خصیصا بہا ھو محل ظہور احکامہ واثارہ ومنشاء حقایقہ واسرارہ ولکن حکم جمعیت الانسان سار فی الکل بالکل فذالک العالم الذی ھو الانسان الکبیر فی زعمہم کلیات ھذہ القوی وامہاتہا وجزئیاتہا وانواعہا وشخصیاتہا منتشرۃ ومنبثۃ فی فضاء السموات والارض وما بینہما وما فوقہما من العوالم وتعینات ھذہ القوی والارواح فی کل حال بما یناسبہ ویوافقہ الی الوجہ الذی یلائمہ ویطابقہ وبہا ملائک الامر النازل من حضرات الربوبیۃ۔

بحث وجود شیطان خارج عن الانسان

قیصری شرح فصوص الحکم میں وجود شیطان کی نسبت لکھتا ہے کہ بعضوں نے یہ بات کہی ہے کہ انسان کبیر یعنے عالم میں جو قوت وہمیہ کلیہ ہے وہی ابلیس ہے اور ہر ایک انسان میں جو قوت وہمیہ ہے وہی ابلیس کی ذریات ہیں کیونکہ وہ عقل کا جو راہ حق کی طرف ہدایت کرنیوالی ہے معارضہ کرتی ہے لیکن شارح کہتا ہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے بلکہ نفس امارہ جو انسان میں ہے وہی ذریات ابلیس ہے۔

خدا نے بھی فرمایا ہے "کہ جو وسوسے دل میں آتے ہیں اُنکو ہم جانتے ہیں" اور فرمایا ہی کہ "نفس ہی برائی کرنے کو کہتا ہے" آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ "سب دشمنوں سے زیادہ دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے پہلوؤں میں ہے" اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "شیطان انسان میں خون کیطرح چلتا ہے" اور ٹھیک یہ حالت نفس کی ہے۔

فی القیصری شرح فصوص الحکم فے ذیل بیان ابلیس :- قیل ابلیس ھو قوت الوھمیۃ الکلیۃ التی فی العالم الکبیر والقوی الوھمیۃ التی فی الاشخاص الانسانیۃ والحیوانیۃ افرادھا لمعارضتھا مع العقل الھادی طریق الحق وفیہ نظر لان نفس المنطبعۃ ھی الامارۃ بالسوء والرجم من سنتھا وتحت حکمھا لانھا من قواھا فھی اولی بذالک کما قال تعالی ونعلم ما توسوس بہ نفسہ وقال ان النفس لامارۃ بالسوء وقال علیہ السلام اعدا عدوک نفسک التی بین جنبیک وقال علیہ السلام الشیطان یجری من بنی ادم مجری الدم وھذا شان النفس "

غرضکہ تمام محققین سہابت کے قائل ہیں کہ انہیں قوی کو جو انسان میں ہیں اور جن کو نفس امارہ یا قوائے بہیمہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہی شیطان ہے قرآن مجید میں جہاں کہیں اللہ جلشانہ نے آدمؑ کے قصے کو بیان فرمایا ہے اُس میں انسانی فطرت اور اُسکے جذبات کو انسانی فطرت کی زبان حال سے بیان فرمایا ہے آدم یا شیطان کا قصہ یا خدا اور فرشتوں کا مباحثہ صرف انسانی فطرت کا بیان ہے تاکہ ہر کوئی خواہ اُسکو فطرت کا راز سمجھے خواہ فرشتوں اور خدا کا مباحثہ۔ خواہ شیطان اور خدا کا جھگڑا۔ اصلی مقصد کے حاصل کرنے سے محروم نرہے اسلئے ہم یقین کرتے ہیں کہ خدا کی مخلوقات فرشتے ہیں گو انکی وہ حقیقت نہو جو عام لوگ یقین رکھتے ہیں

بحث وجود جنات

اسموقع پر وجود جنوں کی نسبت بھی کسیقدر تفصیل کیساتھ لکھنا نامناسب ہوگا کیونکہ مسلمانوں میں اُنکا وجود غیر مرئی بھی معہ چند صفات کے تسلیم کیا گیا ہے اور قرآن مجید میں بھی متعدد مقام پر لفظ جن وجنیہ کا بلا بیان اسکی حقیقت کے آیا ہے ؎

واضح ہو کہ علماء اسلام نے جنوں کی جداگانہ ویسی ہی مخلوق قرار دی ہے جیسے کہ انسان کی۔ مگر قرآن مجید سے جنوں کی ایسی مخلوق ہونیکا ثبوت نہیں +

جن اور جسقدر الفاظ اس مادہ سے بنے ہیں اُن سب کے معنے پوشیدہ اور مستور عن الاعین چھپے ہوئے غیر مرئی کے ہیں مشرکین عرب تمام اُن واقعات کو جن کے وقوع کے اسباب اُنکو معلوم نہ ہوتے تھے اور اکثر بیماریوں کو جنکا سبب وہ نہ جانتے تھے۔ غیر معلوم یا غیر مرئی مؤثر کا اثر خیال کرتے تھے اور اُسکو لفظ جن سے تعبیر کرتے تھے اب بھی جاہل آدمی بیمار پر آسیب یعنی جن بھوت کا اثر خیال کرتے ہیں +

حضرت موسیٰ کی کتاب پیدائش یعنے توریت میں جہاں تمام عالم کے پیدا ہونیکا ذکر ہے۔ جنوں کی مخلوقات کے پیدا ہونیکا ذکر نہیں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کو ابتدا زمانہ میں ایسی مخلوق کا کچھہ خیال نہ تہا مگر مجوسوں اور بت پرستوں میں تہا جبکہ انہوں نے غیر مرئی مؤثر کو واقعات غیر معلوم السبب اور امراض غیر معلوم العلۃ کا فاعل سمجہا تھا تو یہ بات لازم تھی۔ کہ وہ اُن کے لئے کوئی صورت اور کسی قسم کا جسم تصور کریں اور اُن کو ذی عقل اور فاعل بالارادہ بہی سمجہیں اور اُن کو انسانوں سے بہت زیادہ قوی اور قوی ہیکل لنبا تڑنگا خیال کریں۔ اور اُن سے ڈرتے ہیں اور اُن کی خوشنودی کے لئے ان کی پرستش کریں تاکہ اُنکی خفگی کے نتیجوں سے محفوظ رہیں اور اُنکی مہربانی سے فائدہ اٹہاویں۔

غالباً اس خیال کی ابتدا مجوسیوں سے ہوئی جو ابتدا ہی سے آہرمن ویزداں کے قائل تھے۔ اُنہیں سے یہ خیال یہودیوں اور عرب کے بت پرستوں میں پھیلا +

مشرکین عرب میں یہانتک اُسکا یقین ہو گیا تہا کہ وہ یقین کرتے تھے کہ ہر ایک جنگل میں جن رہتے ہیں اور جب وہ سفر میں جاتے تھے یا شکار کے لئے کسی جنگل میں اُترتے تھے تو اس جنگل یا میدان کے جنوں کے سردار سے پناہ مانگتے تھے تمام عرب میں یہ خیال پیدا ہوا تہا اور بطور ارث کے چلا آتا تہا اسلئے قرآن مجید میں جہاں لفظ جن یا جان یا اُسکے مثل آیا اُسکے معنی ایسے ہی بھوت کے سمجہے مگر اس بات پر غور نہیں کیا کہ قرآن مجید سے بہی ایسی

صورت و شمائل کے ہونیکا وجود پایا جاتا ہے یا نہیں۔ ہمارے پاس اسبات سے انکار کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ سوا موجودات مرئی اور محسوس کے کوئی ایسی مخلوق موجود ہو جو مرئی نہو مگر کلام اس میں ہے کہ جسطرح جنوں کی مخلوق کو مسلمانوں نے تسلیم کیا ہے ایسی مخلوق کا وجود قرآن مجید سے ثابت نہیں ۔

علمائے اسلام جن کی تعریف میں بیان کرتے ہیں کہ:- "ھو جسم ناری حساس متحرک بالارادۃ یتشکل باشکال مختلفہ" اسی بنا پر عام مسلمان خیال کرتے ہیں کہ وہ ایک ہوائی آگ کے شعلہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اُن میں مرد اور عورت دونوں ہیں وہ لڑکے لڑکیاں جنتے جناتے ہیں۔ طرح طرح کی شکلوں میں نجاتے ہیں۔ انسانوں کے سروں پر آتے ہیں۔ اُنکو تکلیف پہنچاتے ہیں اُنکو اٹھا لے جاتے ہیں۔ اُن کو مار ڈالتے ہیں انسانوں پر عاشق ہو جاتے ہیں۔ اُنکو تازہ بتازہ میوہ لا کر دیتے ہیں اور دکھائی نہیں دیتے مگر جب چاہیں اپنے تئیں دکھلا دیتے ہیں یعنے اپنے جسم میں دفعتاً ایسا مادہ پیدا کر لیتے ہیں کہ دکھائی دینے لگتا ہے۔ آدمی کی صورت بنکر بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ عامل اُنکو آدمی بنا کر اپنے گھوڑے کا سائیس کر لیتے ہیں مگر اس میں سے ایک بات بھی قرآن مجید سے ثابت نہیں۔ قرآن مجید کی آیتوں پر جن میں "جن" کا لفظ آیا ہے استدلال کرنے سے پیشتر ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ عرب جاہلیت اور یہودیوں اور دیگر گرد و نواح کے اقوام میں لفظ جن کا اطلاق کیسے وجود پر ہوتا تھا اور آیا وہ انسانوں کے ہی ایک گروہ پر تھا یا اُن کے سوا کسی ایسے مزعومہ گروہ پر۔ عبری توریت کتاب پیدائش باب ۲۵۔ آیت ۲۷ میں یہ عبارت ہے " ویہی عیسو ایش یدع صید ایش شدہ ویعقوب ایش تم یسب اوہالیم۔ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء وکان عیسو انسانا یعرف الصید انسان البریۃ ولیعقوب انسانا کاملاً یسکن الخیام" لفظ شداہ کا ترجمہ عربی توریت سامری مطبوعہ ۱۸۵۱ء و ترجمہ مطبوعہ ۱۶۷۱ء و ترجمہ مطبوعہ لنڈن ۱۸۵۸ء جنگلی یا صحرائی کیا گیا ہے اس سے ثابت ہے کہ نہائت قدیم زمانے سے انسانوں کی تفریق وحشی اور اہلی ہونے کی چلی آتی ہے +

بہت سے اشعار زمانہ جاہلیت کے ایسے بھی موجود ہیں جن میں "جن" کا لفظ بمقابلہ انس

کے آیا ہے اور انس اور آنس کے معنے صحاح جوہری میں الحی المقیمون کے لکھے ہیں اور اُسکی سند میں اخفش نے یہ شعر پڑھے ہے

اتونا ری فقلت منون انتم ✣ فقالوا الجن فقلت عموا ظلاما

وہ میری الاؤ کے پاس آئے میں نے اُن سے کہا کہ تم کون ہو ✣ اُنہوں نے کہا کہ ہم جن ہیں میں نے کہا کہ تمہاری رات خوش گذرے

فقلت الی الطعام فقال منهم ✣ زعیم نحسد الانس الطعاما

پھر میں نے اُنسے کہا آؤ کھانا کہاؤ تو اُنمیں سے ایک نے کہا ✣ کہ ہم انس کے کھانے پر حسد کرتے ہیں ✣

ان اشعار میں جن کا لفظ انس کے مقابل میں واقع ہُوا ہے اسلیئے اُسکے معنی الحی الغیر المقیمین کے جنگلی و وحشی آدمیوں کے قرار دینا زیادہ مناسب ہے ✣

واضح ہو کہ عرب میں بہت سے قبیلے تھے جو بنی جن کہلاتے تھے یا اور طرح پر جن کے لفظ سے منسوب تھے جیسے جنی وغیرہ اور یہ قبیلے باوجودیکہ اُنہوں نے تمدن اختیار کر لیا تہا۔ اور شہروں اور قصبوں اور دیہات میں رہائش اختیار کر لی تہی مگر تمیز کے واسطے اُن کا وہی لقب بحال رہتا تہا جو تمدن سے پیشتر تہا۔ یہ نہیں کہ سچ مچ وہ مزعومہ جنوں کی اولاد تھے اور اب انسانی قالب میں تبدیل ہو کر انسانوں میں بود و باش رکھتے تھے ✣

عرب میں ایک دستور آپس میں حلیف ہونیکا تہا۔ اور اُسی دستور کے موافق بنی جن بھی بنی عذرہ کے حلیف تھے۔ نابغہ ذبیانی کے دیوان میں یہ دو شعر ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بنی جن کا لفظ اُنہیں قدیم وحشی اور جنگلی آدمیوں پر اطلاق ہُوا ہے جنہوں نے بمرور زمانہ کسی قدر تمدن اختیار کر لیا تہا اور بعض مقاموں پر قبضہ کر لیا تہا مگر اپنے لقب بنی جن سے مشہور تھے ✣

لقد قلت للنعمان یوم لقیته ✣ یرید بنی جن ببرقة صادر

البتہ میں نے نعمان سے کہا جس دن کہ میں اس سے ملا ✣ وہ بنی جن سے لڑنیکو تہا مقام صادر کے ریتلے کنکریلے میدان میں

تجنب بنی جن فان لقائهم ✣ کریه وان لم تلق الا بصابر

بنی جن سے علیحدہ رہ پھر اُن کے مقابل ہونا ✣ بُرا ہے اگرچہ نہ ملو تو مگر صابر آدمیونکے ساتھ

ان شعروں میں جس لڑائی کا ذکر ہے شارح دیوان نابغہ نے اُسکو اسطرح پر بیان کیا ہے:

قال الوزیر ابو بکر قال ابو الحسن ارادہ النعمان ان یغزوا بنی جن وھم قوم من بنی عذرہ
وقد کانت بنو عذرہ قبل ذالک قتلت رجلاً من طی یقال لہ ابو جابر واخذوا امرأتہ و
غلبوعلے وادی القریٰ وھو کثیر النخل فقال النابغۃ یمدح بنی عذرہ وکان لہم مادحاً
(وقال) ابو عبیدہ لما ارا د النعمان بن الحارث غزو بنی جن کان النابغۃ عندہ فنہاہ عن
ذالک واخبر انھم فی حرۃ وبلاد شدیدۃ فابیٰ علیہ فبعث النابغۃ الیٰ قومہ یخبرھم
لغزو النعمان لہم ویامرھم بان یمدوا بنی جن فلما غزاھم النعمان فی بنی غسان التحمت
قوم النابغۃ لبنی جن والتقوا مع ال غسان فھزموھم وحازوا علی مامعہم من الغنائم
واسھموا بنی مرۃ بن عوف (شرح دیوان نابغہ جلد اول صفحہ ۴۶)

(ترجمہ) وزیر ابوبکر نے کہا کہ ابو الحسن نے یہ کہا نعمان نے ارادہ کیا کہ بنی جن پر چڑھائی کرے اور بنی جن بنی عذرہ میں سے ایک قوم ہے اور اُس سے پہلے بنی عذرہ نے ایک آدمی بنی طے کو جسکا نام ابو جابر تھا۔ مار ڈالا تھا۔ اور اُسکی جورو کو پکڑ کر لے گئے تھے اور وادی القریٰ پر جس میں بہت سے کھجوروں کے درخت ہیں قبضہ کرلیا تھا تو نابغہ نے بنی عذرہ کی مدح کی ہے اور وہ اُنکو مدح کرنے والا تھا۔ ابو عبیدہ نے کہا کہ جب نعمان حارث کے بیٹے نے بنی جن پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا تو نابغہ اُسکے پاس موجود تھا۔ اُس نے اُسکو چڑھائی کرنے سے منع کیا اور اُسکو جتلایا کہ وہ سنگستان میں ہیں اور اُنکا ملک بھی سخت ہے یعنی وہاں جانا سخت مشکل ہے مگر نعمان نے انکار کیا پھر نابغہ اپنی قوم کے پاس گیا تاکہ وہ نعمان کی چڑھائی سے اُنکو خبر دے اور اُن سے کہے کہ بنی جن کی مدد کریں پھر جب نعمان نے بنی غسان کے ساتھ اُن پر چڑھائی کی تو نابغہ کی قوم بنی جن کی قوم سے ملگئی اور آل غسان کا مقابلہ کیا پھر اُنکو شکست دی اور مال و اسباب اُنکا لے لیا اور بنی مرہ بن عوف کو اُسمیں سے حصہ دیا۔

اِس سے یہ ثابت ہے کہ بنی جن انسان تھے اور مزعومہ جن نہ تھے بلکہ پہاڑی اور جنگلی باشندہ ہونیکے سبب سے بنی جن کہلاتے تھے۔ اور یہ لڑائی انسانوں انسانوں میں ہوئی تھی۔ نہ کہ ایک طرف تو انسان تھے اور دوسری طرف مزعومہ جن تھے +

ایسے بہت سے اشعار اور روایات زمانہ عرب جاہلیت کے پائے جاتے ہیں جن سے

ثابت ہوتا ہے کہ جن کا لفظ ایسے انسانوں پر اطلاق کیا گیا ہے جو پہاڑوں میں رہتے تھے اور وحشی اور جنگلی تھے ۔ نمونہ کے طور پر کچھہ درج کئے گئے ہیں والعاقل تکفیہ الاشارہ ۔

جب ہمنے یہ ثابت کرلیا کہ لفظ جن کا اطلاق انسان کے ایسے گروہ پر ہوتا تھا جو پہاڑوں اور جنگلوں میں بستے تھے اور تمدن سے کوسوں دور تھے تو اب ہم قرآن کی آیات کیطرف جن میں جن یا جان کا لفظ آیا ہے متوجہ ہوتے ہیں :-

خدا تعالی نے اس آئت میں ابلیس کا قول نقل کیا ہے کہ اس نے آدم کو سجدہ نہ کرنیمیں تو

قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ۚ (سورہ اعراف آئت ۱۱)	کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھکو آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے ۔
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۙ وَ خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۚ سورہ رحمن آئت ۱۳ و ۱۴	کہ پیدا کیا انسان کو سڑی مٹی سے اور جان یعنی جن کو آگ کی لو سے ۔
وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ سورہ کہف آئت ۴۸	کہ جب ہم نے فرشتوں کو کہا کہ آدم کو سجدہ کرو ۔ تو فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے کہ وہ جنوں میں سے یعنی سرکشوں میں سے تہا ۔
وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۚ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۚ سورہ حجر آئت ۲۶ و ۲۷	اور بیشک ہمنے پیدا کیا انسان کو کہادر کی مٹی سڑی ہوئی کالی کیچڑ بنی ہوئی سے اور جان ہم نے اسکو پیدا کیا اس سے پہلے آگ سے ہوا گرم کی یعنے لو کی گرمی سے

ان آئتوں کے لانے سے ہمارا یہ مطلب ہے کہ ابلیس کی خلقت بھی نار سے بیان ہوئی ہے اور سورہ کہف میں ابلیس پر جن کا اطلاق ہوا ہے اور سورہ حجر اور سورہ الرحمن میں انسان کے پیدا کرنے کے ساتھ جو جان کے آگ سے پیدا کرنے کا ذکر ہے اس سے وہی ابلیس مغوی للانسان مراد ہے اور یہ ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ وہ کوئی خارج از انسان نہیں ہے اور اسلئے ان آئتوں سے جنوں کی کسی ایسی مخلوق پر جسکا یقین مشرکین کرتے تھے استدلال نہیں ہو سکتا انسان کے قوا میں سے اس قوت کا جسپر شیطان کا اطلاق ہوا ہے آگ سے یا حرارت سے پیدا ہونا ایسا ٹھیک اور بالکل سچ ہے کہ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ۔

حکماء فزیالوجسٹ نے خلق مخلوقات کی اصل تین چیزیں قرار دی ہیں مادہ۔ حرارت و حرکت۔ مادہ کی ماہیت وہ بیان نہیں کرسکتے مگر جہاں اُسکا وجود تسلیم کرتے ہیں اُس میں حرارت کا پیدا ہونا مانتے ہیں اور اُس کے سبب سے اجزاء مادہ کی حرکت تسلیم کرتے ہیں۔

بہر حال خدا تعالیٰ نے خلق مخلوقات کے لئے قبل اسکے کہ وہ کسی شکل میں متشکل ہو حرارت کو جسپر نار سموم کا اطلاق ہوسکتا ہے پیدا کیا اور وہی شے انسان میں بھی پائی جاتی ہے جو منشأ قوائے بہیمیہ ہے اُسی قوت کو کبھی شیطان سے اور کبھی جان سے تعبیر کیا ہے اور اُس کے وجود کو قبل تشکل انسان بنایا ہے جیسا کہ ”وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَارِ السَّمُومِ۔“

ذیل کی آیات پر غور کرنے سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ جنوں کی کوئی جداگانہ مزعومہ مخلوق ہے۔

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَيُنْذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا شَهِدْنَا عَلَىٰ أَنْفُسِنَا ۖ وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ سورہ انعام آیت ۱۳۰	اے گروہ جن و انس کے کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول تم ہیں سے بیان کرتے تھے تمہارے سامنے میری نشانیاں اور تم کو ڈراتے تھے تمہارے اسدن کے ملنے سے۔ وہ کہینگے کہ ہم اپنے آپ پر گواہی دیتے ہیں اور فریب دیا انکو دنیا کی زندگی نے اور گواہی دی انہوں نے اپنے آپ پر کہ وہ کافر تھے۔
وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَٰؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ۝ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُونِهِمْ ۖ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ ۖ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ ۝ سورہ سبا آیات ۳۹ و ۴۰	اور اُسدن جبکہ خدا سب لوگوں کو جمع کرے گا۔ اور فرشتوں سے پوچھیگا کیا یہ تمہاری پرستش کرتی تہی وہ کہینگے تو پاک ہے تو ہمارا ولی ہے اُن کے سوا۔ بلکہ یہ لوگ جنوں کی پرستش کرتے تھے اور اُن میں اکثر انہیں پر ایمان لائے تھے۔

اِن دونوں آیتوں میں خدا تعالے نے مشرکین کو انکے خیال کے مطابق خطابات کے طور پر جنوں کی پرستش کا الزام دیا ہے سورہ انعام کی آیت سے پہلی آیتوں میں خدا تعالیٰ نے انسانوں کا جو اسکی ہدایت سے سیدھی راہ پاتے ہیں اور جو سیدھی راہ سے گمراہ ہوتے ہیں ذکر کیا ہے پھر انہیں دونوں گروہوں کو قیامت کے دن اکٹھا کرنا کہا ہے ان لفظوں سے کہ ”یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا“ ہُم کی ضمیر انہیں دونوں

گروہوں کیطرف راجع ہے اور جنوں کی پرستش کا کچھ ذکر نہیں ہے دفعتاً فرمایا "یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ" یہ صاف قرینہ اسبات کا ہے کہ یہ جملہ خطابیات کے طور پر مشرکین کے الزام دینے کو انکی خیالی معبودوں کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ تم نے اپنے بہت سے پیرو کر لئے ہیں اس خطاب کا جواب جنوں کی طرف سے کچھ نہیں دیا بلکہ مشرکین جو عقیدہ جنوں کی پرستش کی نسبت رکھتے تھے اُسکو بیان کیا ہے کہ ہم تو ایکدوسرے سے نفع اٹھانیکی غرض سے اُن کی پرستش کرتے تھے اور شریک باری نہیں جانتے تھے اُسپر خدا نے یہ فیصلہ کیا کہ "اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ" یعنے جگہہ تمہاری آگ ہے اور یہ ایک نہائت مؤثر اور فصیح وبلیغ طرز تقریر ہے اسبات کے سمجھانے کو کہ خدا کے سوا دوسرے کی پرستش گو کہ الہٰ اعتقاد کر کے نہ ہو شرک اور باعث دخول نار ہے کیونکہ وہ بھی شرک فی العبادت اور شرک فی الصفات میں داخل ہے ÷

پس اسطرح جنوں کو مخاطب کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فی الواقع جنوں کی ایسی ہی مخلوق ہے جیسی کہ مشرکین عرب یقین کرتے تھے سورہ سبا کی آئت میں دوسرا طرز تجاہل عارفانہ اختیار کیا ہے کیونکہ یہ بات معلوم تھی کہ مشرکین جنوں کی پرستش کرتے تھے باوجود اس علم کے خدا فرشتوں سے جو مشرکین کے نزدیک بھی جنوں سے برتر تھے پوچھیگا کہ کیا مشرکین تمہاری پرستش کرتے تھے وہ جواب دینگے نہیں جنوں کی پرستش کرتے تھے جنکو ملائکہ سے مشرکین بھی کم درجہ کا سمجھتے تھے اور اس طرز بیان سے جنوں کی پرستش کی زیادہ تحقیر نکلتی ہے مگر کسی طرح جنوں کی ایسی مخلوق ہونے کا جیسا کہ بیان کیا گیا ہے ثبوت نہیں ÷

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ سورۃ انعام آئت ۱۰۰	مشرکین نے جنوں کو خدا کا شریک بنایا ہے حالانکہ انکو یعنے مشرکین کو خدا نے پیدا کیا ہے ہُم کی ضمیر جن کیطرف پھیرلی اسلئے ٹھیک نہیں ہے کہ مشرکین جنوں کو غیر مخلوق نہیں سمجھتے تھے اور اس صورت میں وخلقھم

کے لفظ سے معتدبہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور مشرکین کی طرف ضمیر پھیرنے سے اسبات کے انتباہ کا فائدہ ہے کہ خالق ہی مستحق عبادت ہے جس نے انکو یعنے مشرکین کو پیدا کیا اس آئت میں صرف مشرکین کے اعتقاد کا ذکر ہے مگر نہ اس سے جنوں کے فی الواقع ایسی مخلوق ہونیکا

ثبوت ہے جیسے کہ مشرکین اعتقاد کرتے تھے۔ اور نہ خدا کے بیٹوں اور بیٹیوں کے ہونیکا ثبوت ہے
حضرت سلیمان کے قصّے میں جن و شیطان کا جو حضرت سلیمان کے ہاں بہت سے کاموں
پر متعین تھے قرآن مجید میں ذکر آیا ہے سورہ سبا میں خدا نے فرمایا ہے "وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ
بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ" یعنے جنوں میں سے وہ تھا جو حضرت سلیمان کے سامنے اپنے رب یعنی
آقا کے حکم سے کام کرتا تھا۔ اُسی سورہ کی ۱۳۔ آیت میں فرمایا ہے فَلَمَّا خَرَّ تَبَیَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ
لَّوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ الْغَیْبَ مَا لَبِثُوْا فِی الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ ؕ یعنے کہ جب حضرت سلیمان مر گئے (جن کی
لاش کو لکڑی کے سہارے سے کھڑا کر دیا تھا، تو کسی کو خبر نہوئی مگر جب دیمک نے عصا کو کھالیا
اور وہ گر پڑے تب جنوں نے جو بیت المقدس کی عمارت کا کام کر رہے تھے اُنکا مر جانا جانا
اور کہا کہ اگر ہم کو غیب کی بات معلوم ہوتی تو ہم اس سخت عذاب میں نہ ٹھہرے رہتے +

ان آیتوں میں جو کچھ بیان ہوا ہے یہ حضرت سلیمان کے وقت کا اور بیت المقدس
کی تعمیر ہونیکا ایک تاریخی واقعہ ہے اور تاریخ پر رجوع کرنے سے بخوبی معلوم ہو سکیگا کہ
حضرت سلیمان کی سرکار میں عمارت کا اور جنگلوں میں سے لکڑی کاٹنے کا پتھر تراشنے
کا جہاز چلانے کا کون کام کرتے تھے جو وہ ہوں جن و شیاطین کا اطلاق انہیں پر ہوا ہے
کتاب اوّل سلاطین باب پنجم سے پایا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان نے حیرام صور کے بادشاہ
سے صیدونی قوم کے آدمی جنگل میں لکڑی کاٹنے کو مانگے تھے مقام لبنان سے لکڑی
کاٹی جاتی تھی اور سلیمان کے لوگ۔ اور حیرام بادشاہ صور کے بھیجے ہوئے لوگ "جبلیم"
یعنے پہاڑی لوگ لکڑیاں کاٹتے اور پتھر تراشتے تھے +

کتاب دوم تاریخ الایام سے پایا جاتا ہے کہ صور کے بادشاہ نے ایک کاریگر صور کے
رہنے والے کو حضرت سلیمان کے ہاں کام کرنے کو بھیجا تھا جو اپنے آقا کی اجازت سے کام کرتا
آیا تھا اسی طرف قرآن مجید میں اشارہ ہے کہ "وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ"
اسی کتاب سے پایا جاتا ہے کہ سوائے بنی اسرائیل کے جو لوگ فلسطین میں غیر قوم کے
پہاڑوں و جنگلوں میں رہتے تھے اُن میں حضرت سلیمان نے ستر ہزار آدمیوں کو حمالی پر اور
اسی ہزار کو درخت کاٹنے اور پتھر تراشنے پر متعین کیا تھا یہ سب بیگار پکڑے گئے ہوں گے

جنہوں نے حضرت سلیمان کا مرنا معلوم کر کے ضرور کہا ہوگا کہ "لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المہین"

ان آیتوں میں جو جن کا لفظ آیا ہے اُس سے پہاڑی و جنگلی آدمی مراد ہیں جو حضرت سلیمان کے ہاں بیت المقدس بنانے کا کام کرتے تھے اور جن پر بسبب وحشی اور جنگلی ہونے کے جو انسان سے جنگلوں اور پہاڑوں میں چھپے رہتے ہیں اور نیز بسبب قوی اور طاقتور اور محنتی ہونیکے جن کا اطلاق ہوا ہے پس اس سے وہ جن مراد نہیں ہیں جنکو مشرکین عرب نے اپنے خیال میں ایک مخلوق مع اُن اوصاف کے جو اُن کیساتھ منسوب کئے ہیں مانا ہے اور جن پر مسلمان بھی یقین کرتے ہیں ٭

غرض کہ قرآن مجید کی وہ آیتیں جنمیں لفظ جن یا جان کا آیا ہے ایک وہ ہیں جنمیں جن کا لفظ ابلیس یعنی شیطان کے مرادف ہے وہ آیتیں تو صاف اسبات پر دلالت کرتی ہیں۔کہ وہاں جن سے ابلیس مراد ہے۔ باقی رہیں وہ آیتیں جن میں لفظ جن کا بتعلق قصہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے آیا ہے وہاں پر جن سے وہ اشخاص مراد ہیں جو غیر قوم کے پہاڑوں اور جنگلوں میں بستے تھے اور حضرت سلیمان نے انکو بیت المقدس کی تعمیر میں لگایا ہوا تھا ٭

سورہ جن میں جن آیتوں میں لفظ جن کا آیا ہے اُس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے چھپ کر قرآن سنا تھا اور آنحضرت کو معلوم نہ تھا اسلئے انکی نسبت لفظ جن کا اطلاق ہوا ہے۔لیکن مزعومہ جن کی جداگانہ مخلوق کسی آیت قرآن سے ثابت نہیں ہے ٭

یا ایسی آیتیں ہیں جنمیں مقصود کلام عقائد مشرکین کا ذکر کرنا منظور تھا لیکن ایسی کوئی آیت قرآن مجید میں نہیں ہے جس سے مزعومہ جن کی پیدائش پر استدلال ہو سکے ٭

عقیدہ سیزدہم

وَھُوَ خَالِقٌ لِاَفْعَالِ عِبَادِہٖ فَالْکُفْرُ وَالْمَعْصِیَۃُ بِعِلْمِہٖ وَلَا یَرْضَاہُ

یعنے اللہ تعالیٰ بندونکے افعال کا خالق ہے اور کفر اور معصیت بندوں کا اوسکو علم ہے اور وہ اُسپر راضی نہیں

مسئلہ جبر و اختیار پر بحث

قرآن مجید کی کسی آیت سے نہ انسان کے اپنے افعال میں مجبور ہونے پر استدلال ہو سکتا ہے نہ مختار ہونے پر۔ نہ بین الجبر والاختیار ہونے پر۔ مگر افسوس ہے کہ علماء متقدمین نے اس پر بحث کی ہے اور غلطی سے اُسکو ایک ایسا مسئلہ سمجہا ہے جو مسائل اسلام میں داخل ہے اور جو وحی اور قرآن سے ثابت ہے اور پہر آپس میں مختلف رائیں قرار دی ہیں ایک گروہ انسان کے اپنے افعال میں مجبور ہونیکا قائل ہے اور دوسرا گروہ مختار ہونے کا اور تیسرا بین الجبر والاختیار کا جو بالفعل مذہب اہل سنت والجماعت کا ہے ؛

انسان اپنے افعال میں مجبور ہو یا مختار یا بین الجبر والاختیار یہ ایک جدا مسئلہ ہے جو انسان کی فطرت کی تحقیقات پر منحصر ہے اور اُسکی فطرت پر مباحثہ کرنے کے بعد جو ثابت ہو۔ ہو +

قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے جا بجا بندونکے افعال کو بلکہ ہر ایک چیز کو اپنی طرف منسوب کیا ہے جو کام بندوں سے ہوتے ہیں انکی نسبت فرماتا ہے کہ ہمنے کیا۔ یا جو چیزیں کہ اور اسباب سے پیدا ہوتی ہیں اُن اسباب کو بیچ میں سے نکال کر فرماتا ہے کہ ہمنے کیا۔ ہمنے مینہہ برسایا۔ ہم نے درخت اُگائے۔ ہم نے دریا بہائے۔ ہم نے سمندر میں جہاز تیرائے۔ ہمنے اُڑتے ہوئے جانور ہوا میں تھمائے۔ پس اس طرز کلام سے واسطوں کا درحقیقت درمیان میں ہونا یا اُس شے کا اُن افعال میں مجبور یا مختار ہونا ثابت کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اپنی عظمت وشان اور اپنے

علۃ العلل یعنے تمام چیزوں کی اخیر علت یا خالق ہونیکا بندوں پر اظہار مقصود ہوتا ہے اور اسلئے اس قسم کی کلام سے انسان کا اپنے افعال میں مجبور یا مختار ہونیکا استنباط کرنا صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کلام سے اسبات کی حقیقت کا بیان کرنا کہ انسان اپنے افعال میں مجبور ہے یا مختار یا بین الجبر والاختیار مقصود نہیں ہے ٭

خدا اپنے تئیں علت العلل جمیع کائنات کا بتاتا ہے پس اگر تمام حوادث وافعال کو جو عالم میں تمام مخلوقات انسان حیوان عناصر قوی وغیرہ وغیرہ سے ہوتے ہیں اپنی طرف منسوب کرے اور ہر چیز کی نسبت یہ کہے کہ ہمنے کیا تو یہ نسبت صحیح اور درست ہوگی علاوہ اسکی مصری اور یونانی حکماء کا یہ خیال تہا کہ دو چیزیں ازلی وابدی ہیں۔ ایک خدا دوسرا مادہ۔ خدا نے اس قدیم اور ازلی مادے سے تمام دنیا کو بنایا اور رچایا ہے اور ایک گروہ زردشتیوں کا یہ عقیدہ تہا کہ دو مقابل کے وجود ہیں ایک یزداں یعنے خدا اور دوسرا اہرمن یعنی شیطان۔ نیک کام خدا کرتا ہے اور بدکام شیطان۔ اور یہہ مذہب اس ریگستان میں بہی پہیل گیا تہا جہاں ان غلطیوں کا اصلاح کروانے والا پیدا ہوا تہا ٭

خدا تعالی کو قرآن مجید میں اُن دونوں عقیدوں کا مٹانا اور اپنی ذات واحد کو خالق جمیع کائنات کا بتانا اور اپنے تئیں وحدہٗ لاشریک لہٗ جتانا مقصود تہا۔ پس سب سے عمدہ طریقہ اس باریک مسئلے کے سمجہانیکا یہی تہا کہ تمام افعال کو اُن کے تمام واسطوں کو دور کرکے خاص اپنی طرف منسوب کرے اور کبہی اُن واسطوں کی طرف۔ تاکہ لوگ سمجہہ لیں کہ علت العلل صرف ایک ذات وحدہٗ لاشریک ہے اور جو واسطے ہمکو دکہائی دیتے ہیں بلاشبہ وہ واسطے ہیں مگر علت العلل اُن سب کی وہی ایک ذات وحدہٗ لاشریک ہے ٭

پس جس کلام کا یہ موضوع ہو اُس سے اس مطلب کو نکالنا کہ انسان اپنے افعال میں مجبور ہے یا مختار یا بین الجبر والاختیار۔ اُس کلام کو غیر ما وضع لہٗ میں استعمال کرنا ہے ہاں یہ ایک تمدنی اور طبعی اور عقلی مسئلہ ہی جسپر انسان کی خلقت کے لحاظ سے بحث اور غور ہوسکتی ہی جسکو ہم مختصراً بیان کرتے ہیں ان علما اور حکما نے جنہوں نے انسانی فطرت پر غور کی ہے دو طرح پر انسان کو اپنے افعال میں مجبور پایا ہے ایک امور خارجیہ کے سبب سے جبکہ قومی وملکی وتمدنی امور کی الفت وموانست

کا اور بچپن سے کسی امر کی ممارست و تربیت و صحبت کا اُسپر ایسا قوی اثر ہوتا ہے کہ وہ اُنہیں افعال کو مستحسن سمجھتا ہے اور اُنہیں کے کرنیپر اُسکا دل اُسکو مجبور کر دیتا ہے گو یہ مجبوری اکثر اسکی سمجھ میں نہیں آتی۔ کیونکہ بظاہر اوسپر کسی کا جبر نہیں ہوتا مگر در حقیقت انہیں قومی و ملکی و تمدنی اور بچپن سے کسی امر کی ممارست و تربیت و صحبت کا اثر رفتہ رفتہ بے معلوم اُس میں ایسا سرایت کر جاتا ہے کہ جس سے اُن افعال کے کرنیپر جنکو وہ کرتا ہے مجبور ہوتا ہے اور جن باتوں کو وہ سمجھتا ہے کہ میں اپنی مرضی سے کرتا ہوں درحقیقت وہ اس قوی اثر کے سبب مجبوری کرتا ہے +

دوسری قسم کی مجبوری اپنے افعال میں خود انسان کو اپنی خلقت کے سبب ہوتی ہے ہم تمام دنیا کی چیزوں میں اُن کی ایک فطرت پاتے ہیں جسکے برخلاف ہرگز نہیں ہوتا ہم دیکھتے ہیں کہ معدنی چیزیں ہوا میں نہیں اڑتی پھرتیں۔ پانی ہوا کے اوپر نہیں رہتا۔ مچھلی زمین پر زندہ نہیں رہتی۔ درندے جانوروں سے درندگی۔ پرندے جانوروں سے پرواز۔ آبی جانوروں سے شناوری کبھی زائل نہیں ہوتی پس وہ سب ان افعال کے سرزد ہونے میں جو اُن سے منسوب ہیں بمقتضائے اپنی خلقت کے مجبور ہیں +

اسی طرح ہم انسانوں میں بھی دیکھتے ہیں کہ وہ بھی اپنے افعال میں بمقتضائے اپنی فطرت کے مجبور ہیں جسکی آنکھ خدا نے ایسی بنائی ہے جس سے دور کی چیز دکھائی دیتی ہے تو وہ دور کی چیز کو دیکھنے میں مجبور ہے اسی طرح انسانوں کی بناوٹ ایسی ہے کہ جو افعال ظاہری و باطنی اُن سے ظاہر ہوتے ہیں وہ اُن میں مجبور محض ہیں اگر بالفرض ایک نہائت رحمدل نیک طبیعت شخص کے اعضا دل و دماغ کی بناوٹ ایک نہائت شقی القلب بے رحم۔ بدذات آدمی کی سی ہوتی تو اُس سے بھی وہی افعال صادر ہوتے جو اُس بدذات سے ہوتے۔ اگر ایک بیوقوف آدمی کے اعضا کی بناوٹ ایک عقلمند آدمی کے اعضا کی بناوٹ سے تبدیل ہو سکے تو اُس عقلمند سے اُس بیوقوف کے سے افعال اور اُس بیوقوف سے اُس عقلمند کے سے افعال سرزد ہونے لگینگے +

غرضکہ علم تشریح الابدان سے ثابت ہو گیا ہے کہ جس قسم کی بناوٹ انسان کی ہوتی ہے اُسی کے مناسب افعال خواہ نخواہ اُس سے سرزد ہوتے ہیں +

نہائت بیرحم سفاک قاتلوں کی کھوپری میں ایک خاص قسم کی بناوٹ ہے اور تحقیقات سے

ثابت ہوا ہے کہ ہر قاتل وسفاک کی کھوپری اُسی بناوٹ کی ہوتی ہے پس جسکی کھوپری اُس بناوٹ کی ہوگی وہ ضرور قاتل سفاک بے رحم ہوگا اور جو بیرحم سفاک قاتل ہوگا اُسکی کھوپری اُسی بناوٹ کی ہوگی - پس اُن افعال میں جو خلقت انسانی سے علاقہ رکھتے ہیں انسان مجبور ہے اور یہ ایسی بدیہی باتیں ہیں جن سے کوئی بھی جبکہ اُسکو اس علم میں واقفیت ہو انکار نہیں کرسکتا ؞

اسکو اور صاف طرح سے غور کرو جسکو ہر کوئی سمجھ سکے بعض لوگ ایسے ہیں جنکا حافظہ بہت قوی ہے بعض ایسے ہیں جنکو کوئی بات یاد نہیں رہتی - بعض ایسے ہیں جنکے قویٰ قوی ہیں بعضے نہایت ضعیف القویٰ ہیں بعضے ایسے ہیں کہ کسی کام کو ایسا عمدہ کرتے ہیں کہ اوروں سے باوصف کوشش کے ایسا نہیں ہوسکتا - کسی کے ہاتھ خوش نویسی کے قابل ہیں کسی کے مصوری کے کسی کا دماغ علم ادب کے مناسب ہوتا ہے کسی کا ریاضی کے کسی کی بناوٹ کسی خاص امر کے ایسی مناسب ہوتی ہے کہ اسکے مثل دوسرا نہیں ہوسکتا - پس یہ تمام تفاوت انسانوں میں فطرت کے باعث ہیں اور جو افعال کہ اُس فطرت پر مبنی ہیں اُن کے صادر ہونے میں وُہ مجبور ہیں ؞

اسلئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ - فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا" یعنے اے پیغمبر کہدے کہ ہر ایک شخص اپنے شاکلہ پر کام کرتا ہے یعنے اپنی جبلت یا خصلت پر ؞

لفظ شاکلہ کے معنے لسان العرب میں طرف طور و طریقہ کے ہیں - اور انسان کے شاکلہ سے اُسکی شکل اُسکی طبیعت کا میلان جسطرف ہو اور اُسکا طریقہ مراد ہے - قرآن میں ہے کہ اے پیغمبر کہدے ہر شخص اپنے شاکلہ پر کام کرتا ہے یعنے اپنے طور و طریقہ پر اور اپنے مذہب پر اور اخفش نے یہ معنی لئے ہیں کہ اپنی طبیعت کے میلان پر جس طرف ہو اور اپنی خلقت پر ؞

تاج العروس شرح قاموس میں شاکلہ کے معنے "شکل و صورت" کے ہیں جیسے کہتے ہیں یہ شخص اپنے باپ کے شاکلہ پر ہے یعنی اُسکا ہم شکل ہے اور شاکلہ میلان کی سمت اور جہت کو بھی کہتے ہیں - اخفش نے آیتہ " قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ " کی تفسیر میں شاکلہ کے یہی معنے لئے ہیں شاکلہ کے معنے نیت کے بھی ہیں قتادہ نے آیت مذکور کے یہ معنے بیان کئے ہیں کہ ہر شخص اپنی طبیعت کے

رُخ اور نیت پر عمل کرتا ہے شاکلہ کے معنے طور و طریقہ کے بھی ہیں آیت مذکور کی تفسیر ان معنوں پر بھی کی گئی ہے ؛

ایک معنی شاکلہ کے مذہب اور خلقت کے ہیں ابن عرفہ نے اسی معنے پر آیت کی تفسیر کی ہے اور راغب نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ ہر شخص اپنے سجیہ یعنے طبیعت پر عمل کرتا ہے جسکا وہ مقید ہے سجیہ ہی انسان پر ایسا حاکم غالب ہے جو مکارم شریعت تک لیجانے میں وسیلہ ہوجاتا ہے اور یہ شخص آنحضرت کے اس قول کے مطابق ہے کہ ہر شخص آسانی دیا گیا ہے اُس کام کے لئے جسکے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے دیکھو مادہ شکل۔

محیط المحیط میں ہے کہ شاکلہ کے معنے ہیں شکل۔ طرف۔ گوشہ ران۔ نیت۔ طریقہ اور مذہب اور سورہ بنی اسرائیل میں " قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ " کے معنے یہ ہیں کہ ہر شخص اپنے سجیہ یعنے طبیعت اور خلقت پر عمل کرتا ہے دیکھو مادہ شکل۔

لغات القرآن مصنفہ علامہ محمد ابن ابی بکر رازی میں ہے کہ " علی شاکلتہ " کے معنے ہیں اپنے طریقہ اور میلان طبعی کے رُخ پر اور بعض کے نزدیک اسکے معنے ہیں اپنی خلقت اور طبیعت پر اور پوری آیت سے پہلے قول کی تائید ہوتی ہے ؛

اور امام محی الدین ابن عربی کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہر شخص اپنی شاکلہ پر عمل کرتا ہے یعنے اپنی خلقت اور ملکہ پر جو اسکے مقام اور مرتبہ کے موافق اُسپر غالب ہوتا ہے۔ جس کا مقام نفس ہے اور ملکہ وہ ہے جو نفس کے اقتضاء کے موافق ہے وہ خدا سے منہ پھیرتا ہے۔ اور نا امید ہوتا ہے اور جسکا مقام قلب ہے اور ملکہ نیک عادت ہے وہ اسکے مقتضاء کے موافق شکر و صبر کرتا ہے صفحہ ۳۰۴۔

معالم التنزیل میں علامہ بغوی نے لکھا ہے کہ آیت " قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ " کی تفسیر میں ابن عباس نے شاکلہ کے معنی لئے ہیں طبیعت کا میلان جسطرف ہو۔ اور حسن بصری اور قتادہ نے نیت کے معنے لئے ہیں اور مقاتل نے طور اور طریقہ کے معنے قرار دئے ہیں اور فراء نحوی نے وہ طریقہ مراد لیا ہے جسپر انسان مجبول ہے اور قتیبی نے طبیعت اور خلقت کے معنے بیان کئے ہیں (تفسیر معالم التنزیل جلد ثانی صفحہ ۲۰۳) اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ

ہر ایک انسان ایک فطرت یا جبلت پر پیدا ہوا ہے اور آیت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو جبلت یا فطرت یا خلقت خدا نے جس انسان کی پیدا کی ہے اُسی کے مطابق عمل کرتا ہے اور دوسری بات ان الفاظ سے فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو کچھ انسان کرتا ہے یا کرے گا اچھا یا برا۔ قبل اسکے کہ وہ کرے خدا کو اسکا علم ہے اور خدا جانتا ہے کہ یہ کرے گا۔

خدا نے انسان کی خلقت یا جبلت یا فطرت میں جو باتیں پیدا کی ہیں اسکے برخلاف اُس سے کوئی امر ظہور میں نہیں آسکتا چنانچہ قرآن مجید میں بھی خدا تعالی نے یہی فرمایا ہے "فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ" اور یہ بات ظاہر ہے کہ خدا نے ایک حد معین تک انسان کو قدرت عطا کی ہے جس سے وہ اُس حد تک اپنے افعال کا مختار ہے اور یہ سمجھنا کہ ایسا اختیار دینے سے خدا کی قدرت میں اختیار لازم آتا ہے محض غلط ہے کیونکہ اُس نے وہ قوت کسی اضطرار یا مجبور ہونے کے سبب سے نہیں دی بلکہ اپنی خوشی اور مرضی سے دی تھی اور وہ مختار تھا چاہتا دیتا چاہے نہ دیتا اور اس قدرت کا دینا نہائت حکمت پر مبنی ہے جسکی طرف خدا نے اشارہ کیا ہے۔ جہاں فرشتوں کیطرف مخاطب ہو کر فرمایا ہے۔ "اِنِّيْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ" یہ کہنا کہ خدا نے جس فطرت پر جس انسان کو بنایا ہے اوس کے تبدیل نہ کرنے سے خدا کا عجز ثابت ہوتا ہے درست نہیں ہے کیونکہ کسی صاحب قدرت اور اختیار کا اپنی بنائی ہوئی فطرت کو یا قانون فطرت کو قائم رکھنا اُسکی قدرت کی دلیل ہے نہ اسکے عجز کی۔

خدا نے اپنی تمام مخلوقات کے پیدا کرنے میں اور اُسکو ایک فطرت عطا کرنے میں ہر ایک کے ساتھ نہائت عدل کیا ہے اُسکا ثبوت اس بات سے ہوتا ہے کہ ہر ایک مخلوق کو ایک جھنگے سے لیکر انسان تک جسکو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے جو چیزیں کہ بلحاظ اُسکی خلقت کی اُسکے لئے ضروری تھیں سب عطا فرمائی ہیں کوئی مخلوق ایسا نہیں ہے جسکی نسبت کہا جا سکے کہ بلحاظ اُسکی خلقت کے اُسکو فلاں چیز ضرور تھی اور اُسکو عطا نہیں ہوئی۔ پس یہ ایسا بےنظیر عدل ہے جو خدا کے سوا اور کسی سے ہو ہی نہیں سکتا اور جو فطرت جس میں پیدا کی ہے بلحاظ اُسکی خلقت کے اس فطرت کا اُس میں ہونا ہی مقتضائے عدل تھا۔

انسان کو جب اُس نے مکلف بنایا تو اس فطرت کا بھی جس سے وہ مکلف ہوسکے عطا کرنا عین انصاف تہا اور وہ فطرت اُس کا ایک حد مناسب تک مختار ہونا ہے اور اُس فطرت کا بدلنا اور اسکو بدستور مکلف رکہنا عدل وحکمت دونوں کے برخلاف تہا اِسی لئے خدا نے فرمایا کہ "لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ" پس اُس فطرت کو قائم رکھنا دلیل اسکی کمال قدرت وعدل کی ہے نہ عجز وظلم کی +

اسبات کو توکوئی تسلیم نہیں کرتا کہ انسان کو مثل جماد بے جان کے پیدا کیا ہو اور وہ بذاتہ لاالعقل اور غیر متحرک بالارادہ ہے کیونکہ ہم اُسکو دیکھتے ہیں کہ وہ ذی عقل اور متحرک بالارادہ ہے۔ جس کام کو چاہتا ہے کرتا ہے جسکو چاہتا ہے نہیں کرتا۔ یعنے کاموں کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور پھر اُن کے کرنے سے رُک جاتا ہے اور نہیں کرتا۔ اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ انسان میں دو قوتیں موجود ہیں ایک کسی کام کے کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور دوسری اُسی کام کے کرنے سے اُسکو روکتی ہے اور انہیں قوتوں کے مطابق وہ عمل کرتا ہے اور اسی کی نسبت خدا نے فرمایا ہے "کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ" اور انہیں قوتوں کے سبب جو خدا نے عطا کی ہیں فرمایا ہے "فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ"

یہ دونوں قوتیں ہر ذی عقل انسان میں موجود ہیں ایک کا نام قوت تقوی ہے اور دوسری کا نام قوت فجور پہلی قوت سے دوسری قوت کو مغلوب کرنا انسان کی سعادت ہے اور دوسری سے پہلی کو مغلوب کرنا انسان کی شقاوت +

بعض انسان ایسے پیدا ہوئے ہیں کہ اُن میں قوت تقوی قوت فجور پر فطرتاً غالب ہے جس سے وہ از روئے فطرت کے قوت فجور کو مغلوب رکھتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جنمیں قوت فجور ہے مگر جس درجے تک قوت تقوی اُن میں ہے اُس کا کام میں لانا اُن کا فرض ہے خواہ قوت فجور مغلوب ہوسکے یا نہیں اور اُسکا کام میں نہ لانا معصیت ہے +

انسان صرف اُس قوت نور فطرت کے سبب سے مکلف ہے جسکا بیان ہم نے ضرورت بعثت انبیا میں کیا ہے اور یہی وہ قوت ہے جسپر ثواب وعقاب کا دارومدار ہے +

تقدیر کا بیان

یہ بات مسلم ہے کہ خدا علت العلل جمیع کائنات کا ہے پس اگر تمام

حوادث و واقعات اور افعال کو جو مخلوقات سے ہوتے ہیں خدا اپنی طرف نسبت کرے اور ہر چیز کی نسبت یہ کہے کہ میں نے کیا تو یہ نسبت بالکل صحیح ہوگی مگر مجرد اس کہنے سے جو بسبب علت العلل ہونے کے کہا جاتا ہے فاعل کا مجبور رہونا لازم نہیں آتا۔ ہم نے ایک شخص کو نشانہ لگانا سکھلایا اب وہ جس جس کو مارتا ہے ہم کہتے ہیں کہ ہم نے مارا مگر صرف اس کہنے سے یہ بات کہ قاتل کو مقتولین کے قتل پر ہم نے مجبور بھی کیا تھا لازم نہیں آتی ✦

وہ علت العلل اپنے معلولات کے تمام حالات کا علم واقعی رکھتی ہے جسکو ہم تقدیر کہتے ہیں پس اگر وہ علت العلل اپنے معلول کی نسبت بہ سبب اپنے علم واقعی کے یہ کہے کہ ہم نے اسکو ہدائت کی اور ہم نے اُسکو گمراہ کیا۔ ہم نے اُسکو بہشت کیلئے پیدا کیا اور ہمنے اُسکو دوزخ کے لئے بنایا تو یہ کہنا بالکل صحیح ہے۔ اپنی طرف اُن باتوں کو نسبت کرنا تو بسبب علت العلل ہونے کے ہے اور نتیجوں کو بیان کرنا بسبب اپنے علم واقعی کے ہے مگر اُس سے اُس فاعل کا مجبور ہونا لازم نہیں آتا۔

مثلاً فرض کرو کہ ایک نجومی ایسا بڑا کامل ہے کہ جو کچھ آئندہ کے احکام بتاتا ہے اُس میں سر مُو فرق نہیں ہوتا اب اُس نے ایک شخص کی نسبت بتایا کہ وہ ڈوب کر مرے گا اُس کا ڈوب کر مرنا تو ضرور ہے اسلئے کہ نجومی کا علم واقعی ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس نجومی نے اُس شخص کو ڈوبنے پر مجبور بھی کر دیا تھا ✦

پس جو علم الٰہی میں ہے یا یوں کہو کہ جو تقدیر میں ہے وہ ہوگا تو ضرور مگر اُس کے کرنے پر خدا کی طرف سی مجبوری نہیں ہے بلکہ خدا کے علم کو اُسکے جاننے میں یا تقدیر کو اُس کے ہونے میں مجبوری ہے ✦

پس کسی کی نسبت یہ کہنے سے کہ وہ دوزخی ہے یا جنتی اُسکو دوزخی یا جنتی ہونے میں کچھ مجبوری نہیں ہے

خدا کا یہ کہنا کہ ہمنے جنتی کیا یا دوزخی پیدا کیا صرف بسبب علت العلل ہونے کے ہے لیکن اس سے فاعل کی مجبوری لازم نہیں آتی ؛

جیسا کہ ہمنے اوپر بیان کیا ہے۔ انسان سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں اُسکے اعضاء

کی ترکیب ہی ایسی ہوتی ہے جس سے اُن افعال کا سرزد ہونا ضروری ہوتا ہے پس اُس انسان کی نسبت جو نیک بات کو نہیں مانتا یہ کہنا بالکل سچ ہے کہ خدا نے اسکے دل پر مُہر کردی ہے اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اُن کی قسمت میں سخت عذاب ہے اور انکو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے مگر اس بات سے انسان کا مجبور ہونا ثابت نہیں ہوتا انکی قسمت میں سخت عذاب کا یا اُن کو جہنم کے لئے پیدا ہونا تو بسبب اُس علم باری کے ہے جو واقعی ہے اُس سے فاعل کی مجبوری لازم نہیں آتی مگر آنکھوں پر پردہ ہونے اور دل پر مُہر ہونے کی نسبت نصیحت کا نہ ماننا ممکن ہے کہ طبعی مجبوری کے سبب سے ہو مگر اُس سے انسان کسی عذاب کا مستحق نہیں ہوتا ؛

نہ عابد کی نجات عبادت پر ہے اور نہ فاسق کی درکات اسکے فسق پر۔ بلکہ انسان کی نجات صرف اس پر ہے کہ جو قوائے خدا تعالےٰ نے اُس میں رکھے ہیں اور جسقدر رکھے ہیں اُن سب کو بقدر اپنی طاقت کے کام میں لاتا ہے اگر قوائے بہیمیہ اُس پر غالب ہیں اور قوائے ملکیہ کمزور تو اُن کمزور قوی کو بیکار نہ چھوڑے اُن کو بھی کام میں لاتا رہے کہ یہی اُن گناہوں کا علاج ہے جسکو انبیاء کی زبان میں توبہ اور کفارہ کہتے ہیں اور جسکو شارع نے ان عمدہ لفظوں میں کہ "التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ" بیان فرمایا ہے ؛

توبہ کیا ہے ؟ اپنے فعل پر نادم اور شرمندہ ہونا اور خدا سے اُسکی معافی چاہنا ہے اور مصمم ارادہ آئندہ اسکے مرتکب نہونیکا کرنا اور یہ کیا ہے اُسی نور فطرت کو کام میں لانا ہے گو ہماری طبیعت کیسی ہی بدی پر مجبول ہو۔ لیکن خود ہم اپنے آپ میں دو چیزیں پاتے ہیں ایک اس کام کرنیکا ارادہ جسکو ہم کرنا چاہتے ہیں اور ایک وہ دلی سچائی جو ہمکو اُس کام کی بھلائی یا بُرائی بتلاتی ہے۔ جسکو نور ایمان یا نور فطرت (جیسا کہ ہم نے اُسکی حقیقت وحی والہام کے مسئلہ میں بیان کی ہے) پاتے ہیں۔ پس ہر ایک انسان کافر و مسلمان یہ دونوں قوتیں اپنے میں رکھتا ہے اور ان دونوں کے کام میں لانے پر وہ بلاشبہ قادر ومختار ہے ؛

اب اگر ہماری بناوٹ ایسی ہے جسمیں قوائے بہیمیہ ہم پر غالب ہیں تو ضرور وہ گناہ ہمسے سرزد

ہوگا۔ پس اگر ہم نے اُس قوت کو جو اُسکی بُرائی ہمکو بتاتی ہے بیکار نہیں چھوڑا تو ہم پر کچھ گناہ نہیں ہے کیونکہ ہم نے پورا پورا اپنا فرض ادا کیا ہے اور اگر ہمنے اُس نور قلب کو بیکار چھوڑ دیا ہے تو ہم خود اپنے اختیار سے گناہ گار اور مستوجب عذاب ہوئے ہیں مگر چونکہ خدا جانتا ہے کہ کون اُس نور قلب کو کام میں لاوے گا اور کون بیکار چھوڑیگا تو قبل وقوع اس واقعہ کے بلا شُبہ مثل اُس کامل نجومی کے فرما دیتا ہے کہ ہم نے بہتیروں کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے +

یہ بھی ہم خود اپنے آپ میں پاتے ہیں کہ گو ہماری جبلت میں قوائے بہیمیہ کیسے ہی زور آور پیدا ہوئے ہوں لیکن اگر ہم اُس نورانی قوت کو کام میں لائے جاتے ہیں اور افعال ذمیمہ کو بُرا جانتے جاتے ہیں اور اُن کے کرنے پر دل میں ندامت پاتے ہیں تو کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ وُہ قوائے بہیمیہ بالکل کمزور ہو کر اعتدال پر آجاتی ہے اور اُس نورانی قوت کی سلطنت سب پر ہو جاتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اُن قوائے بہیمیہ کا وہ زور شور نہیں رہتا۔ یہی مسئلہ رسُول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمکو بتایا ہے مگر جب وہ نورانی قوت بیکار چھوڑ دی جاتی ہے تو وہ نہایت کمزور رہتی ہے اور کبھی ایسی ہو جاتی ہو کہ گویا معدوم ہے +

پس جس چیز پر ہم مجبُور ہیں وہ باعث عذاب نہیں بلکہ ترک فعل اختیاری کا یعنے نہ کام میں لانا اُس نورانی قوت کا باعث عذاب ہے +

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال جاء ناس من اصحاب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسالوہ انا نجد فی انفسنا ما یتعاظم احدنا ان یتکلم بہ قال او قد وجد تموہ قال نعم قال ذالک صریح الایمان رواہ مسلم" (ترجمہ) روائت ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اُنہوں نے کہا کہ اصحاب رسُول اللہ میں سے لوگ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اُنہوں نے حضرت سے دریافت کیا کہ تحقیق ہم اپنے دلوں میں ایسی بات پاتے ہیں جسکا زُبان پر لانا ہم میں سے ہر ایک بُرا جانتا ہے رسُول اللہ نے فرمایا کیا تم ایسا پاتے ہو۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ ہاں آپنے فرمایا کہ یہی صریح ایمان ہے روائت کیا اسکو مسلم نے۔

امام احمد بن یحییٰ المرتضےٰ زیدی نے اپنی کتاب ملل ونحل میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن عمر

سے ایک شخص نے کہا اے ابو عبد الرحمن بعض قوموں کے لوگ زنا کرتے ہیں اور شراب پیتے ہیں۔ اور چوری کرتے ہیں اور لوگوں کو قتل کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ خدا کے علم میں تھا ہم کو اس سے کوئی چارہ نہیں ہے عبد اللہ بن عمر غصے ہوئے پھر کہا سبحان اللہ بیشک اُس کے علم میں تھا کہ وہ ایسے کام کریں گے مگر خدا کے علم نے انکو ان کاموں پر مجبور نہیں کیا۔ مجھ سے میرے باپ عمر بن خطاب نے ذکر کیا کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سُنا کہ علم الٰہی کی مثال تم میں مانند آسمان کی ہے جس نے تم پر سایہ کر رکھا ہے اور مانند زمین کی ہے جسنے تمکو اٹھا رکھا ہے۔ پس جسطرح تم آسمان و زمین سے باہر نہیں جا سکتے۔ اُسی طرح تم خدا کے علم سے باہر نہیں ہو سکتے۔ اور جس طرح آسمان و زمین تم کو گناہوں پر مائل نہیں کرتے اسی طرح خدا کا علم بھی تمکو اُن گناہوں پر مجبور نہیں کرتا۔

عقیدہ چہاردہم

اَلْجَنَّةُ وَالنَّارُ حَقٌّ

جنّت اور دوزخ حق ہیں

دوزخ اور بہشت کا ذکر قرآن مجید میں بہت جگہوں پر آیا ہے لیکن اُعِدَّتْ کیساتھ جسکے معنے تیار یا آمادہ کے ہیں چار جگہوں میں آیا ہے اوّل سورہ بقر آیت ۲۳۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ" دوم سورۃ آل عمران میں ہے "وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ" سوم اسی سورۃ آل عمران میں جنت کی نسبت "اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ" اور پھر سورہ حدید میں "اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ"

اس لفظ پر استدلال کر کے علماء اسلام نے یہ عقیدہ قائم کیا ہے کہ "الجنۃ والنار مخلوقتین" یعنے دوزخ اور بہشت دونوں پیدا ہو چکے ہیں مگر غور کرنے سے پایا جاتا ہے کہ ان آیتوں سے یا اُعِدَّت کے لفظ سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔

تمام قرآن کا طرز بیان اس طرح پر ہے کہ آئندہ کی باتوں کو جو یقینی ہونیوالی ہیں ماضی کے صیغوں سے بیان کیا جاتا ہے جو ان کے قطعی ہونے پر دلالت کرتی ہیں اسی طرح قرآن کی آیتوں میں جو باتیں ہونیوالی ہیں اُنکو بطور ہو چکی یعنے ماضی کے صیغے سے بیان کیا ہے مثلاً اس آیت ۲۳ سورہ بقر میں فرمایا ہے بچو اُس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جو تیار ہے کافروں کے لئے۔ آدمیوں پر ایندھن کا اطلاق اس وقت ہو سکتا ہے جب وہ آگ بھڑکانے کے لئے آگ میں ڈالے جاوینگے اور ان علماء اسلام کے نزدیک اگر یہ ہوگا تو قیامت میں حساب و کتاب کے بعد ہوگا پس اسوقت نہ کوئی آدمی جہنم کی آگ کا ایندھن ہے اور نہ کوئی ایسی آگ موجود ہے جسکا ایندھن آدمی ہوں ممکن ہے کہ کہا جاوے کہ ایسا ہوگا پس اگر ہوگا تو بالفعل موجود ہونا قائم نہ رہا۔ دوسری آیت محولہ بالا میں بہشتیوں کی نسبت پھل کا ملنا اور ایک سے پھل کا ملنا اور ان کا کہنا کہ یہ تو وہی ہے جو پہلے ملا تھا۔ سب ماضی کے صیغوں سے بیان ہوا ہے حالانکہ اگر یہ ہوگا تو قیامت کے بعد ہوگا جب لوگ حساب کتاب دیکر بہشت میں جاوینگے۔

علاوہ اس کے اگر کسی کام کا بدلا یا کسی جرم کی سزا یقینی ہو تو اس کہنے سے کہ اگر تم یہ بات کرو گے تو اُس کا یہ صلہ اور یہ جرم کرو گے تو اسکی یہ سزا تمہارے لئے تیار ہے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ صلہ یا وہ ذریعہ سزا بالفعل موجود بھی ہو بلکہ اس طرز کلام کا صرف یہ مفاد ہے کہ وہ بدلہ یا سزا الٰہی یقینی ہے پس یہ مسئلہ کہ بہشت و دوزخ دونوں بالفعل مخلوق و موجود ہیں قرآن سے ثابت نہیں۔

جنت یا بہشت کی ماہیت

جنت یا بہشت کی ماہیت جو خود خدا تعالیٰ نے بتلائی ہے وہ تو یہ ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُم مِّن قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ سورہ الم السجدہ آیت ۱۷۔ یعنے کوئی نہیں جانتا کہ کیا اُن کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی راحت چھپا رکھی گئی ہے اُسکے بدلے جو وہ کرتے تھے

پس اگر حقیقت بہشت کی یہی باغ اور نہریں اور موتی اور چاندی سونے کی اینٹوں کے مکان اور دودھ اور شراب و شہد کے سمندر اور لذیذ میوے اور خوبصورت عورتیں اور لونڈے ہوں تو یہ تو قرآن کی آیت اور خدا کے فرمودہ کے بالکل مخالف ہے کیونکہ ان چیزوں کو تو انسان جان سکتا ہے اور اگر فرض کیا جاوے کہ ویسی عمدہ چیزیں نہ آنکھوں نے دیکھیں اور نہ کانوں سے سنیں تو بھی ولاخطر علی قلب بشر سے خارج نہیں ہوسکتیں عمدہ ہونا ایک صفت اضافی ہے اور جب اُن سب چیزوں کا نمونہ دنیا میں موجود ہے تو اسکی صفتِ اضافی کو جہاں تک کہ ترقی دیتے جاؤ انسان کے دل میں اُسکا خیال گذر سکتا ہے حالانکہ بہشت کی ایسی حقیقت بیان ہوئی ہے کہ "لاخطر علی قلب بشر"

پس بہشت کی جو یہ تمام چیزیں بیان ہوئی ہیں درحقیقت بہشت میں جو "قرۃ اعین" ہوگا اسکے سمجھانے کو بقدر طاقت بشری تمثیلیں ہیں نہ بہشت کی حقیقتیں *

انسان مطابق اپنی فطرت کے اُنہیں چیزوں کو سمجھ سکتا اور انہیں کا خیال اسکے دل میں آسکتا ہے جو اُس نے دیکھی یا چھوئی یا چکھی یا سُونگھی یا قوت سامعہ سے محسوس کی ہوں اور بہشت کی جو "قرۃ اعین" یعنے راحت یا لذت ہے اُسکو نہ انسان نے دیکھا ہے نہ چھوا ہے نہ چکھا ہے نہ سُونگھا ہے نہ قوت سامعہ نے اُسکا حس کیا ہے۔ پس فطرت انسانی کے مطابق اُسکو بتلانا ناممکن ہے *

اسکے سوا ایک اور مشکل درپیش ہے کہ جو کچھ انسان کو بتایا جاتا ہے وہ اُن الفاظ سے تعبیر ہوتا ہے جو انسان کی بول چال میں ہیں اور جو چیز کہ انسان نے نہ دیکھی نہ چھوئی نہ سُونگھی نہ قوت سامعہ سے حس کی ہو اُسکے لئے کوئی لفظ انسان کی زبان میں نہیں ہوتا اور اسلئے اُسکا تعبیر کرنا گو خدا ہی تعبیر کرنا چاہے محالات سے ہے *

اسکے سوا ایک اور سخت مشکل یہ ہے کہ کوئی شخص اُن کیفیات کو بھی جو اس دُنیا میں ہیں تعبیر نہیں کر سکتا۔ کوئی شخص کھٹاس مٹھاس۔ درد۔ دُکھ۔ رنج و راحت کی کچھ بھی کیفیت نہیں بتا سکتا۔ یا اُسکے لئے دوسرا لفظ بول دیتا ہے یا کوئی مشابہت اور نظیر اُس کی لاتا ہے جو وہ بھی مثل پہلے کے محتاج بیان ہوتی ہے پس بہشت کی کیفیت یا لذت کا جسکو قرۃ اعین سے تعبیر کیا ہے

بیان کرنا گو خدا ہی اُسکا بیان کرنا چاہے محال سے بڑھکر محال ہے +

مگر جب کہ انسان کو ایک بات کے کرنے اور ایک بات کے نہ کرنے کو کہا جاوے تو بالطبع انسان اُسکی منفعت اور مضرت کے جاننے کا خواہاں ہوتا ہے اور بغیر جاننے اُسکے کرنے یا نہ کرنے پر راغب یا متنفر نہیں ہوتا اسواسطے ہر ایک پیغمبر کو بلکہ ہر ایک رفارمر یعنے مصلح کو کسی منفعت و مُضرت کا کسی تمثیل یا تشبیہ سے بتانا پڑتا ہے +

"قرۃ اعین" کی ماہیت یا حقیقت یا کیفیت یا اصلیت کا بتانا تو محالات سے ہے اسلئے انبیاء نے اُن راحتوں اور لذتوں یا رنج اور تکلیفوں کو جو انسان کے خیال میں ایسی ہیں جو اُن سے زیادہ نہیں ہوسکتیں بطور جزا و سزا اُن افعال کے بیان کیا ہے" اور غرض اُن سے بعینہ وہی اشیاء نہیں ہیں بلکہ جو رنج و راحت' لذت و کلفت اُن سے حاصل ہوتی ہے اس کیفیت "قرۃ اعین" کو تشبیہاً بیان کرنا مقصود ہوتا ہے گو وہ تشبیہ کیسی ہی ادنی اور ناچیز ہو حضرت موسیٰ نے اس "قرۃ اعین" کو اولاد پیدا ہونے مینہ برسنے۔ رزق کے فراخ ہونے دشمنوں پر غلبہ پانے اور اس کلفت کو اولاد مرنے۔ قحط پڑنے۔ وبا پھیلنے۔ شکست کھانے کی کیفیت کی تشبیہ میں بیان کیا ہے یہ تشبیہیں اگرچہ بنی اسرائیل کے دل پر بہت مؤثر تھیں مگر درحقیقت ایسی نہ تھیں کہ جو تمام انسانوں کی طبیعت پر حاوی ہوں +

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو ایسی تشبیہوں میں بیان کیا ہے کہ تمام انسانوں کی طبیعتوں پر حاوی ہیں اور کل انسانوں کی خلقت اور جبلت کے نہائت ہی مناسب ہیں +

تمام انسانوں کو خواہ وہ سرد ملک کے رہنے والے ہوں خواہ گرم ملک کے۔ مکان کی آراستگی۔ مکان کی خوبی۔ باغ کی خوشنمائی بہتے پانی کی دلربائی۔ میووں کی تروتازگی سب کے دل پر ایک عجیب کیفیت پیدا کرتی ہے اسکے سوا حُسن یعنے خوبصورتی سب سے زیادہ اثر کرنیوالی ہو خصوصاً جب کہ وہ انسان میں ہو اور اُس سے بھی زیادہ جب کہ عورت میں ہو +

پس بہشت کی "قرۃ اعین" کو ان فطرتی راحتوں کی کیفیات کی تشبیہ میں اور دوزخ کے مصائب کو آگ میں جلنے اور لہو پیپ پلائے جانے اور تھوہر کھلائے جانیکی تمثیل میں بیان کیا ہے تاکہ انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ بڑی سے بڑی راحت و لذت یا سخت سے

سخت عذاب وہاں موجود ہے اور درحقیقت جو لذت وراحت یا رنج وکلفت وہاں ہے اس کو اس سے کچھ بھی مناسبت نہیں ہے یہ تو صرف ایک اعلیٰ راحت واحتظاظ کا یا رنج وکلفت کا خیال پیدا کرنے کو اُس پیرائے میں جس میں انسان اعلیٰ سے اعلیٰ احتظاظ ورنج کو خیال کر سکتا تھا بیان کیا ہے ؛

یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا کی ہوئی ہے اُس میں سنگ مرمر کے اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں۔ باغ میں سرسبز اور شاداب درخت ہیں۔ دودھ شراب وشہد کی ندیاں بہ رہی ہیں۔ ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے ساقی وساقنیں نہائت خوبصورت چاندی کے کنگن پہنے ہوئے جو ہمارے ہاں کی گھوسنیں پہنتی ہیں۔ شراب پلا رہی ہیں ایک جنتی ایک حور کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے ایک نے ران پر سر دھرا ہے ایک چھاتی سے لپٹا رہا ہے ایک نے لب جاں بخش کا بوسہ لیا ہے۔ کوئی کسی کونے میں کچھ کر رہا ہے کوئی کسی کونے میں کچھ۔ ایسا بیہودہ پن ہے۔ جس پر تعجب ہوتا ہے اگر بہشت یہی ہو تو بے مبالغہ ہمارے خرابات اُس سے ہزار درجہ بہتر ہیں ؛

علماء اسلام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے لسبب اپنی رقّت قلبی اور توجہ الی اللہ اور خوف ورجا کے غلبہ کے جو آدمی کے دل پر زیادہ اثر کرنے سے ایسے درجے پر پہنچا دیتا ہے کہ اصل حقیقت کے بیان کرنے کی جرأت نہیں رہتی یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جو ام الفاظ سے مستفاد ہوتا ہے اسی کو تسلیم کر لیں اور اسکی حقیقت اور اسکے مقصد کو خدا کے علم پر چھوڑ دیں اسواسطے وہ بزرگ تمام اُن باتوں کو تسلیم کرتے ہیں جنکو کوئی بھی نہیں مان سکتا اور وہ باتیں جیسے کہ عقلی اور اصلی مقصد بانی مذہب کے برخلاف ہیں ویسے ہی مذہب کی سچائی اور بزرگی اور تقدس کے مخالف ہیں ؛

اس امر کے ثبوت کے لئے کہ بانی مذہب کا اُن چیزوں کے بیان کرنے سے صرف اعلیٰ درجہ کی راحت کا بقدر فہم انسانی خیال پیدا کرنا مقصود تھا۔ نہ واقعی اُن چیزوں کا دوزخ اور بہشت میں موجود ہونا۔ ایک حدیث کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو ترمذی نے بریدہ سے روائت کی ہے:۔ عن بریدۃ ان رجلاً قال یا رسول اللہ ھل فی جنۃ

من خیل قال ان اللہ ادخلک الجنۃ فلو تشاء ان تحمل فیہا علی فرس من یاقوت حمراء یطیر بک فی الجنۃ حیث شئت الا فعلت وسألہ رجل فقال یا رسول ہل فی الجنۃ من ابل قال فلم یقل لہ ما قال لصاحبہ فقال ان یدخلک اللہ الجنۃ یکن فیہا ما اشتہت نفسک ولذت عینک رواہ الترمذی مشکوٰۃ" اس حدیث میں بیان ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ بہشت میں گھوڑا بھی ہوگا آپ نے فرمایا کہ تو سرخ یاقوت کے گھوڑے پر سوار ہوکر جہاں چاہے گا اوڑتا پھرے گا پھر ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت! وہاں اونٹ بھی ہوگا؟ کہا۔ کہ وہاں جو کچھ چاہو گے۔ سب کچھہ ہوگا +

پس اس جواب سے یہ مقصود نہیں ہے کہ درحقیقت بہشت میں گھوڑے اور اونٹ موجود ہوں گے بلکہ صرف ان لوگوں کے خیال میں اُس اعلیٰ درجے کی راحت کا خیال پیدا کرنا ہے جو اُن کے خیال اور اُن کے عقل و فہم و طبیعت کے مطابق اعلیٰ درجہ کی ہوسکتی ہے +

اسی کی مانند اور بہت سی حدیثیں ہیں اور اگر اُن سب کو صحیح مان بھی لیا جائے تب بھی کسی کا مقصود اُن اشیاء کا بعینہ بہشت میں موجود ہونا نہیں ہے بجز اس کے کہ جہانتک انسان کی عقل و طبیعت کے موافق اعلیٰ درجے کی راحت کا خیال پیدا ہوسکے وہ پیدا ہو +

حکماء الٰہی اور انبیاء ربانی دونوں ایک سا کام کرتے ہیں فرق یہ ہے کہ حکماء صرف اُن چند لوگوں کی تربیت کرسکتے ہیں جنکا دماغ و دل تربیت پاچکا ہے برخلاف اسکے تمام انبیاء تمام کافۂ انام کو تربیت کرتے ہیں۔ جن کا بہت بڑا حصہ قریب کل کے محض ناتربیت یافتہ جاہل۔ وحشی جنگلی۔ بدوی۔ بیعقل و بددماغ ہوتا ہے اور اسی لئے انبیاء کو یہ مشکل پیش آتی ہے کہ اُن حقائق و معارف کو جن کو تربیت یافتہ عقل بھی مناسب غور و فکر و تامل سے سمجھہ سکتی ہے ایسے الفاظ میں بیان کریں کہ تربیت یافتہ دماغ اور کوڑ مغز دونوں برابر فائدہ اٹھاویں۔ قرآن مجید میں جو بےمثل چیز ہے وہ یہی ہے کہ اُس کا طرز بیان ہر ایک مذاق اور دماغ کے موافق ہے اور باوجود اس قدر اختلاف کے دونوں نتیجے پانے میں برابر ہیں اُنہیں

آیات کی نسبت دو مختلف دماغوں کے خیالات پر غور کرو۔ ایک تربیت یافتہ دماغ خیال کرتا ہے کہ وعدہ و وعید دوزخ و بہشت کے جن الفاظ سے بیان ہوئے ہیں اُن سے بعینہٖ وہی اشیاء مقصود نہیں بلکہ اُسکا بیان صرف اعلیٰ درجہ کی خوشی و راحت کو فہم انسانی کے لائق تشبیہ میں لانا ہے اس خیال سے اسکے دل میں ایک بے انتہا عمدگی نعیم جنت کی اور ایک ترغیب اوامر کے بجالانے اور نواہی سے بچنے کی پیدا ہوتی ہے اور ایک کوڑ مغز یہ سمجھتا ہے کہ درحقیقت بہشت میں نہایت خوبصورت اَن گِنت حوریں ملینگی شرابیں پئیں گے میوے کھاوینگے دوُدھ اور شہد کی ندیوں میں نہاویں گے اور جو دل چاہے گا وہ مزے اڑاویں گے اور اس خیال سے دن رات اوامر کے بجالانے اور نواہی سے بچنے میں کوشش کرتا ہے اور جس نتیجہ پر پہلا پہونچا تھا۔ اُسی پر یہ پہنچ جاتا ہے اور کافہ انام کی تربیت کا کام بخوبی تکمیل پاتا ہے۔

پس جس شخص نے ان حقائق قرآن مجید پر جو فطرت انسانی کے مطابق ہیں غور نہیں کی اُس نے درحقیقت قرآن کو مطلق نہیں سمجھا اور اس نعمت عظمیٰ سے بالکل محروم رہا۔

عقیدۂ یازدہم

وَالْقِیَامَۃُ حَقٌّ

یعنے قیامت حق ہے

قیامت کا یقین کرنا جس طرح پر کہ قرآن مجید میں اسکا ذکر ہوا ہے بلاشبہ ہمارا ایمان ہی قیامت کے دن اس دنیا کے تمام حالات بدل جائیں گے جو چیزیں کہ اب موجود ہیں۔ خواہ اُن کے خواص و اوصاف تبدیل ہوجائیں خواہ اُنکی ذات فنا ہوجاوے۔

تحقیقات جدید کی رُو سے جہاں تک معلوم ہوسکا ہے چاند کی نسبت یہ معلوم ہوا ہے کہ کسی زمانہ میں اس میں آبادی تھی اور ہوا مثل کرۂ ارض کے اسکی محیط تھی۔ پانی

بھی اُن میں تھا۔ مگر اب محض ویران اور سوکھ کر کھنگر ہو گیا ہے کوئی ذی نفس اُس میں نہیں ہوا بھی اُسکے محیط نہیں ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بعض کواکب جو حقیقت میں بہت بڑے بڑے کرہ میں سے کبھی سینکڑوں حصے بڑے تھے منتشر ہو گئے اور اور کروں میں جا ملے۔

یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ زمین کا مدار جو گرد آفتاب کے ہے چھوٹا ہوتا جاتا ہے پس یہ خیال کرنے کی بات ہے کہ زمانہ ممتد کے بعد جس کا اندازہ نہیں ہوسکتا اور گو وہ لاکھوں کروڑوں برس کے بعد ہو۔ جب زمین کا مدار بہت چھوٹا ہو جائے گا تو دنیا کا کیا حال ہوگا؟ کیا سمندر نہ اُبل جاویں گے؟ کیا پہاڑ ریت کی مانند نہ ہو جائیں گے کیا یہ زمین نہ بدل جاوے گی؟ کیا آسمان جو ہمکو ایسا نیلا نیلا خوبصورت دکھائی دیتا ہے کیا وہ تیل کی تلچھٹ کی مانند اور کبھی سُرخ چمڑے کی مانند نظر نہ آوے گا؟ کیا یہ ستارے بے نور نہ دکھلائی دیں گے پس واقعہ قیامت ایک ایسا واقعہ ہے جو امور طبعی کے مطابق اس دنیا پر واقع ہوگا اور ضرور واقع ہوگا۔ مگر یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ کب واقع ہوگا؟

خدا تعالی نے اُس طبعی واقعہ کو جا بجا اور مختلف تشبیہوں سے اسلئے بیان کیا ہے کہ بندوں کو خدا کی قدرت کاملہ پر وثوق ہوا اور اُس وحدہ لاشریک کے سوا کسی دوسری چیز کو اپنا معبود نہ بنائیں۔

دُنیا میں پہاڑوں کی پرستش ہوتی تھی۔ ستاروں کی پرستش کے لئے ہیاکل بنائی گئی تھیں اور اُنکی پرستش کی جاتی تھی۔ چاند سورج کی پرستش ہوتی تھی۔ سمندر پوجے جاتے تھے اسلئے خدا نے اس طبعی واقعہ کو جتلایا کہ یہ سب چیزیں ایک دن فنا یعنے متغیر ہونے والی ہیں اور اُن میں کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں ہے پس قیامت کا ذکر جا بجا اس غرض سے آیا ہے کہ عجائب مخلوقات خدا کی جن میں مخلوقات زمین اور آسمان اور کواکب زیادہ تر عجیب دکھائی دیتے ہیں اور جن کی پرستش انواع واقسام سے لوگوں نے اختیار کی تھی۔ اُس کو چھوڑیں اور صرف خدائے واحد کی جو اُن سب چیزوں کا پیدا کرنیوالا اور پھر فنا کرنیوالا ہے۔ پرستش اختیار کریں۔

یہ قیامت جس کا اوپر ذکر ہوا یہ تو کائنات پر گذرے گی مگر اصلی قیامت جو انسان پر

گذرے گی وہ وہ ہے جسکا ذکر سورۃ قیامت میں آیا ہے اور اُس کا خلاصہ ان دو لفظوں میں ہے کہ من مات فقد قام قیامتہٗ ۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان پوچھتا ہے کہ کب ہوگا قیامت کا دن ۔ پھر وہ دن اُسوقت ہوگا جبکہ آنکھیں پتھرا جاویں گی ۔ چاند کالا پڑ جاوے گا ۔ یعنے آنکھوں کی روشنی جاتی رہے گی اور آنکھیں اندر بیٹھ جائیں گی ۔ چاند اور سورج یعنے رات اور دن اکٹھے ہو جاویں گے کہ اُسکو کچھ تمیز نہ رہے گی کہ دن ہے یا رات ۔ سب چیز دھندلی دکھائی دے گی ۔ اور اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ انسان دن میں کسی وقت مرے اُسکو شام کا وقت دکھائی دیگا انسان کہے گا کہ اس دن بھاگ جانے کی کہاں جگہ ہے ؟ ہرگز کوئی جگہ پناہ کی نہیں ہے ۔ تیرے پروردگار ہی کے پاس اُس دن ٹھہرنے کی جگہ ہے ۔ اُس دن جان لے گا انسان کہ اُس نے کیا آگے بھیجا ہے اور کیا پیچھے چھوڑا ہے ۔ بلکہ انسان اپنے آپ کو خوب پہچانتا ہے گو کہ درمیان میں بہت سے عذر لا ڈالے ۔

اسکے بعد فرمایا ہے کہ اُسدن کتنے مُنہہ تر و تازہ ہوں گے ۔ اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے اور اُس دن کتنے مونہہ تھوتھائے ہوئے ہونگے ۔ گمان کریں گے کہ اُن پر مصیبت پڑنے والی ہے ۔ جسوقت کہ جان نرخرے میں پہونچتی ہے اور کہا جاتا ہے کون ؟ پھر آواز نہیں نکلتی ۔ اتناہی کہہ کر چُپ ہو جاتا ہے ۔ پھر کہا جاتا ہے ۔ جھاڑنے پھونکنے والا ۔ پھر چُپ ہو جاتا ہے اور جان لیا کہ بے شک اب جُدائی ہے اور لپیٹ لیا ایک پنڈلی کو دوسری پنڈلی سے ۔ اُسدن تیرے پروردگار کے پاس چلنا ہے ۔

یہ تمام حالت جو خدا نے بتائی ہے انسان پر مرنے کے وقت گذرتی ہے اور اِس سوال کے جواب میں کہ قیامت کا دن کب ہوگا بتائی گئی ہے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر انسان کی اصلی قیامت اُس کا مرنا ہے ۔ من مات فقد قامت قیامتہ بہت صحیح اور سچا قول ہے ۔

ہمارے اِس بیان سے یہ مطلب نہیں ہے کہ جو واقعات کائنات پر ایک دن گذرنے

والے ہیں اور جنکا بیان پہلے ہوچکا وہ نہ ہونگے بلکہ وہ اپنے وقت پر ہونگے اور جو کچھ اُن میں ہونا ہے اور اُس زمانے کے انسان اور وحوش وطیور پر جو کچھ گذرنا ہے گذریگا اور اُس وقت جو حال روحوں کا اور ملائکہ کا ہونا ہے وہ ہوگا مگر جو لوگ اُس سے پہلے مرچکے ہیں۔ اُن کے لئے قیامت اُسی وقت سے شروع ہوتی ہے جبکہ وہ مرے۔

عقیدہ شانزدہم

وَالحَشرُ الاَجسَادِ حَقٌ

اور اُٹھایا جانا اجسام کا حق ہے

معاد کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ معاد جسمانی وروحانی ہوگا انسان حقیقت میں صرف نفس ناطقہ کا نام ہے وہی مکلف ہے وہی عاصی اور مطیع ہے اُسی پر ثواب وعذاب ہوتا ہے اور بدن تو بجائے آیک آلے کے کام دیتا ہے۔ جسم خراب ہوجاتا ہے پھر بھی نفس باقی رہتا ہے۔ پس جب خدا قیامت کے دن مخلوقات کو اُٹھانا چاہے گا تو ہر ایک رُوح معہ اپنے جسم نسمہ کے اُٹھیگی۔

اس مسئلہ کی حقیقت بخوبی ذہن نشین کرنے کیلئے رُوح اور نسمہ کی حقیقت کا بیان کرنا ضروری ہے:۔

مسئلہ اول اول رُوح کیا ہے جوہر ہے یا عرض؟ اس امر کی تنقیح کو کہ رُوح کا وجود ہے یا نہیں؟

ہم کو اولاً اجسام موجودہ فی العلم پر نظر کرنی چاہئے۔ پس جب ہم اُن پر غور کرتے ہیں تو ابتدا نظر میں انکو دو قسم کا پاتے ہیں۔ ایک بطور تہو سے کہ وہ جہاں ہیں وہیں ہیں۔ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرسکتے۔ ممکن ہے کہ وہ لمبے انتہا بڑے ہوجاویں اگر کوئی ایسا سبب جو

ان کے بڑے ہونے کو روکنے والا ہو۔ اس قسم کے اجسام صرف نہائت چھوٹے چھوٹے مشابہ اجزا سے بنے ہوئے ہیں اور اُس کے ہر ایک جزو میں وہی اوصاف ہیں جو اُسکے کل میں ہیں جیسے پتھر اور لوہا۔ اگر اُن میں سے کوئی ٹکڑا توڑ لیں تو اُس میں بھی وہی اوصاف ہونگے جو کُل میں ہیں اور جبکہ وہ بالکل خالص بغیر ملاوٹ کے ہو تو اُس میں ایک ہی طرح کی پرت ہونگے

دوسری قسم کے اجسام ایسے ہیں کہ اُن کا جسم باختلاف اُن کی انواع کے ایک معین حد تک بڑا ہوتا ہے اور اسکے اجزاء غیر متشابہ او مختلف الالوان ہوتے ہیں اور اُن میں باریک رگیں اندر سے خالی مثل نلی کے ہوتی ہیں۔ جن میں بہنے والا مادہ پھرتا رہتا ہے اور اسی طرح الگ الگ پردے بھی ہوتے ہیں جنکے بیچ میں خالی جگہ ہوتی ہے اور پھر کہیں اکٹھے ہو جاتے ہیں اور اس نساجال کو اس جسم کے اعضاء کہتے ہیں +

اس لئے پہلی قسم کے اجسام کو اجسام غیر عضویہ اور دوسری قسم کے اجسام کو اجسام عضویہ کہتے ہیں +

اجسام عضویہ میں پرت نہیں ہوتے اور اُس کا نمو اُسی قسم کی دوسری چیزوں سے ہوتا ہے اور جب وہ جوان ہو جاتا ہے تو اس میں مختلف طرح کا بیج پیدا ہوتا ہے +

غیر عضوی جسم دفعتاً پیدا ہو جاتا ہے جسوقت اُسکا مادہ جمع ہو جاوے اور عضوی جسم رفتہ رفتہ نمو پاتا ہے اور جب اسکے بیج کو او تو وہی جسم اُس سے پیدا ہوتا ہے جسکا بیج ہے اور بونے والا جب زمین میں ڈالتا ہے تو جانتا ہے کہ وہ کب پھوٹے گا اور کب اُس میں مادہ چوسنے کی طاقت آویگی اسکے پتے اور ٹہنیاں ہوا میں سے غذا بھی لیتی رہتی ہیں جسکے سبب اُن کا قد بڑھتا ہے اور رنگ بدلتا جاتا ہے +

اور ایک فرق ان دونوں جسموں میں یہ ہے کہ جسم عضویہ میں غذا اُن کے اعضاء کے اندر جاتی ہے اور اندر والی غذا سے بیرونی جسم بڑھتا ہے اور جب تک یہ قوت رہتی ہے۔ نمو ہوتا رہتا ہے اور ایک زمانے کے بعد اُس میں ضعف آجاتا ہے اور غذا کم ہو جاتی ہی اور نمو نہیں ہوتا اور آخر کار مر جاتا ہے +

عضوی جسم کی حالتیں علانیہ بدلتی رہتی ہیں وہ پیدا ہوتا ہے پھر بڑھتا ہے پھر اسکا بڑھنا

موقوف ہوجاتا ہے پھر بڑھاپے کے سبب گھٹنے لگتا ہے - پھر مرجاتا ہے ؛

جسم غیر عضوی پیدا ہوتا ہے - اجتماع مادہ سے اور وہ اس طرح بڑھتا ہے کہ اُسی قسم کے اور اجزاء مادی اُسکی اوپر کی سطح پر آکر چڑھتے جاتے ہیں اور اجسام عضویہ کا نمو اندر سے ہوتا ہے اور جسم غیر عضوی کا حجم بے انتہا بڑھ سکتا ہے اگر کوئی امر مانع نہو اور جسم عضوی کا حجم ایک مقدار معین سے زیادہ نہیں بڑھ سکتا ؛

جسم عضوی اور غیر عضوی میں یہ فرق بھی ہے کہ پہلے جسم میں مختلف قسم کا مادہ ہوتا ہے اور دوسری قسم کے جسم میں صرف ایک قسم کا - اگرچہ اسکے سوا اور بھی اختلافات ہیں مگر مختصر طور پر مقدم اختلافات کو ذیل میں لکھتے ہیں :-

(۱) اجسام عضوی کا وجود تناسل سے ہوتا ہے اور غیر عضوی کا جذب و اتحاد سے ؛

(۲) بقاء اجسام عضوی کا محدود ہے اور غیر عضوی کا محدود نہیں -

(۳) اجسام عضوی کے اجزا کروی شکل پر ہوتے ہیں اور غیر عضوی کے زاویہ کے طور پر -

(۴) نمو اجسام عضوی کا منحصر ہے غذا کے اندر جانے پر اور وہ نمو اندر سے باہر کی طرف ہوتا ہے اور غیر عضوی کا اسکے برخلاف ہے اُسکا حجم باہر سے اجزاء مل جانیسے بڑا ہوجاتا ہے

(۵) بناوٹ جسم عضوی کی مختلف اجزاء سے ہوتی ہے اور جسم غیر عضوی کی اجزاء متحد الوصف سے ؛

(۶) جسم عضوی کی ترکیب اجزاء متضاعفہ متحرکہ سے ہوتی ہے اور غیر عضوی کی لبیط سے

اِس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اجسام غیر عضوی میں تمام معدنیات مثل نمک اور پتھر وغیرہ اور مٹی کے داخل ہیں اور اجسام عضویہ میں نباتات اور حیوانات داخل ہیں ؛

مگر نباتات اور حیوانات میں جو فرق ہے وہ بہت ظاہر ہے حیوانات کی بناوٹ میں نباتات کی بناوٹ سے تضاعفات بہت زیادہ ہیں اور حیوان متحرک ہے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکتا ہے - اور وہ مدرک ہے - اور ذی اختیار ہے کہ جس کام کو چاہے کرے اور جسکو چاہے نکرے اور اس میں حواس مخصوصہ ہیں کہ اُن کے سبب آواز کو - بُوؤں کو - مزے کو - چھونے کو جانتا ہے اور غذا اس کے پیٹ میں جاتی ہے اور بالتخصیص اُسکے

پیٹ میں ایک ایسی ہنڈیا ہے جو غذا کو اس طرح پکا دیتی ہے کہ اعضا کے تغذیہ اور نمو کے لائق ہو جاتی ہے ؛

نباتات اسکے برخلاف ہیں وہ جہاں بویا ہے وہاں سے دوسری جگہ نہیں چل سکتا۔ اس میں حرکت کرنے کی قوت نہیں ہے اور نہ اُس میں اختیار ہے وہ اپنی جڑوں کے ذریعے سے جو زمین میں ہیں اور ٹہنیوں اور پتوں کے ذریعہ سے جو ہوا میں ہیں غذا کو جذب کر لیتا ہے۔ اُس میں کوئی ہنڈیا غذا پکانے کی نہیں ہے بلکہ جو غذا اُس میں جاتی ہے اُسی وقت غذا کے قابل ہوتی ہے ؛

نباتات اور حیوانات میں بہت بڑا اختلاف یہ ہے کہ حیوان میں پٹھوں کا بھی ایک سلسلہ ہے اور نباتات میں نہیں ہے اور یہی اعصاب جبکہ حیوانات میں ایک مرکز سے تعلق رکھتے ہیں اس سبب سے حیوانات میں قابلیت احساس ہوتی ہے اور یہ بات نباتات میں نہیں پائی جاتی۔ علاوہ اسکے حیوانات میں اور بھی جھلیاں اور پردے اور پٹھے اور عضلے اس قسم کے ہوتے ہیں جو نباتات میں نہیں ہوتے ؛

ایک عمدہ فرق دونوں میں یہ ہے کہ حیوانات کی غذا اجسام عضوی سے ہوتی ہے اور نباتات کی غذا اجسام غیر عضوی سے۔ جیسے پانی اور ہوائیں اور نمک۔ نباتات کے بننے کا مادہ دراصل ایک کیسلا مادہ ہوتا ہے اور تحلیل کیمیادی سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مرکب ہے کاربن۔ ہیڈروجن اور اوکسیجن سے۔ اور یہ تینوں ایک ہوائی سیال جسم ہے مگر اسکی یہ خاصیت ہے کہ اگر کسی جگہ صرف نائٹروجن بھری ہو اور وہاں آدمی جائے تو فی الفور مرجاتا ہے جیسا کہ غار کے کھتے میں یا کسی پرانے اندھے کنوئیں میں دفعتاً اُترنے سے آدمی مرجاتے ہیں ؛

یہ تمام امور جو ہمنے بیان کئے ہیں امور محققہ میں سے ہیں جو علم زوالوجی یعنی علم الحیوانات میں اور علم کیمسٹری میں بخوبی ثابت ہیں مگر جو فرق کہ جسم نباتی اور حیوانی میں اوپر بیان ہوا ہے اُسپر ہم زیادہ غور کرنی چاہتے ہیں۔

ہمکو بالتخصیص اس بات پر غور کرنی ہے کہ حیوانات میں جو حرکت اور ارادہ اور اختیار

اور ادراک اور خیال اور ایک قوت نتیجہ نکالنے کی ہے اُسکا کیا سبب ہے +

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ نباتات کے جسم کے مادے میں تین عنصر ہیں۔ کاربن۔ اوکسیجن ہیڈروجن اور حیوانات کے جسم کے مادے میں ایک چوتھا عنصر نائٹروجن بھی ہے مگر یہہ تمام عنصر اُن کے جسم کی بناوٹ کا مادہ ہیں۔ اُس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ان افعال کے بھی باعث ہیں جو حیوانات سے بالتخصیص علاقہ رکھتے ہیں اور جنپر ہم غور کرنی چاہتے ہیں +

کیمسٹری سے ثابت ہُواہے کہ نائٹروجن میں کچھہ کیمیاوی قوت نہیں ہے اور نہ وہ معاون زندگی ہے صرف اتنی بات ہے کہ جانوروں کے گوشت کے ریشوں میں پائی جاتی ہے۔

یہ سچ ہے کہ حیوانات کے اعضاء میں ایک ایسا عضو ہوتا ہے جو غذا کو اسطرح پکا دیتا ہے کہ اعضاء کے تغذیہ اور نمو کے لائق ہو جاوے۔

نباتات میں کوئی ایسا عضو نہیں ہے اور اُس کی وجہ ظاہر ہے کہ نباتات اپنی جڑ کے ریشوں سے اور اسکے پتے اور ٹہنیاں ہوا سے وہی مادہ جذب کرتی ہیں جو غذا نمو کے لائق ہے اور اس لئے اُن میں کسی ایسے عضو کے ہونے کی ضرورت نہیں۔ برخلاف حیوانات کے کہ وہ ایسی غذا کھاتے ہیں جس میں علاوہ مادہ تغذی و نمو کے اور فضول مادہ بھی شامل ہوتا ہے اور اسلئے ایسا ایک عضو بنایا گیا ہے جو مادہ تغذی و نمو کو فضول مادے سے جدا کردے۔ مگر اسکے جدا ہونے کے بعد حیوان کی وہی حالت ہوتی ہے جو نباتات کی شروع تغذیہ میں تھی اور اسلئے یہ تصوّر نہیں ہوسکتا کہ حیوان میں اس عضو کا ہونا اُن افعال کا باعث ہے جو بالتخصیص حیوانات سے علاقہ رکھتے ہیں +

حیوانات کے جسم کی بناوٹ میں ایک بہت بڑا انسا جال اعصاب کا ہے جسکا مرجع ایک مرکز عام یعنے دماغ کی طرف ہے اور وہ تمام افعال حیوانات کے جن پر ہم غور کرنا چاہتے ہیں اسی کیطرف منسوب کئے جاتے ہیں لیکن یہ افعال اُن سے صرف بحیثیت اُن کے اعضاء ہونے کے تو منسوب نہیں ہوسکتے اور نہ صرف بحیثیت اُن کے مادے سے۔ کیونکہ تمام جسم حیوانات میں وہی عناصر موجود ہیں مگر مختلف ترکیب پانے سی مختلف

مادہ اور صورت پیدا ہوئی ہے پس صرف بحیثیت مادہ جو اختلاط عناصر سے پیدا ہوتا ہے وہ افعال منسوب نہیں ہو سکتے ۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ عناصر کاربن ۔ اوکسیجن ۔ ہیڈروجن ۔ نائٹروجن کی ترکیب سے کیا حالت پیدا ہو سکتی ہے عناصر آپس میں ایک دوسرے سے ملکر ایک دوسری صورت کا جسم پیدا کر لیتے ہیں مثلاً جب اوکسیجن اور ہیڈروجن مقدار معینہ سے باہم ملجاویں تو ایک دوسری صورت کا جسم رقیق سیال پیدا ہو جاتا ہے جسکو پانی کہتے ہیں مگر اُس میں کوئی ایسی صفت جو مادے کی حیثیت سے بڑھکر ہو پیدا نہیں ہوتی ۔

عناصر کی ترکیب سے ایک جسم غیر میں یا اُسی جسم میں جو اِن عناصر سے بنا ہے حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور جب تک وہ ترکیب قائم رہے وہ حرارت بھی قائم رہتی ہے ۔

عناصر کی ترکیب سے جسم میں ایک خاص قسم کے مادے کی یا دوسرے جسم کے جذب کرنے کی قوت پیدا ہوتی ہے ۔ عناصر کی ترکیب سے ایک ایسا جسم پیدا ہو جاتا ہے جو جوش میں یعنے متحرک رہے یعنے خود اُسی کے اجزا حرکت میں رہیں ۔ جب تک کہ وہ ترکیب اُس میں باقی رہے ۔ جیسے کہ تیزابوں کے ساتھ دوسری چیزوں کے ملانے سے پیدا ہوتی ہے عناصر کی ترکیب سے ایک قوت مخفیہ جو اجسام میں ہے ظاہر ہو جاتی ہے اور دیگر اجسام سے جذب کر کے ایک جگہ لے آتی ہے جیسے کہ اعمال برقی سے ظہور اور اجتماع برق کا ہوتا ہے ۔

عناصر کی ترکیب سے یا اُن اجسام کی ترکیب سے جو عناصر سے بنے ہوئے ہیں ایک جسم ہوائی سیال پیدا ہوتا ہے جو دکھائی بھی دیتا ہے اور کبھی ایسا لطیف ہوتا ہے جو دکھائی بھی نہیں دیتا ۔

اکثر اطبا اور حکما کا یہ خیال ہے کہ جسم حیوانی میں جو ترکیب عناصر سے بنا ہے اور جس میں مختلف قسم کے اعضا ہیں اُس ترکیب کے سبب ایک جسم ہوائی پیدا ہوتا ہے جو باعث نتیج ہے جو سبب ہے حیوانات میں ارادہ پیدا ہونے کا اور ترکیب اعضائے سے حرکت کے ظہور میں آنے کا اور یہی جسم سیال ہوائی باعث ہے انسان کی زندگی کا ۔ اور اسی کو بعضوں نے مطلق روح اور بعضوں نے نسمہ سے تعبیر کیا ہے اور نتیجہ اسکا یہ سمجھا ہے کہ جب ترکیب جسم حیوانی کی اس جسم سیال کے قائم رہنے کے قابل نہیں رہتی تو وہ حالت

موت سے تعبیر کی جاتی ہے اور اسکا صریح نتیجہ یہ ہے کہ جسم کے معدوم ہونے یا اسکی حالت قابل قائم رکھنے اُس جسم سیال کے معدوم ہونے کیساتھ وہ جسم سیال بھی معدوم ہو جاتا ہے یعنے وہ روح بھی فنا ہو جاتی ہے

مگر ہمکو اس میں یہ کلام ہے کہ تمام آثار جو ترکیب عناصر سے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ سب یکساں ہوتے ہیں۔ مثلاً مقناطیس اُس میں بسبب ترکیب عناصر کے لوہے کے جذب کی قدرت پیدا ہوئی ہے۔ تو اب یہ نہیں ہو سکتا کہ کبھی وہ اُسکو جذب کرے اور کبھی جذب نہ کرے۔ یا جب ہم نے ایسے عناصر کو یا اجسام مرکبہ عناصر کو آپس میں ترکیب دیا جو برق کو مہیج ہیں۔ تو یہ نہیں ہو سکتا کہ کبھی برق مہیج ہو اور کبھی نہ ہو۔ یا اجسام نباتی جبکہ وہ اپنی ٹھیک حالت میں ہیں۔ اُن سے یہ نہیں ہو سکتا کہ مادہ غذائی کو اپنی جڑوں اور ٹہنیوں اور پتوں سے جب چاہیں جذب کریں اور جب چاہیں نہ کریں۔ غرض کہ جو آثار جس جسم میں بوجہ ترکیب عناصر پیدا ہوتے ہیں وہ آثار اُس جسم سے کبھی منفک نہیں ہوتے اور اُس جسم کے اختیار میں یہ بات نہیں ہوتی کہ جب چاہے اُن آثار کو ظاہر ہونے دے اور جب چاہے اُن کو ظاہر نہ ہونے دے ؛

اس کا ثبوت زیادہ تر اُس قسم کے نباتات پر غور کرنے سے بخوبی حاصل ہوتا ہے۔ جنکو جاندار نباتات خیال کیا جاتا ہے ایک درخت جو چھوئی موئی یا لجالی کے نام سے مشہور ہے۔ صرف چھونے سے اُس کے پتے سکڑ جاتے ہیں اور ٹہنی گر پڑتی ہے اور تھوڑی دیر کے بعد پھر پتے کشادہ ہو جاتے ہیں اور ٹہنی اپنی اصلی حالت پر آجاتی ہے ؛

امریکا میں ایک اور درخت پایا گیا ہے جسکو ذربنہ کہتے ہیں۔ اُس کے پھول کی پنکھڑیوں پر جب مکھی یا بھنگا آکر بیٹھتا ہے تو پنکھڑیاں بند ہو جاتی ہیں اور اُس جانور کو پکڑ لیتی ہیں یہاں تک کہ وہ مر جاتا ہے مگر اُن سے یہ کبھی نہیں ہوتا کہ اُسکو چھوئیں اور پتے نہ سکڑیں اور ٹہنی نہ گرے۔ یا مکھی اور بھنگا اُس پھول کی پنکھڑیوں پر بیٹھے اور اُسکو نہ پکڑ لے ؛

بعض پانی کی نباتات ایسی معلوم ہوئی ہیں جن پر شبہ حرکت ارادی کا پیدا ہوتا ہے چنانچہ

ایک قسم کی نباتات تاگے کے مانند ہے وہ ایک دوسرے سے ملنے کو حرکت کرتی ہے تاکہ اُن کے ملنے سے اُنکی پیدائش ہو۔ مگر یہ کیفیت صرف قوت جاذبہ سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ اُسپر حرکت ارادی کا اطلاق نہائت مشتبہ ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ پانی پر تیرتی ہیں ۔

پانی میں پیدا ہونے والی ایک اور نباتات ہے۔ جب وہ اُس نباتات سے جس سے پیدا ہوتی ہے علیحدہ ہوتی ہے تو اور نباتات کے پیدا کرنے پر مستعد رہتی ہے اور متحرک رہتی ہے اور جب اُس میں سے قوت حرکت و نمو جاتی رہتی ہے تو اُس میں سے اُسی قسم کی نباتات پیدا ہوتی ہے۔ مگر نہائت مشتبہ ہے کہ اُس حرکت کو حرکت ارادی سمجھا جاوے ۔

اجتماع اور ترکیب عناصر سے تحرّک پیدا ہوتا ہے جیسا کہ ہمنے اوپر بیان کیا اور جب کہ وہ جسم پانی پر ہو تو اُس کا تحرک اسکو ایک مقام سے دوسرے مقام پر لے جاسکتا ہے مگر اُس پر حرکت ارادی کا اطلاق یقینی طور پر نہیں ہوسکتا ۔

حیوان کے بعض افعال ایسے ہیں جو صرف ترکیب عناصر کا نتیجہ نہیں ہوسکتے۔ مثلاً ارادہ اور اختیار کہ جس کام کو چاہے کرے اور جس کام کو چاہے نہ کرے۔ اگر کسی کام کے کرنے کا ارادہ صرف نتیجہ عناصر کا ہوتا ہے تو اسکا کرنا طبعی امر ہوتا اور اسلئے اُس کا نہ کرنا امر خلاف طبع ہوتا جس کا محال ہونا بدیہی ہے علاوہ اسکے حیوانات میں بہت سے ایسے انکشافات ہیں جن کا صرف ترکیب عناصر سے ہونا ناممکن ہے۔ مثلاً حیوان کی آنکھ کا ترکیب عناصر سے اور ترتیب طبقات سے بننا اور اُس میں اُن چیزوں کی صورت کا جو اُسکے سامنے ہوں شعاع کے سبب منتقش ہونا یقینی امر ہے مگر اُس کا اُن اشیار کو پہچاننا اور دوست دشمن میں تمیز کرنا صرف ترکیب عناصر سے نہیں ہوسکتا علاوہ اسکے خیال ایک امر ہے کہ کوئی اور کسی ترکیب کیمیاوی کا اصول اسبات پر قائم نہیں ہوسکتا کہ صرف عناصر کی کیمیاوی ترکیب کا نتیجہ ہے ۔

بلاشبہ صانع نے ان کاموں کیلئے جُدا جُدا اعضا بنائے ہیں جو عناصر کی ترکیب کیمیاوی سے بنے

ہیں مگر کوئی دلیل نہیں ہے کہ صرف وہی علت تمام اُن امور کے ہیں غرضکہ یہ سب امور جنکو ہم ایک مختصر لفظ تعقل سے تعبیر کرتے ہیں صرف کیمیاوی عناصر کا نتیجہ نہیں ہے ہم عناصر میں فرداً فرداً کوئی ایسے آثار نہیں پاتے جس سے یہ امر ثابت ہو کہ عناصر میں تعقل اور اختیار ہے اور جب اُنمیں یہ صفت حالت انفراد میں نہیں ہے تو حالت ترکیب میں بھی وہ صفت اُن سے پیدا نہیں ہوسکتی کیونکہ اختیار اور عدم اختیار دو مخالف صفتیں ہیں اور جو صفت کہ اجزا میں نہیں ہے تو اُن سے جو چیز کہ مرکب ہو اُس میں بھی نہیں آسکتی یعنے کوئی جنس جو غیر طبیعت اجزا ہو وہ اُس شئے میں جو اُن اجزا سے مرکب ہے حاصل نہیں ہوتی ÷

جب کہ ہم اس نتیجے پر پہونچتے ہیں کہ بہت سے افعال حیوانات کے ایسے ہیں جو عناصر معلومہ کی ترکیب کا نتیجہ نہیں ہیں تو ہمکو ضرور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حیوان میں کوئی ایسی شئے ہے ۔ جو تعقل کا باعث ہے اور اس نتیجے پر ہم لازمی طور پر پہنچتے ہیں اور اسلئے حیوانات میں اُس شئے کے ہونیکا لازمی طور پر یقین کرتے ہیں اور اُسی شئے کو جو وہ ہو ہم رُوح کہتے ہیں ÷

اب یہ سوال ہوتا ہے کہ وہ کیا چیز ہے مگر اس سوال کا جواب انسان کی فطرت سے باہر ہے انسان کی فطرت اسقدر ہے کہ وہ اشیا کے وجود کو ثابت کرسکتا ہے خواہ وہ اشیا محسوس ہوں یا غیر محسوس مگر اُن کی حقیقت جاننا اسکی فطرت سے خارج ہے مثلاً پانی ۔ انسان یہ ثابت کرسکتا ہے ۔ کہ پانی موجود ہے مگر اسکی حقیقت نہیں بتا سکتا ۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اُسکے اجزا کی اگر اُس میں ہوں تشریح کرسکتا ہے اور پھر اُن اجزا کی حقیقت نہیں بیان کرسکتا ۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ پانی میں اوکسیجن اور ہیڈروجن ہے جب پوچھو کہ اوکسیجن اور ہیڈروجن کیا چیز ہے تو اسکی حقیقت نہیں بتا سکتا پس جبکہ انسان ان چیزوں کی حقیقت نہیں جان سکتا جو اس قدر عام ہیں اگر وہ رُوح کی ماہیت بھی بعد اسکے کہ اُسکے وجود کو ثابت کرچکا ہے نہیں بیان کرسکتا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے جو چیز کہ ہمارے تجربے سے خارج ہے جیسے کہ رُوح ۔ اسکی نسبت بجز اسکے کہ دلیل یا قیاس سے کوئی امر کہیں حسب مقتضا فطرت اور کچھہ کہہ نہیں سکتے ۔ مگر جب ہمکو اُسکا وجود حیوانات میں ثابت ہُوا ہے اور وہ ایسا وجود ہے کہ جس سے تمام افعال جو حیوانی افعال ہیں اور اعلی ترین افعال جو مخصوص بالحیوانات ہیں ۔ اُسی کے سبب سے ہیں تو ہمکو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ضرور ہے کہ وہ ایک

شئے لطیف اور جوہر قائم بالذات ہو۔ اور اسی لئے ہم روح کو ایک جسم لطیف جوہر قائم بالذات تسلیم کرتے ہیں کیونکہ ہمکو یہ بات ثابت نہیں ہوئی ہے کہ کوئی اور جسم لطیف بطور جوہر کے موجود ہے اور یہ اسکے ساتھہ قائم ہے بلکہ ہم کو صرف روح کا وجود ثابت ہُوا ہے بغیر وجود کسی دوسری وجود کے اور اس لئے لازم ہے کہ اُس کو جوہر تسلیم کیا جاوے نہ عرض۔

مذہب اسلام نے رُوح کا موجود ہونا بیان کیا مگر اُسکی حقیقت بیان نہیں کی خدا تعالےٰ کے اس قول کی نسبت کہ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّی۔ علما نے دو قسم کی گفتگو کی ہے بعضوں کی رائے ہے کہ حقیقت رُوح سے بحث کرنا جائز نہیں رکھا گیا ہے اور بعضوں کی یہ رائے ہے کہ روح کے قدیم یا حادث یعنے مخلوق ہونیکی نسبت جو مباحثہ تھا اسکا جواب ہے بہر حال اُس سے کوئی مطلب سمجھا جاوے مگر جو تفصیل کہ ہم نے اوپر بیان کی ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حقیقت رُوح کا جاننا بلکہ ہر شئے کی حقیقت کا جاننا فطرت انسانی سے خارج ہے۔

قرآن مجید تمام اُن چیزوں کی حقیقت کے بیان سے جنکا جاننا فطرت انسانی سے خارج ہے انکار کرتا ہے اسی طرح حقیقت رُوح کو بھی بیان نہیں کیا۔

عام چیزوں کی نسبت کثرت استعمال و مشاہدے کے باعث لوگوں کا خیال کمتر رجوع ہوتا ہے حالانکہ وہ اُن تمام چیزوں کی حقیقت کچھہ نہیں جانتے اگر وہ لوگ جنہوں نے روح کی نسبت سوال کیا تھا پانی اور مٹی کی نسبت سوال کرتے تو خدا تعالیٰ یہی فرماتا کہ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَاءِ وَ الطِّیْنِ قُلِ الْمَاءُ وَالطِّیْنُ مِنْ اَمْرِ رَبِّی۔ غرضیکہ ماہیّت اشیاء کا جاننا انسانی فطرت سے خارج ہے

جب کہ ہم رُوح کو ایک جوہر تسلیم کرتے ہیں تو اسکے مادی یا غیر مادی ہونے پر بحث پیش آتی ہے مگر جب ہمکو اُسکی ماہیت کا جاننا ناممکن ہے تو در حقیقت یہ قرار دینا بھی کہ وہ مادی ہے۔ یا غیر مادی ناممکن ہے۔ دُنیا میں بہت سی چیزیں موجود ہیں جو باوجود اسکے کہ وہ محسُوس بھی ہوتی ہیں اور اُنکے مادی یا غیر مادی ہونے کی نسبت فیصلہ نہیں ہو سکتا مثلاً ہم شیشے کے پیے کے ذریعہ سے الکٹرسیٹی یعنے بجلی نکالتے ہیں اور وہ نکلتی ہوئی محسُوس ہوتی ہے اور ٹھوس اجسام میں سرائت کر جاتی ہے انسان کے بدن سے گذر جاتی ہے۔

بعض ترکیبوں سے ایک بوتل یا انسان کے بدن میں محبُوس ہو جاتی ہے بعض ٹھوس

اجسام ایسے ہیں جن میں نفوذ نہیں کر سکتی مگر اُسکی ماہیت کا اور یہہ کہ وہ شئے مادی ہے یا غیر مادی تصفیہ نہیں ہو سکتا۔ طرفین کی دلیلیں شُبہ سے خالی نہیں یہی حال رُوح کے مادی یا غیر مادی قرار دینے کا ہے لیکن اگر وہ کسی قسم کے مادے کی ہو یا ہم اسکو کسی قسم کی مادی تسلیم کرلیں تو کوئی نقصان یا مشکل پیش نہیں آتی البتہ اسقدر ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ جن اقسام مادوں سے ہم واقف ہیں اُسکا مادہ اُن اقسام کے مادوں سے نہیں ہے کیونکہ اُن سے منفرداً یا مجموعاً اُن افعال کا صادر ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے جو افعال رُوح سے صادر ہوتے ہیں ٭

فاضل اجل شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھہ رُوح اور نسمہ کی بابت لکھا ہی عقیدہ ہفتم کے ذیل میں درج کرچکے ہیں اُس سے بھی اسی امر کی تائید ہوتی ہے کہ اخلاط کی ترکیب سے جو بھاپ پیدا ہوتی ہو اور جسکو نسمہ کہتے ہیں رُوح اُس سے علاوہ ہے غرضکہ جسقدر غور کیجاوے۔ حیوان میں علاوہ عناصر مرکبہ کے اور جو نتیجہ اُس ترکیب سے ہوتا ہے ایک اور شئے بھی پائی جاتی ہی جس سے ارادہ اور تعقل اور ایجاد اور ترقی مراتب تعقل میں صادر ہوتا ہو اور اسی شئے کو ہم رُوح کہتے ہیں۔

مسئلہ دوم | انسان اور کل حیوانات میں جو رُوح ہی وہ جنس واحد سے ہی یعنی ایک ہی سی رُوح ہے ؛

انسان میں بہ سبب ترکیب اخلاط کے ایک قسم کی رُوح حیوانی پیدا ہوتی ہی جسکو نسمہ سے تعبیر کیا ہے اور رُوح حقیقی جو ما نحن فیہ ہی اُس سے متعلق ہوتی ہو اسیطرح تمام حیوانات میں بھی ترکیب اخلاط سے رُوح حیوانی پیدا ہوتی ہے ہم حیوانات میں بھی تعقل اور ارادہ پاتے ہیں پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم اُن میں بھی رُوح کا ہونا تسلیم نہ کریں اور کوئی دلیل ہماری پاس ایسی نہیں ہے جس سے ہم انسان کے رُوح کو اور جنس سے اور حیوانات کی رُوح کو اور جنس سے قرار دے سکیں اور اسلیئے ہم انسان میں اور حیوانات میں ایک ہی جنس کی رُوح کے ہونیکو تسلیم کرتے ہیں

مسئلہ سوم | کس لئے تمام حیوانات سے وہی افعال صادر نہیں ہوتے جو انسان سے صادر ہوتے ہیں اور کس لئے انسان مکلف ہے اور حیوانات غیر مکلف۔

جبکہ ہم نے رُوح کو سبب تعقل و ارادہ تسلیم کرلیا ہے تو اس سے ضرور لازم آتا ہی۔ کہ رُوح فی نفسہ مدرک و ذی ارادہ و مصدر افعال ہو مگر یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ جب وہ نسمہ سے مجرد ہو اور نسمہ جسم سے مجرد ہو۔ تب بھی اُس سے افعال صادر ہوتے ہیں مثلاً ہم کسی درخت کے

تخم کو خیال کریں کہ اُسمیں بلاشبہ مادہ ٹہنیوں اور پتوں اور پھلوں کا موجود ہی مگر حالت موجودہ میں اُس سے کوئی چیز حاصل نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح روح میں تعقل و ارادہ موجود ہی الا جبتک کہ اُس کا تعلق نسمہ سے اور نسمہ کا تعلق بدن سے نہ ہو اُس سے وہ افعال صادر نہیں ہوسکتے صدور افعال کیلئے جسم کی ضرورت ہے پس اُس جسم کی جس قسم کی بناوٹ ہوگی اُسی قسم کے افعال اُس سے صادر ہوں گے اسکی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے بھاپ اور دخانی کل کی۔ دخانی کل کے تمام پرزوں کو حرکت دینے والی صرف ایک چیز ہے یعنی بھاپ۔ مگر جس قسم کے پرزے بنائے گئے ہیں۔ اُسی قسم کے افعال اُن سے صادر ہوتے ہیں اسیطرح گو انسان اور حیوان میں ایک جنس کی روح ہے مگر ہر ایک سے بمقتضائے اسکی صورت نوعیہ کے افعال صادر ہوتے ہیں +

انسان کے اعضاء کی بناوٹ میں بھی ایک دوسرے سے کچھہ فرق ہے اور یہی سبب ہے کہ بعض انسانوں سے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو دوسرے سے صادر ہونے ممکن نہیں ہیں ایک کی آواز نہایت دلکش ہے دوسری کی نہایت مہیب۔ نہ وہ اپنی آواز کو مہیب کرسکتا ہے نہ یہ اپنی آواز کو دلکش بنا سکتا ہے ایک کے دماغ کی بناوٹ علوم دقیقہ کے ایجاد کرنے کے لائق ہے دوسرے کے دماغ کی بناوٹ عام بات کے سمجھنے کے بھی لائق نہیں +

پس روح سے افعال مطابق بناوٹ اُس جسم کے صادر ہوتے ہیں جس سے وہ متعلق ہی اور یہی سبب ہے کہ جو کچھہ انسان کرسکتا ہی وہ حیوان نہیں کرسکتی بلکہ بہت سے امور ایسے ہیں کہ ایک انسان کرسکتا ہی دوسرا انسان نہیں کرسکتا اور جو حیوان کرسکتا ہی وہ انسان نہیں کرسکتا یہ تفاوت اُن آلات کا ہے جنکے وسیلے سے افعال روح کے صادر ہوتے ہیں +

ہم دیکھتے ہیں کہ حیوانات کی بناوٹ اس قسم کی ہے کہ اُس سے نہایت محدود افعال صادر ہوسکتے ہیں اور وہ بھی اکثر ایسے ہیں جو اُن کی زندگی کیلئے ضرور ہیں اور اس تمام نوع کے ایک ہی قسم کے افعال ہوتے ہیں اور قریباً وہ سب افعال ایسے ہوتے ہیں کہ بلا تعلیم و اکتساب انکو حاصل ہوجاتی ہیں اُن سے کوئی ایسے افعال صادر نہیں ہوسکتے جن سے روح کی ترقی و تنزل کو کچھہ تعلق ہو۔ اُن سے روح کو اکتساب سعادت یا شقاوت حاصل ہو اور اسی سبب سے وہ مکلف نہیں ہیں برخلاف انسان کے کہ اُسکی بناوٹ ایسی ہے جس سے افعال غیر محدود صادر ہوسکتے ہیں

ان میں ترقی ہوسکتی ہے اُن میں تنزل آجاتا ہے ایک انسان سے کسی قسم کے افعال صادر ہوتے ہیں وہ علوم عقلیہ اور الٓہیہ کا انکشاف کرسکتا ہے اُسکے ادراکات اور انکشافات کی کوئی حد نہیں ہے اُس سے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو رُوح کے لئے باعث اکتساب سعادت یا شقاوت ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ مکلّف ہے ✦

مسئلہ چہارم | کیا رُوح اکتساب سعادت وشقاوت کرتی ہے؟ یہ مسئلہ بلاشبہ نہائت دقیق مسئلہ ہے۔ اس کے ثبوت کیلئے عینی دلیل کا ہونا قانون قدرت کے برخلاف ہے مگر اسکے لئے ایسی قیاسی دلیلیں موجود ہیں جو اسبات پر یقین دلاسکتی ہیں کہ رُوح سعادت یا شقاوت کا اکتساب کرتی ہے ✦

یہ امر تسلیم ہوچکا ہے کہ تعقل اور ارادہ رُوح کا خاصہ ہے اب ہم دیکھتے ہیں کہ انسان اُن چیزوں کو اکتساب کرتا ہے جو اس میں پہلے نہ تھیں وہ جاہل ہوتا ہے پھر علوم کا اکتساب کرکے عالم ہوجاتا ہے وہ حقائق اشیاء کو جہانتک اُنکا جاننا قانون قدرت کی رُو سے ممکن ہے نہیں جانتا ہے۔ پھر تجربے اور تحقیقات سے اُنکا اکتساب کرلیتا ہے جبکہ وہ پیدا ہُوا تھا اسکے خیالات بالکل سادے حیوان کی مانند تھے۔ رفتہ رفتہ وہ مختلف باتوں کو اکتساب کرتا جاتا ہے جس سوسائٹی میں پرورش پاتا ہے اُسکی تمام مادی وغیرمادی عادتیں اور خیالات کو اکتساب کرلیتا ہے ✦

ہم دیکھتے ہیں کہ انسان بعض دفعہ نہائت نجس اور ناپاک میلا کچیلا سؤر کی مانند زندگی اختیار کرتا ہے اور کبھی نہائت صفائی سُتھرائی اور اُجلے پنے سے زندگی بسر کرتا ہے ✦

یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کبھی اُس میں نہائت سفاک اور بیرحم عادتیں ہوتی ہیں وہ خونخوار ہوتا ہے۔ مردم آزاری کرتا ہے تمام قوائے بہیمیہ اُسپر ایسا غلبہ کرتی ہیں کہ وہ ایک حیوان درندہ بصورت انسان ہوجاتا ہے ✦

کبھی اُس میں ایسی صلاحیت اور نیکی۔ رحم۔ تواضع۔ بُردباری اور سب کیساتھ محبّت وہمدردی پیدا ہوتی ہے کہ ایک فرشتہ بصورت انسان دکھائی دیتا ہے ان تمام فضائل ورذائل کو وہی شئے اکتساب کرتی ہے جسکا خاصہ تعقل وارادہ ہے یعنے رُوح۔ کیونکہ انسان کا جسم اور تمام اعضاء

اندرونی تو برابر تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور اسلئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ تعقل وارادہ ان اعضاء کا خاصہ تہا۔ یہ ایسی واضح دلیل ہے جس سے ثابت ہوتا ہی کہ رُوح سعادت وشقاوت کا اکتساب کرتی ہے اور اُسکی حالت بمناسب اُسکے جسکا اُسنے اکتساب کیا ہے تبدیل ہوجاتی ہے ” فسعید ان اکتسب سعادۃ وشقی ان اکتسب شقاوۃ “

مسئلہ پنجم | انسان کیلئے بیشک موت ہے پس حقیقت موت کی کیا ہے اور رُوح کیلئے بعد مفارقت بدن کے بقا ہے جو امید ہے کہ ہم اور ہماری اس کتاب کے پڑہنے والے ضرور ایک دن اُسکی واقعی حقیقت سے واقف ہونگے مگر اس زندگی میں جس قدر موت کا حال معلوم ہوسکتا ہے۔ وہ یہ ہی کہ اخلاط کا تغیر یا کسی ایسے عضو میں نقصان پہنچنے کی سبب جس سے اُن بخارات کی تولید یا بقا کو زیادہ تعلق ہے جو ترکیب اخلاط سے پیدا ہوتے ہیں اور جنکو نسمہ سے تعبیر کیا ہے اُن کی تولید موقوف ہوجاتی ہے اور موجودہ مضمحل ہوجاتے ہیں اُسوقت انسان یا حیوان مرجاتا ہے اور رُوح جسکو ابدان سے تعلق اُسی نسمہ کی سبب سے تہا جسم سے علیحدہ ہوجاتی ہی مگر غور طلب یہ بات ہی کہ جسقدر زمانے تک رُوح کو نسمہ سے مصاحبت رہی ہے اُس سے کچہہ تاثر رُوح میں ہوتا ہے یا نہیں اور اگر ہوتا ہی تو بعد مفارقت ابدان وہ تاثر اُس میں باقی رہتا ہے یا نہیں؟

ہم دُنیا میں دیکھتے ہیں کہ تمام اجسام لطیف جب آپسمیں ملتے ہیں تو ایک اور قسم کا جسم حاصل کرلیتے ہیں اگر کیمیاوی ترکیب پر خیال کیا جاوی تو تمام اجسام سخت سے سخت وثقیل سے ثقیل کی ترکیب صرف اجسام لطیف ہوائی سے ہے جنکو علم کیمیا میں گیاس یا بخارات سے تعبیر کیا ہے پھر کوئی وجہ نہیں پائی جاتی کہ رُوح کو نسمہ کیساتھ ملنے سے تاثر نہوا ہو اور اُسنے کوئی جسم جو اُسکے پہلے جسم سے کسی امر میں مختلف ہو حاصل نہ کیا ہو +

اسکے تسلیم کے بعد کوئی وجہ نہیں پائی جاتی کہ بدن سے مفارقت کرنیکے بعد پھر فی الفور رُوح کا وہ جسم بھی جو اُس نے نسمہ کی مصاحبت سے حاصل کیا ہو تحلیل ہوجاوی نتیجہ اس تقریر کا یہ ہے کہ رُوح نسمہ کی مصاحبت سے ایک اور جسم لطیف حاصل کرتی ہے اور وہ جسم رُوح اور نسمہ سے ترکیب پایا ہوا ہوتا ہے اور بدن سے مفارقت کرنیکے بعد بھی وہ جسم علی حالہ باقی

رہتاہے گو بعد کو رُوح کا کسی وقت نسمہ سے علیحدہ ہو جانا بھی ممکن ہو کیونکہ جن اسباب سے وہ جسم لطیف آپس میں ملکر ایک نیا جسم پیدا کرتے ہیں وہ دیگر اسباب سے تحلیل بھی ہو جاتے ہیں یعنے ایکدوسرے سے علیحدہ بھی ہو جاتے ہیں پس یہی حال رُوح و نسمہ کا ہوتا ہو. ہوا میں پھولوں کے اجزار لطیف ملنے سے تمام ہوا خوشبودار او رغلیظ چیزوں کے اجزار رقیق ملنے سے بدبُودار ہو جاتی ہو اور پھر وہ اجزا تحلیل ہو جاتے ہیں اور ہوا علی حالہ صاف رہجاتی ہو اسطرح وہ اجسام جو ترکیب کیمیاوی سے مرکب ہیں دیگر اسباب و تاثرات سے تحلیل ہو جاتے ہیں +

پس رُوح و نسمہ میں ترکیب کیمیاوی ہو یا غیر کیمیاوی اُسکا تحلیل ہونا ممکن ہے۔

جب رُوح کو ایک جسم لطیف جوہر مستقل بالذات تسلیم کیا جاوے جیساکہ ہمنے تسلیم کیاہے تو اُسکا فنا ہونا محالات سے ہے تمام چیزیں جو دُنیا میں موجود ہیں کوئی بھی اُنمیں سے معدوم نہیں ہوتی صرف تبدیل صُورت ہوتی ہو پانی آگ سے یا دھوپ کی تیزی سے خشک ہو جاتا ہے مگر معدوم نہیں ہوتی صرف تبدیل صُورت ہوتی ہو پانی آگ سے یا دھوپ کی تیزی سے خشک ہو جاتاہے مگر معدوم نہیں ہوتا صرف صُورت کی تبدیلی ہولی ہو اوکسیجن اور ہیڈروجن علیحدہ علیحدہ ہو جاتی ہیں اوکسیجن اوکسیجن میں ہیڈروجن ہیڈروجن میں ملجاتی ہو اور ایک ذرہ بھر بھی کوئی چیز معدوم نہیں ہوتی۔ پس رُوح کے معدوم ہونیکی کوئی وجہ نہیں ہو غائت ما فی الباب یہ ہے کہ جب تمام اشیاء موجودہ میں تبدیل صُورت ہوتی رہتی ہے تو رُوح میں بھی تبدیل صُورت ہوتی ہوگی اسکے امتناع پر ہماری پاس کوئی دلیل نہیں ہے مگر اسکے تسلیم کرنے سے کوئی مشکل مذہب اسلام میں پیش نہیں آتی بلکہ بعض خیالات کی جو اہل اسلام میں مروج ہیں اور میری تحقیق میں اُنکی بنا کسی معتبر سند پر نہیں ہے تائید ہوتی ہے +

غرضکہ رُوح کے وجود کو تسلیم کرنے کے ساتھہ ہی اسکے بقا کا تسلیم کرنا بھی لازم آتاہے

مسئلہ ششم اگر ہم رُوح کی بقاء کو تسلیم کریں تو پھر حقیقت بعث وحشر و نشر کی کیا ہے؟

قیامت پر ہم اپنے عقیدہ چہاردہم کے ذیل میں مفصل بحث کی ہے اب رہا حشر اجساد۔ سو میرے نزدیک یہ بات ہے کہ رُوح نسمہ سے جب ملجاتی ہو تو خود ایک جسم پیدا کر لیتی ہو اور جب انسان مرتاہے اور رُوح اُس سے علیحدہ ہوتی ہی تو خود ایک جسم رکھتی ہے جیساکہ اوپر مسئلہ پنجم میں

بیان ہُوا ہے پس حشر میں کوئی نئی زندگی نہیں ہے بلکہ پہلی ہی زندگی کا تتمہ ہے شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی یہی قول ہے جیسا کہ انہوں نے حجۃ البالغہ میں کہا ہے کہ جسموں کا اٹھنا اور روحوں کا اُن میں پھر آنا یہ کوئی نئی زندگی نہیں ہے بلکہ اُسی پہلی زندگی کا تتمہ ہی جسطرح زیادہ کھا جانیسے بدہضمی ہو جاتی ہے اگر ایسا نہ ہو تو لازم آوے کہ یہ کوئی دوسری خلقت ہو اور ان لوگوں کے کئے کا یعنے جو دُنیا میں تھے کچھ بدلا ہی نہ ہو۔ نسبت اس جسد کے جو دُنیا میں قبل الموت تہا اسکا دوبارہ اُٹھنا اور اسمیں روح آنے کے شاہ ولی اللہ صاحب بھی قائل نہیں ہیں۔ اور صاحب تفسیر کبیر نے سُورۃ قیامۃ کی تفسیر میں جو تقریر لکھی ہے اُس سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے اور وہ یہ ہے :۔ کہ

جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ انسان تو یہی موجودہ بدن ہے پہر جب انسان مرگیا تو بدن کے اجزا منتفرق ہو گئے اور مٹی میں مٹی ملکر مشرق سے مغرب تک اور مغرب سے مشرق تک پہیل گئی اب ان اجزا کا دوسری مٹی کے اجزا سے ممتاز ہونا ناممکن ہے تو قیامت بھی ناممکن ہوگی تو یہ اعتراض دو طور سے مندفع ہوتا ہے (۱) ہمکو یہ تسلیم نہیں ہے کہ انسان اس بدن کا نام ہے ممکن ہے کہ وہ ایک ایسی چیز ہو جو اس بدن کی مدبر ہو اور جب بدن خراب ہو جائے تو وہ اپنی حالت پر زندہ رہے اب خدا کو اس بات پر قدرت ہے کہ اسکو کوئی اور بدن دیدے چنانچہ اس آیت میں بھی اسی بات کیطرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ خدا نے پہلے تو نفس لوامہ کی قسم کھائی۔ پہر فرمایا کہ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اسکی ہڈیاں نہ اکٹھی کریں گے اس سے صاف پیدا ہوتا ہے کہ نفس اور بدن دو چیزیں ہیں "

قرآن مجید سے بھی اس موجودہ جسم کا دوبارہ اُٹھنا نہیں پایا جاتا بلکہ ایک اور قسم کی جسم کا ہونا ثابت ہوتا ہے خدا نے سورۂ واقعہ میں فرمایا ہے نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ءَ اَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورہ واقعہ آیات ۵۷-۶۱) ترجمہ: ہمنے تمکو پیدا کیا پھر کیوں نہیں تم مانتے۔ پہر کیا تم سمجھتے ہو جو کچھ تم عورتوں کے رحم میں ڈالتے ہو۔ کیا تم اس کو پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنیوالے ہیں۔ ہم نے مقدر کی ہی تم میں موت اور ہم اس بات سے پیچھے نہیں رہے یعنی عاجز نہیں ہیں کہ ہم بدل دیں اوقات تمہارے اور ہم تمکو پیدا کریں اُس صفت میں جسکو تم نہیں جانتے۔

اس آیت میں لفظ امثال کا جمع ہے لفظ مثل لفتح المیم والثاء کی اور تمام آیات ماسبق وما لحق سے جو اس سورۃ میں ہیں صاف ظاہر ہے کہ حالات حشر اس میں مذکور ہیں خدا فرماتا ہے کہ ہمنے موت کو تم میں مقدر کیا ہے اور ہم اسبات سے عاجز نہیں ہیں کہ جو اس زندگی میں تمہارے اوصاف ہیں اُنکو بدل دیں اور پیدا کریں ایسے اوصاف میں جنکو تم نہیں جانتے لفظ پیدا کرنے سے صاف پایا جاتا ہے کہ موجودہ اوصاف کے معدوم ہونے کے بعد پیدا کرنا مراد ہے ؎

جو لوگ رُوح کے قائل نہیں تھے اور وہی لوگ حیات مابعد الموت کے بھی قائل نہ تھے اور وہی لوگ ان آیتوں میں مخاطب ہیں اسی بدن کو جو انسان اس دنیا میں رکھتا ہے انسان کے اوصاف سمجھتے تھے ۔ طویل القامت ۔ بادی البشرہ ۔ عریض الاظفار ۔ ماش علی قدمیہ وغیر ذالک ۔ اب خدا نے فرمایا ہے کہ ان اوصاف یعنی اس جسم کے فنا ہونے کے بعد ہم اسبات سے عاجز نہیں ہیں کہ ان اوصاف کو بدل کر تمکو اور اوصاف میں یعنی دوسری قسم کے جسم میں جسکو تم نہیں جانتے پیدا کریں پس یہ آیت صاف دلیل اسبات کی ہے کہ حیات بعد الموت میں رُوح کیلئے جو جسم دُنیا میں ہے نہ ہوگا بلکہ ایک اور قسم کا جسم ہوگا ؎

اب ہم قرآن مجید کی اور آیتوں کو جو اس مضمون سے زیادہ تعلق رکھتی ہیں اس مقام پر لکھتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ جب بامعان نظر دیکھا جاوے ۔ اور منکرین رُوح کے عقائد کو بھی مدنظر رکھا جاوے تو انمیں اس جسم کا جو دُنیا میں ہے دوبارہ اُٹھنا ثابت نہیں ہوتا ۔

وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا (سورۃ نوح آیات ۱۶ و ۱۷)	اور خدا نے اگایا تمکو زمین سے ایک قسم کا اُگانا پھر تمکو پھر کر لیجاویگا اس میں ۔ اور نکلے گا

تمکو ایک طرح کا نکالنا ؎

هُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (سورۃ اعراف آیت ۵۵)	یہ وہ ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دینے والیاں اپنی رحمت کے آنے کی ۔ یہاں تک کہ جب اٹھاتی ہیں بوجھل بادل کو تو ہم اُن کو ہانک لیجاتی ہیں مرے ہوئے شہر کو پھر اُس سے برساتے

ہیں پانی پھر ہم اُس سے نکالتے ہیں ہر طرح کے میوے ۔ اسیطرح ہم نکالینگے مُردوں کو ؎

وَاللّٰهُ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیَاحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۔ (سورۃ ملائکہ آیت ۱۰)	اور اللہ وہ ہی جسنے بھیجا ہے ہواؤں کو پھر اُٹھاتی ہیں بادلونکو پھر ہم اسکو ہانک لیجاتے ہیں مرے ہوئے شہر کیطرف پھر اُس سے زندہ

کرتے ہیں زمین کو اُسکے مرجانیکے بعد اسی طرح مردوں کا زندہ ہونا ہے ٭

پہلی آیت میں ظاہر ہے کہ انسان زمین سے مثل نباتات کے نہیں اُگا اسی طرح نہ مثل نباتات کے دوبارہ زمین سے نکلیگا پس یہ تشبیہ صرف معدوم ہونیکے بعد پھر پیدا ہونیکی ہے نہ اسبات کی کہ انسان بعد مرنے کے مثل نباتات کے پھر زمین سے نکلینگے ٭

دوسری آیت میں بھی صرف بعد معدوم ہونے کے پھر موجود ہونیکا بیان ہے اس سے زیادہ اور کسی چیز کا بیان نہیں ہے ٭

پھر تیسری آیت میں "نخرج" کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ "نشر" کا لفظ استعمال ہوا ہے اور اس لفظ کے معنے قاموس میں احیاء المیتہ کے ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صرف مردوں کے پھر موجود ہونیکی تشبیہ ہے نہ اُس جسم کی جو دنیا میں موجود تھا قبر میں سے نکلنے کی ٭

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى (سورۂ طہٰ آیت ۵۷)	ہمنے تمکو زمین سے پیدا کیا اور اُسی میں پھر کر لیجاویں گے اور اُسی سے تمکو دوسری دفعہ نکالیں گے ٭

انسانوں کو خدا نے زمین میں سے پیدا نہیں کیا ماں کے پیٹ سے پیدا کیا ہے پس اُسکا زمین سے پیدا کرنا مجاز آبا دلنے ملابست بولا گیا ہے اسیطرح اسکے مقابلہ میں زمین سے دوسری دفعہ نکلنا بھی مجاز آبا دلنے ملابست بولا ہے پس اس سے یہ مطلب کہ یہی جسم جو دنیا میں موجود تھا پھر دوبارہ زمین سے نکلیگا ثابت نہیں ہوتا ٭

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِيْ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ (سورہ ق آیات ۴۱ و ۴۳)	اور سن ایکدن پکارے گا پکارنے والا پاس کے مقام سے۔ ایکدن سنینگے زور کی آواز۔ یہ ہی دن نکلنے کا دلیئے اپنی جگہوں سے روحوں کی نکلنے کا معاً انکی اجسام کے جو مفارقت بدن کی وقت انکو حاصل ہوئی تھے اور ایک جگہ جمع ہونیکا

نہ یہ کہ ان اجسام کا جو دنیا میں موجود تھے دوبارہ پتلا بنکر نکلنے کا) بیشک ہم زندہ کرتے ہیں اور ہم مار ڈالتے ہیں اور ہماری طرف پھر آنا ہے جلدی کرتے ہوئے اسدن کہ پھٹ جاویگی ان سے زمین پھر اکٹھا کرنا ہم پر آسان ہے" +

اس جملے سے "یوم تشقق الارض" یوم قیامت مراد ہے نتیجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن سب روحیں اکٹھی ہونگی اس آیت کو ان جسموں کے جو دنیا میں تھے دوبارہ اٹھنے سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے

يَقُولُونَ إِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ۔ أَئِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۔ قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُم بِالسَّاهِرَةِ (سورۃ النازعات آیات ۱۰ و ۱۲)	کہتے ہیں کہ کیا ہم لوٹائے جاوینگے الٹے قدموں کیا جب ہونگے ہم ہڈیاں گلی ہوئی۔ کہتے ہیں کہ یہ (لوٹانا) اسوقت پھر آنا ہے نقصان کا۔ اسکے سوا کچھ نہیں کہ وہ ایک سخت آواز ہے پھر یکایک

وہ ایک میدان میں ہونگے جسمیں نیند نہ آتی ہو +

منکرین حشر کے یہ الفاظ "ائذا کنا عظاما نخرہ" اس آیت میں اور مثل اسکی اور آیتوں میں آئے ہیں جیسے "ائذا کنا ترابا وعظاما" اور "من یحیی العظام وھو رمیم" اور "ائذا کنا عظاما ورفاتا ائنا لمبعوثون"۔ اسی خیال پر مبنی ہیں کہ وہ انسان کو بجز اس جسم موجودہ کے اور کچھ نہیں جانتے تھے یعنے روح کے وجود کے قائل نہ تھے اور اسی سبب سے وہ تعجب کرتے تھے۔ کہ اس جسم کے گل جانے اور معدوم ہو جانے کے بعد وہ پھر کیونکر اٹھیگا اور اسی استبعاد کے سبب وہ اس قسم کے شبہات کرتے تھے روح کی حقیقت وہ نہیں سمجھ سکتے تھے بلکہ اسکی ماہیت مثل دیگر اشیاء کی ماہیت کے انسان کی سمجھ سے خارج تھی اور خدا تعالی طرح طرح سے ان کے استبعاد کو دور کرتا تھا اور حشر کے ہونے پر یقین دلاتا تھا کبھی تمثیل میں اور کبھی اپنے قادر مطلق ہونے میں۔ پس ان الفاظ سے جو منکرین روح استبعاد رکھتے تھے اور ان کی جواب تمثیلی یا اسکے مقابلے میں اظہار قدرت کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس جسم کا جو وہ دنیا میں رکھتے تھے اور جسکا گل جانا اور معدوم ہو جانا کہتے تھے اسی جسم کو خدا پھر اٹھاوے گا +

سورۃ مومن۔ سورۃ صافات اور سورۃ واقعہ میں بالفاظ متحدہ خدا تعالی نے یہ فرمایا ہے :-

قَالُوا أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا	کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مرجاویں گے اور ہم ہو جاوینگے

أَئِنَّا لَمَبْعُوثُونَ	اور ہم ہوجاوینگے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم اٹہائے جاویں گے +
وَكَانُوا يَقُولُونَ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَئِنَّا لَمَبْعُوثُونَ أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ - قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ لَمَجْمُوعُونَ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَعْلُومٍ (سورۃ واقعہ آیات ۴۶ - ۵۰)	اور وہ کہتے تھے کہ کیا جب ہم مرجاویں گے اور ہم ہوجاینگے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم اُٹہائے جاوینگے کیا ہمارے باپ دادا بھی (اٹہائے جاوینگے) کہدے کہ بیشک اگلے اور پچھلے

ضرور اکٹھے کئے جاویں گے وقت دن معین میں +

اس آئت میں سوال تہا کہ کیا ہم اور ہمارے باپ دادا اُٹہائے جاوینگے اس کا جواب یہ ملا کہ بیشک اکٹھے کئے جاوینگے اس سی صاف ظاہر ہے کہ جہاں جہاں قرآن مجید میں بعث کا لفظ آیا ہے اس سے جمع کرنا مراد ہے نہ اس جسم کو جو ہم دُنیا میں رکہتے ہیں بعد معدوم ہوجانے کے پھر پُتلا بنا کر اُٹہانا +

بعث کا اطلاق لشکر پر اُن معنوں میں آتا ہی جبکہ اُن کو ایک جگہ جمع ہونیکا حکم دیا جاتا ہے - اس آئت میں خود خدا نے بعث کے معنوں کی تشریح کردی ہی اور اس لئے اُس کے کوئی دوسرے معنے نہیں لئے جاسکتے +

| وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ - (سورۃ حج آیات ۵ و ۶ و ۷) | اور تو دیکہتا ہی کہ زمین خشک ہوگئی پہر جب ہم برساتے ہیں اُسپر پانی تو پہولتی ہی اور بڑہتی ہے اور اُگاتی ہے ہر قسم کی خوش آئند چیزیں یہ اسلئے ہی کہ اللہ وہی برحق ہے اور یہ کہ وہی زندہ کرتا ہی مردوں کو اور یہ کہ وہ ہر شے پر قادر ہے اور یہ کہ قیامت آنیوالی ہی اسمیں کچہہ شک نہیں اور یہ کہ اللہ اٹہاویگا اُن کو جو قبروں میں ہیں + |
| وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ | اور پہونکا جاویگا صور میں پس یکایک وہ قبروں میں سے اپنے پروردگار کے پاس دوڑیں گی کہینگے اے وائے ہم پر کس نے اٹہایا ہمکو ہماری مرقد سے یہ وہ |

اَلْمُرْسَلُوْنَ۔ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ○ (سورۂ یٰسین آیات ۵۱-۵۳)

ہے جسکا وعدہ کیا تہا خدا نے اور سچ کہا تہا پیغمبروں نے یہ نہیں تہا مگر ایک تندآواز میں پھر دفعتاً وہ سب ہمارے پاس حاضر ہونیوالے ہیں +

اگرچہ ان آیتوں میں خدا تعالی نے اُن لوگوں کا قبروں میں سے اُٹھنا اُن کو جو بعث کو بسبب نہ یقین کرنے رُوح کے منکر محض تھے زیادہ تر یقین دلانے کو من فی القبور اور من الاجداث کے بیان فرمایا ہے یعنے جنکو تم قبروں میں گڑا ہوا اور گلا سڑا خاک میں ملا ہوا سمجھتے ہو وہی قبروں میں سے اُٹھینگے مگر در حقیقت مقصود اور موضوع کلام کا یہ نہیں ہے کہ وہ کہاں سے اُٹھینگے۔ کیونکہ بہت سے ایسے ہیں جو قبروں میں نہیں ہیں آگ میں جلادئے گئے ہیں جانور کھا گئے ہیں بلکہ مقصود مردوں کا یعنی جنکو ہم مرا ہوا سمجھتے ہیں اور جنپر مُردے کا اطلاق ہوتا ہے قیامت میں انکا موجود ہونا ہے لیکن اگر ہم کچھہ غور کریں اور یہی سمجھیں کہ جو لوگ قبروں میں دفن ہوئے ہیں وہی اُٹھینگے تو بھی اِن آیتوں سے یہ بات کہ انکا یہی جسم ہوگا جو دُنیا میں رکھتے تھے کسی طرح سے پایا نہیں جاتا +

قرآن مجید میں دو اور عجیب آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہی کہ قیامت کے دن نہ کسی معدوم جسم کا دوبارہ پتلا بنا کر اٹھایا جاویگا نہ کوئی جدید جسم اُن کو ملیگا بلکہ وہی جسم ہوگا جو رُوح ونسمہ کے اختلاط سے رُوح نے حاصل کیا تہا اور بعد مفارقت بدن رُوح نے معہ اُس جسم کے مفارقت کی تھی پس جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا کہ نشاء آخرت تکملہ اسی حیات کا ہوگا نہ خلق جدید بالکل ٹھیک معلوم ہوتا ہے +

وَقَالُوْا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ قُلْ

اور کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور گلے ہوئے ہوجاوینگے تو کیا ہم پھر اُٹھائے جاوینگے نئے پیدا ہوکر۔ کہدے کہ تم پتھر ہوجاؤ یا لوہا یا اس قسم کی پیدائش جو تمہارے دل کو بڑی مستحکم لگتی ہو تب بھی تم کہوگے کہ کون ہمکو لوٹا دیگا۔ کہدے کہ وہ جسنے پیدا کیا تمکو پہلی دفعہ پھر جھکا دینگے اپنے سروں کو تیری طرف اور کہنے لگینگے

عَسٰۤی اَنْ یَّکُوْنَ قَرِیْبًا۔ (سورہ والاسری آیات ۵۲ و ۵۳)

وہ کب ہوگا؟ کہہ دے کہ شاید ہووے قریب +

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ۔ بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ کٰفِرُوْنَ قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ (سورہ سجدہ آیات ۱۰ و ۱۱)

اور انہوں نے کہا جب ہم زمین میں گم ہوجاوینگے یعنے (گل گلا کر مٹی ہوکر اُس میں ملجاوینگے) تو کیا ہم ایک نئی پیدائش میں آوینگے بلکہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے کے منکر ہیں کہدے کہ تمکو ملک الموت ماریگا جو تم پر متعین ہے۔ پھر اپنے پروردگار کے پاس پھر جاؤ گے" +

متذکرہ صدر دونوں آیتوں میں باوجودیکہ سوال خلق جدید سے تھا مگر خدا نے اسکو قابل جواب نہیں سمجھا کیونکہ خود سوال ہی باطل تھا کہ خلق جدید خلق سابق کے اعمال کی جزا و سزا کی مستحق نہیں ہوسکتی ایک جگہ تو یہ فرمایا کہ تمکو پھر وہی حشر میں لاویگا جس نے تمکو اوّل مرتبہ پیدا کیا تھا اور لانے کی کچھ تفصیل نہیں بتلائی اور دوسری آیت میں فرمایا کہ اُن کی یہ باتیں اس بنا پر ہیں کہ پروردگار سے ملنے کے منکر ہیں اور یہ جواب دیا کہ جب مروگے تو اپنے پروردگار کے پاس جاؤ گے۔ غرضکہ ان آیتوں سے بھی اس جسم کا جو دنیا میں ہے دوبارہ پُتلا بنکر اُٹھنا ثابت نہیں ہوتا +

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ۔ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِکُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ (سورہ یٰسٓ آیات ۷۸ و ۷۹)

"کہ ہمارے لئے یہ مثال تو لاتے ہیں کہ کون زندہ کریگا ہڈیوں کو اور وہ تو گل گئی ہونگی اور اپنی پیدا ہونیکو بھول جاتے ہیں کہدے کہ انکو زندہ کریگا وہ جسنے تمکو پیدا کیا پہلی دفعہ اور وہ ہر قسم کی آفرینش کو جانتا ہے" +

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ (سورۃ قیامۃ آیات ۳ و ۴)

"کہ کیا انسان گمان کرتا ہے کہ ہم ہڈیوں کو اکٹھا نہ کریں گے یہ بات نہیں ہے بلکہ ہم اسپر قادر ہیں کہ انگلیوں کی پوریوں کو بھی درست کریں"

قُلِ اللّٰهُ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ یَجْمَعُکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ (سورہ جاثیہ آیت ۲۵)

"کہدے کہ اللہ تمکو جلاتا ہے پھر تمکو مار ڈالیگا پھر تمکو قیامت کے دن اکٹھا کرے گا"

ان تین آیتوں میں سے پہلی دو آیتیں ایسی ہیں جن پر متکلمین نافین نفس ناطقہ استدلال کر سکتے ہیں جیسا کہ شرح مواقف میں مذہب اول بیان کیا گیا ہے اور کہہ سکتے ہیں کہ جب انہی گلی ہوئی ہڈیوں کے زندہ کرنیکا بیان ہوا ہے اور انگلیوں کے پوروں تک بنا دینا بتایا ہی تو اس سے اسی جسم کا جو دنیا میں ہے دوبارہ پتلا بنکر اٹھایا جاتا ہے مگر یہ خیال دو طرح پر غلط ہے ایک اسلیئے کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ کسی سوال کے جواب میں صرف اظہار قدرت سے اسبات کا ثبوت کہ یہی جسم جو دنیا میں ہے دوبارہ پتلا بنا کر اٹھایا جاویگا لازم نہیں آتا۔ دوسرے یہ کہ اُسی کیساتھ یہ بیان ہوا ہے کہ "ہو بکل خلق علیم"۔ یعنے وہ ہر قسم کے پیدا کرنیکو جانتا ہے کہ گلی ہوئی ہڈیوں کی زندگی کیا چیز ہے اور وہ کیونکر ہوتی ہی؟ پھر اُس سی یہ سمجھنا کہ وہ گلی ہوئی ہڈیاں دوبارہ ایسی ہی ہوجاویں گی جیسے کہ اب اس زندگی میں ہیں ایک صریح غلطی ہے ایک آئت کے معنے دوسری آئت سے حل ہوتے ہیں سورۃ جاثیہ میں صاف لفظوں میں خدا نے فرمادیا ہے کہ اللہ تم کو جلاتا ہے پھر تمکو مارتا ہے پھر تم کو قیامت کے دن اکٹھا کریگا پس یہ آئت نہائت صاف ہے اور اسی آئت کے سیاق سے تمام آیتوں کے معنے حل ہوجاتے ہیں

عقیدہ ہفدہم

الصراط والمیزان حق

ہمارا اعتقاد ہے کہ صراط آخرت حق ہے اور ہر شخص کو اُسکا طے کرنا ضروری ہے مگر اسکے اوصاف کہ وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی باڑ سے زیادہ تیز ہے اور دوزخ کے اوپر تنا ہوا ہی نہ قرآن مجید میں مذکور ہیں اور نہ کسی حدیث قابل الوثوق سے پائے جاتے ہیں +

قرآن مجید میں لفظ صراط آیا ہی اور بعض احادیث احادیں بھی جہاں واقعات قیامت مذکور ہیں صراط کا لفظ آیا ہے پس جن معنوں میں یہ لفظ قرآن مجید میں آیا ہی انہیں معنوں

میں احادیث میں بھی آیا ہے خود خدا نے اپنے بندوں کو یہ دعا سکھائی ہے " اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ " اور پیغمبر کو کہا ہے " وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ " پھر فرمایا ہے " هَٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ " حضرت عیسیٰ کی زبان سے فرمایا " إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ " اور تمام بنی آدم کو فرمایا ہے " وَأَنِ اعْبُدُونِي هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۞ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۞ قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمَّنْ يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۞ قُلْ كُلٌّ مُتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوا فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ أَصْحَابُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدَىٰ ۞ وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاكِبُونَ " پس جن لوگوں نے کہ دنیا میں شرک نہیں کیا اور صرف خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کی ہے وہ قیامت میں بھی صراط مستقیم پر ہونگے اسی حالت کا جسکو خدا تعالیٰ نے صراط سے تعبیر کیا ہے ہر شخص کو اسکا طے کرنا یا یوں کہو کہ ہر شخص پر اُس حالت کا گذرنا لازمی ہے خواہ شامت اعمال سے گبڑا اور ندامت زدہ ہو یا خوش نصیبی سے اور اعمال نیک سے علے الخصوص خدا کی توحید اور اسی کی عبادت میں یکتا ہونے سے سربلند اور خوشحال ہو۔ اسی کی طرف خدا نے اشارہ کیا ہے جہاں فرمایا ہے۔ أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمَّنْ يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ یعنے کیا وہ شخص جو کبڑا ہو کر منہ جھکائے چلتا ہے زیادہ ہدایت پر ہے یا وہ شخص جو سیدھا ہو کر سیدھے رستہ پر چلتا ہے +

صراط سے کوئی حقیقی اور ظاہری مجسم شے مراد نہیں ہے بلکہ اس طریقہ کو جو اُس نے اختیار کیا ہے یا اسکی حالت کو صراط سے تعبیر کیا ہے +

حدیثیں جو اس خاص مضمون پر ہیں صحیح حدیثیں نہیں ہیں اُن میں اختلاف ہے کوئی حسن ہے کوئی حسن غریب ہے مشکوٰۃ میں جو حدیث ابوداؤد سے حضرت عائشہ کی نقل ہے اس میں الفاظ عند المیزان عند الکتاب عند الصراط بجائے علی الصراط کے آئے ہیں اسکے بعد یہ

یہ الفاظ ہیں کہ "اذا وضع بین ظہری جھنم" اور نہیں معلوم ہوتا کہ یہ الفاظ راوی کے ہیں یا حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے معہذا یہ دونوں حدیثیں آپس میں مختلف ہیں ابوداؤد کا یہ مدعا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان مقاموں میں ملینگے اور ملنے والے کو پہچانیں گے اور حضرت عائشہ کی حدیث میں صاف یہ ہے ان مقاموں میں لا یذکر احداً احداً۔

غرضکہ صراط آخرت اس حالت کی تعبیر ہے جو آخرت میں گذریگی جو لوگ اس دنیا میں صراط مستقیم پر چلنے والے ہیں صراط آخرت کو بھی کالبرق خاطف طے کرجاوینگی جو اس دنیا میں صراط مستقیم سے ڈگمگانے والے ہیں وہ صراط آخرت پر بھی ڈگمگا جاوینگے اور جہنم میں گر پڑیں گے۔

میزان اعمال کے وزن یعنے اندازہ ہونے پر ہمارا یقین ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:۔ "وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِهَا وَكَفٰی بِنَا حٰسِبِیْنَ۔ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِیْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا"

قرآن مجید میں اور جگہ میزان کا لفظ آیا ہے اور اس سے آلہ معروف وزن کشی بقالان وصرافان مراد نہیں ہے سورہ شوریٰ میں فرمایا ہے "اللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ" اور سورۃ حدید میں ہو "وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ"

پس کوئی شخص یقین نہیں کرتا کہ سوائے کتاب اللہ کے کوئی ترازو یعنے آلہ معروف

وزن کشی بہی خدا کے ہاں سے اُتری تھی پس قیامت میں خداتعالی اپنے علم کامل ازلی و ابدی کے اور عالم کلیات وجزئیات کے ہونے سے اپنی اس صفت عدل سے جو اُس میں ازلی و ابدی ہے ہر ایک کی اعمال نیک وبد کی مقدار اُن پر ظاہر کریگا۔ پس اُسی صفت عدل کو میزان وو زن اعمال سے تعبیر کیا ہے چنانچہ خداتعالی نے نہائت صاف طور پر سورہ انبیا میں فرمایا ہے "وَنَضَعُ مَوَازِيْنَ الْقِسْطِ" یعنے ہم رکھینگے ترازو عدل کی۔ عدل کی ترازو کیا ہی۔ وہی عدل ہے کما یقال الموازین ھو العدل۔ قاموس میں میزان کے معنی ہیں "المیزان معروف والعدل والمقدار ووازنہ عادلہ"

ہم اُن حدیثوں کو صحیح نہیں مانتے جنمیں میزان کی پلڑوں اور ڈنڈی کے ہونیکا اور اعمال کے چھٹوں کا اُن پلڑوں میں رکھکر تولے جانیکا ذکر ہے ان روایا میں جو الفاظ ایسے ارد ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نہیں ہیں کیونکہ احادیث روایات بالمعنی ہیں نہ بالفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ راویوں نے لفظ میزان کی تفسیر اپنے فہم کے مطابق کردی ہی بجنسہ وہ الفاظ آنحضرتؐ کے نہیں ہیں*

تکملہ

وَاَصْحَابُ مُحَمَّدٍ الرَّسُوْلِ اللّٰهِ اَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ الْاَنْبِيَاءِ

اور اصحاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام انسانوں سے بعد انبیاء کے سب بزرگ ہیں

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا

محمد اللہ کا رسول ہے اور جو لوگ اُس کیساتہہ ایمان لائے سخت ہیں کافروں پر اور آپس میں محبت والے ہیں تو انکو دیکھتا ہے رکوع کرنے والے سجدہ کرنیوالی

مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا - سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا +	اللہ کے فضل کے خواستگار ہیں اور اُس کی رضامندی کے ۔ نشانی اُن کی چہرے پر ہے اثر سے سجدہ کے یہ ہے صفت اُنکی بیچ توراۃ کے اور صفت اُن کی بیچ انجیل کے ۔ جیسے کھیتی نکالے اکھوا اپنا پس قوی کرے اسکو پس موٹی ہو جاویں پس کھڑے ہو جائیں اوپر جڑی اپنی کے خوش لگتی ہی کھیتی کرنیوالے کو تاکہ غصہ میں لاوی اللہ بسبب اُن مسلمانوں کے کافروں کو ۔ وعدہ کیا اللہ نے اُن لوگوں سے جو

ایمان لائے اور عمل کئے اچھے اُن سے بخشش اور اجر عظیم کیا +

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ +	تم بہترین اُمت ہو جو نکالے گئے ہو آدمیوں کیلئے حکم کرتے ہو نیک باتوں کا اور روکتے ہو بری باتوں سے اور ایمان رکھتے ہو خدا پر +

اصحاب محمد رسول اللہ کے تمام انسانوں سے بعد انبیاء کے سب سے بزرگ اور افضل ہیں اُنہوں نے بمعیت جناب رسالتمآب اور اُنکی وفات کے بعد بذات خود اسلام کی بڑی بڑی خدمتیں کیں اور اُنکی کمال تعریف قرآن مجید اور صحیح احادیث میں موجود ہے نہ وہ منافق تھے نہ کافر بلکہ سچے اور کامل الایمان مسلمان تھے ۔ اُن کا خاتمہ بھی اسلام پر ہوا ۔ ان کے مدارج کو کوئی شخص نہیں پہنچ سکتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کو پایا اور جان و مال سے اسکی مدد کرنا اب کس کو نصیب ہو سکتا ہے رسول اللہ کا برائے العین حالت اسلام میں مشاہدہ کرنا ہی ایسی بڑی فضیلت ہے کہ اور کسی شخص کو اب یا اس سے پہلے سوا ان کے نصیب نہیں ہوئی ۔ اپنی آنکھوں سے اُنہوں نے وہ جمال مبارک دیکھا اور اپنے کانوں سے خود پیغمبر کی زبان سے اس وحی کو سُنا جس نے چار دانگ عالم میں توحید پھیلائی اور شرک اور بت پرستی کا قلع قمع کیا ۔ اللہ اُن سب سے راضی ہو +

بحثِ خلافت

خلافت راشدہ بعد وفات پیغمبر علیہ السلام کے صرف تیس سال تھی اس عرصہ میں اوّل ابوبکر الصدیقؓ دوم عمر فاروقؓ سوم عثمان ذوالنورینؓ چہارم علی المرتضیٰؓ پنجم امام حسن مجتبیٰؓ خلیفہ ہوئے +

یہ خلافت منصوصہ نہ تھی موعودہ تھی۔ حضرت ابوبکر کے خلیفہ ہونے پر صحابہ کا اجماع ہوا اور پھر حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکرؓ نے اپنا جانشین مقرر کیا۔ حضرت عمر نے چھہ کس میں معاملہ خلافت کو چھوڑا اُن میں سے حضرت عثمان منتخب ہوئے پھر صحابہ نے حضرت علی کو انتخاب کیا اُنکے بعد حضرت امام حسن صرف تھوڑی مدت کیلئے خلیفہ ہوئے اور تیس سال کے اختتام پر انہوں نے خود خلافت کو چھوڑ دیا +

گو یہ خلافت کسی ایک کے حق میں منصوص بہ نص صریح نہ تھی مگر اللہ جلشانہ نے جیسا کہ آیۃ استخلاف میں جو سورۃ نور میں ہے اپنا وعدہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایفا کیا وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔ (ترجمہ) وعدہ کیا خدا نے انکو ساتھہ جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے یہ کہ خلیفہ کریگا انکو زمین میں جیسا خلیفہ کیا تھا اُن سے پہلوں کو اور مضبوط کردیگا اُن کیلئے دین اُنکا جو اُن کیلئے پسند کیا ہے اور بدل دیگا اُن کیواسطے خوف کے پیچھے امن ۔ میری عبادت کرینگے اور میرے ساتھہ کسی شئے کو شریک نہ کرینگے ۔ اور جو کوئی اسکے بعد ناشکری کرے وہ پس وہی لوگ ہیں فاسق +

یہ خدا کا وعدہ ہے جسکا ایفا ہونا لازمی تہا اس آیت میں جو لفظ ”منکم“ ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہ وعدہ اُن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تہا جو بوقت نزول اس آیت کی ایمان لاچکے تھے اور ضمیر ”ہم“ جو ”یستخلفنہم“ میں ہے اور نیز تمام آیت کے ضمائر جمع سے ظاہر ہے کہ اس وعدہ کے مصداق دو سے زیادہ صحابہ تھے رضی اللہ عنہم پس زمانہ خلافت راشدہ میں جو بموجب حدیث صحیح کے بعد وفات رسول کریم کے صرف تیس سال تہا جو صحابہ خلیفہ ہوئے ۔ بلاشبہ وہ ایفا اس وعدہ کے مطابق خلیفہ ہوئے اب یہ بات بہی اس آیت سے ثابت ہے

کہ اُس وعدہ کا ایفا اُن اشخاص سے مقرر تہا جو ایمان لاچکے ہوں اور انکے اعمال بھی اچھے ہوں
پس خلفاء مذکورین بلاشبہ ایمان والے تھے اور اُنکے اعمال بھی اچھے تہے ورنہ یہ وعدہ کیوں اُنسے وفا ہوتا۔ نیز یہ
امر بہی اسی آیت شریف سے ثابت ہے کہ جس دین پر وہ تھے خدا نے اُسکے مضبوط و مستحکم کرنیکا بھی وعدہ فرمایا
تہا اور وہ دین خود خدا نے اُن کیلئے پسند فرمایا تہا پس خلفاء رضی اللہ عنہم کا دین پسندیدہ خدا تہا اور ظاہر
ہے کہ اُن کے عہد مبارک میں خوف کو امن سے بدلنے کا اور استحکام دین کا جو وعدہ تہا کیسا عمدہ
طور پر وفا ہوا۔ کس طرح دین خدا نے انکے عہد مبارک میں ترقی کی کسطرح مشرق سے مغرب تک
دین اسلام کا تسلط ہوگیا۔ اب اس آیت شریف کے بعد مسلمانوں میں خلافت کی نسبت کوئی تنازعہ ہونا نہ
چاہیے تہا بلکہ جس ترتیب پر جن سے اس وعدہ کا ایفا ہوا مسلمانوں کو بطیب خاطر قبول کرلینا چاہیے تہا
کہ خلافت کے بارے میں اللہ تعالی نے جیسا پسند کیا تہا اُسکی مطابق ظہور پذیر ہوا۔ اُسوقت
کے مسلمانوں نے تو ایسا ہی کیا اور کوئی تنازعہ اس مسئلہ پر بپا نہوا مگر افسوس ہے کہ اُسکے بعد یہی
مسئلہ ابتک اسلام کے دو بڑے فرقوں میں سخت مخالفت کا باعث ہے اور جسقدر کہ اس مسئلہ کی اختلاف
سے اسلام کو نقصان پہونچا ہے اور کسی دشمن دین کی ہاتہہ سے اسلام کو اسقدر نقصان
برداشت کرنا نہیں پڑا جسقدر اس مسئلہ کی اختلاف نے تہذیب اور شائستگی اور علوم و فنون
کے ذخیرے کو ضرر پہنچایا ہے اور کسی مسئلہ نے نہیں۔ بغداد کی ویرانی اور خلفائے عباسیہ
کا استیصال علماء اور علوم کے ذخیرے کی بربادی جو اسکے ہاتہہ سے ہوئی ہے اور کسی
سے نہیں ہوئی اور اب بھی اُس سے باز نہیں آتے کیا کسی شخص کے ہاتہہ میں ہے کہ اب تیرہ سو
سال کے بعد خلافت کو کوئی شخص اپنے مزعومہ حقدار کو دیسکتا ہے اور جو کچہہ واقعہ ہو چکا کیا
اب اُسکا اعادہ ممکن ہے یا یہ کہنے سے کہ خلافت بلافصل فلاں حضرت کا حق تہا واقعات میں جسطرح پر
کہ وقوع میں آچکے ہیں کوئی تغیر و تبدل ہوسکتا ہے یا اسلام کو اُس سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے پس
میرے خیال میں اب وہ وقت آگیا ہے کہ ایسے مباحثات قطعاً ترک کردئے جائیں اور انپر مطلق
بحث نہ ہو جو ہونا تہا وہ ہوچکا اب ہماری مباحثات کا کچہہ فائدہ نہیں ہے مسلمانوں کو چاہیے
کہ وہی اتفاق اور اتحاد جو رسول اللہ نے پیدا کیا تہا اور جو کھویا گیا ہے اُسکو پیدا کریں +

بحث فضیلت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے کا تصفیہ بلاشبہ نہائت مشکل کام ہو کیونکہ کسی میں کوئی فضیلت تھی اور کسی میں کوئی پس ایک کو دوسرے سے افضل تب کہا جاتا ہے کہ ایک ہی صفت میں دونوں کا مقابلہ کیا جاوے ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے +

خلفا میں جس ترتیب پر خلافت واقع ہوئی چونکہ حسب وعدہ آلٰہی تھی اسلئے یہ کہنا کہ اُنکی افضلیت بھی بترتیب خلافت تھی یعنے حضرت ابوبکر الصدیق سب میں افضل تھے اُن کے بعد حضرت عمر فاروق اُنکے بعد حضرت عثمان ذی النورین اور ان کے پیچھے حضرت علی المرتضیٰ اور پھر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہم اجمعین مصئون عن الخطا ہے +

قرآن مجید میں فضیلت تعین کرنیکی نسبت ایک قاعدہ بطور کلیہ کے اس آئت میں بیان ہوا ہے کہ "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ" یعنے اللہ کے نزدیک تم سب میں وہ بڑا بزرگ ہے جو تم سب میں سے بڑا پرہیزگار ہے۔ پس بموجب اس قاعدہ کلیہ کے صحابہ رسول میں سے جو سب سے زیادہ پرہیزگار تہا وہ اللہ کے نزدیک سب میں سے افضل تہا۔

سورۃ اللیل میں اللہ جلشانہ فرماتا ہے وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓی اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی وَلَسَوْفَ یَرْضٰی (ترجمہ) اور قریب ہو کہ ہم بچات دینگے اس بڑے پرہیزگار کو جو دیتا ہے اپنے مال کو تاکہ پاک ہووے اور نہیں ہے کسی کے پاس کوئی نعمت کہ بدلا دیا جاوے۔ لیکن وہ دیتا ہے مال کو اپنے بزرگ پروردگار کی رضامندی چاہنے کو اور قریب ہے کہ وہ راضی ہو +

اس آئت میں اللہ تعالیٰ ایک اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کس پیاری طرز سے ذکر کرتا ہے اور اسکو لفظ اتقی سے جسکے معنے ہیں سب سے بڑا پرہیزگار یاد فرماتا ہے گویا یہ خطاب اتقی کا اپنی جناب سے اُسکو عطا فرماتا ہے اسکے مال خرچ کرنیکی راہ خدا میں صرف خدا کی مرضی کیواسطے صرف تصدیق ہی نہیں فرماتا بلکہ بطور تاکید اور ثبوت کے اُسکی نیت کی پاکیزگی اس طرح بیان فرماتا ہے کہ کسی کے پاس کوئی نعمت ہی نہیں جس سے اُسکا بدلہ دیا جاوے یعنے اُس نے بدلا لینے کے لئے اپنا مال خرچ نہیں کیا بلکہ کسی کے پاس کچھ چیز اُسکے بدلا دینے کی ہے ہی نہیں پھر وہ کیوں کسی ایسی غرض کیواسطے اپنا مال خرچ کرتا بلکہ وہ تو صرف اپنے پروردگار بزرگ کی رضامندی چاہنے

کو اپنا مال خرچ کرتا ہے اور اسکا صلہ بھی اُسکو دیا جاویگا کہ وہ راضی ہوگا۔

پس جبکہ اصحاب رسول کو خدا کی طرف سے اتقی کا خطاب اس آئت میں عطا ہوا ہی بلا شک و شبہ باقی صحابہ سے افضل ہے اب اس امر کے تعین کرنیمیں کہ وہ کون اصحاب تہا جسکے حق میں یہ آئت نازل ہوئی کوئی زیادہ تکلیف برداشت کرنی نہیں پڑتی کیونکہ تمام مفسرین کا اسبات پر اتفاق ہی کہ یہ آئت حضرت صدیق اکبر کے حق میں نازل ہوئی ہے علاوہ بر آں کتب تاریخ کے دیکھنے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچگئی ہے کہ حضرت ابو بکر الصدیق نے سب صحابہ سے زیادہ اپنا مال راہ خدا میں اور معاونت رسُول میں صرف کیا کہیں کل فروس مسلمان غلام مول لیکر آزاد کئے کہیں سامان لشکر جہاد کفار میں بیدریغ روپیہ صرف کیا کہیں مسلمانوں کے فوائد کو ملحوظ رکہکر اپنا مال حوالہ رسالتمآب کیا کہیں کسیطرح کہیں کسیطرح اپنا مال راہ خدا میں صرف کیا۔

یہ افضلیت جسکا ذکر ہے تکثر ثواب اور پرہیزگاری کے سبب سے ہے ؛

صحیح بخاری میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کا قول منقول ہو وہ فرماتے ہیں کہ "خیر الناس بعد الانبیاء ابو بکر ثمہ عمر ثمہ رجل اخر" اور یہ حدیث بطریق متعددہ صحت کو پہونچی ہے پس اسکے بعد شیخین کی افضلیت میں کچھہ اشتباہ باقی نہیں رہتا جب خود حضرت علی اسکو تسلیم کر چکے اور خود اُن کا اقرار ہے تو اب بعد صحت اس قول کے کسیکو حق نہیں ہے کہ چُون وچرا کرے ؛

ازواج مطہرات

ازواج مطہرات کی نسبت آئت تطہیر کا قرآن مجید میں موجود ہونا اسبات کی کافی دلیل ہے کہ انکا احترام اللہ جلشانہ کے نزدیک نہائت اعلیٰ درجہ کا تہا اُس آئت میں حضرت کی آل اور اولاد بھی شامل ہے کیونکہ لفظ اہل بیت میں جسکے معنے ہیں گھر والے سب شامل ہیں گو کہ اس آئت کے ماقبل اور مالحق آئتوں میں صرف ازواج رسُول کریم مخاطب ہیں ؛

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا رتبہ علاوہ اس امر کے کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ ہیں اُنکی اُس شریفانہ چال چلن سے جو اُن سے بسبب کرنے بعیت یزید کے صادر ہُوا تہا ثابت کرتاہے کہ وہ کس درجہ کے بزرگ تھے اور کس پایہ کے غیور اور صاحب شجاعت تھے اپنے بچوں اور عزیز رشتہ داروں کو اپنے سامنے شہید ہوتے ہوئے دیکہا اور پھر بھی اُس فاسق کی بعیت کرنے کا اقرار نہ کیا۔ خود بیکس وبے یار و مددگار بھوکے پیاسے شہید ہو گئے مگر یہ عار

گوارانہ کی کہ یزید کی جو فسق و فجور میں مبتلا تھا اور جس میں صلاحیت امیر المومنین ہونے کی نہ تھی بعیت قبول کرتے۔

باوجود اُس غیرت مندی کے جو حضرت موصوف کو اپنی عیال و ازواج پر تھی اسکا کچھ خیال نہ کیا کہ اُن کے شہید ہونیکے بعد انکا کیا حال ہوگا۔ غیرت دینی کو سب پر مقدم کرکے اپنی جان دیدی اور ایک فاسق کی بعیت کو قبول نکیا پس کیا ایسا شخص کچھ کم تعظیم کا مستحق ہے بلاشبہ اسکی تعظیم بھی اُسی درجہ کی ہونی چاہئے جو خود اُس نے اپنے کیریکٹر سے حاصل کی ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے آزادی فطری کا عمدہ نمونہ اسلام میں قائم کیا ہے اور اس رُتبے اور پایہ کا شائد ہی کوئی اور شخص دنیا میں گذرا ہے اللہ تعالےٰ کی اُس پر رحمت اور سلام ہو۔

غرض جتنے اصحاب رسُول اللہ کے تھے وہ ہماری نہائت تعظیم کے مستحق ہیں وہ ہمارے رسُول کے جاں نثار اور فرماں بردار خادم تھے اور اسلام میں اُنکی خدمات اس کثرت سی ہیں کہ خود اسلام اُن کا شکر گذار ہے اور ہم اُنکے زیر بار احسان ہیں اگر وہ نہوتے اور ایسے کارنمایاں اُن سے ظہور میں نہ آتے تو خدا جانے ہمکو کلمہ توحید نصیب ہوتا یا نہیں اور ہم دیروں اور مندروں میں رام رام کرتے اور بتوں کے بھجن گایا کرتے۔

جو مشاجرات کہ اُن میں ہوئے ان سے ہم کف لسان کرتے ہیں اور خدا پر چھوڑتے ہیں۔ وہی عالم الغیب والشہادۃ ہے اُنکی نیتوں کے مطابق وہ خود فیصلہ کریگا۔ ہم کون ہیں کہ تیرہ سو سال کے بعد انکا فیصلہ کریں۔

بلاشبہ حضرت معاویہ نے جو جنگ حضرت علی کے ساتھ کیا اُس میں وہ برسر خطا تھے اور سب سے بڑی بھاری غلطی اور بدعت جو اسلام میں اُن سے ہوئی اُنکا یزید کی ولیعہدی پر مسلمانوں سے بعیت لینا تھا جسنے اسلام کی جمہوری سلطنت کو شخصی سلطنت سے تبدیل کرکے یہ نوبت پہنچائی۔ اللہ اُسپر رحم کرے اس سے زیادہ ہم اُن کے حق میں بھی کیا کہہ سکتے ہیں۔

تمام شد

اشتہار

اِس کتاب کی قیمت بغرض عام اشاعت کے صرف ایک روپیہ رکھی گئی ہے۔ لیکن پچاس جلد کے خریدار کو ۲۵ روپیہ فیصدی کمیشن دیا جائے گا۔ سو جلد کے خریدار کو علاوہ کمیشن متذکرہ بالا کے محصول ڈاک اور خرچ پیکنگ بھی رعائت کیا جائے گا۔

جس قدر کتابیں مطلوب ہوں۔ راقم سے یا **وکیل ٹریڈنگ کمپنی امرتسر** سے بذریعہ قیمت طلب پارسل یا بذریعہ ارسال قیمت پیشگی کے طلب فرماویں۔ فوراً تعمیل کی جائیگی۔

المشتہر

منشی **عطا محمد خاں** گورنمنٹ پنشنر

کٹڑہ اہلووالیہ متصل نیو مارکیٹ

امرتسر

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

ہدایات

جامعہ عثمانیہ

۱۔ اراکین مجلس [illegible] مجلس اعلیٰ [illegible] ایک وقت میں [illegible] کتابیں [illegible] لے سکیں گے

۲۔ [illegible] اساتذہ [illegible] ایک وقت میں [illegible] کتابیں [illegible] لے سکیں گے [illegible]

۳۔ طلبا [illegible] ایک وقت میں [illegible] کتاب [illegible] لے سکیں گے [illegible]

۴۔ مدت مقررہ [illegible] کتابیں واپس نہ ہوں [illegible] فی کتاب [illegible] جرمانہ لیا جائیگا

۵۔ کتابوں پر کسی قسم کا نشان بنانا یا [illegible] ممنوع ہے

۶۔ قلمی نسخے اور حوالے کی کتابیں [illegible] نہیں دی جا سکیں گی فقط